محمد عبدالحکیم شرف قادری

B/59

اندھیرے سے اُجالے تک

مرکزی مجلس رضا، لاہور

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْر

اندھیرے سے اُجالے تک

آئینہ حیات امام احمد رضا بریلوی اور ان کے خلاف
فترا پردازیوں کا تحقیقی جائزہ

اشرف رضا لائبریری
کتاب نمبر
صدر بازار، لاہور چھاؤنی

محمد عبد الحکیم شرف قادری

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ)
پوسٹ بکس ۲۲۰۶ لاہور

سلسلۂ مطبوعات مرکزی مجلسِ رضا لاہور (۶۳)

بانی مجلس: حکیم اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ،

نام کتاب ـــــــ اندھیرے سے اُجالے تک
تصنیف ـــــــ محمد عبدالحکیم شرف قادری
صفحات ـــــــ ۲۸۰
کتابت ـــــــ محمد عاشق حسین ہاشمی، چنیوٹ
تصحیح ـــــــ مولانا حافظ عبدالستار قادری سعیدی
بارِ اول ـــــــ جنوری ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء
تعداد ـــــــ چار ہزار
مطبع ـــــــ محمود ریاض پرنٹرز، لاہور
ہدیہ ـــــــ دُعائے خیر بحق معاونین مرکزی مجلسِ رضا

ملنے کا پتا

مرکزی مجلسِ رضا، پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶ لاہور
نوٹ: بیرون جات کے حضرات پانچ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

اختر رضا لائبریری
کتاب نمبر
صدر بازار، لاہور چھاؤنی

فہرست

حرفِ آغاز ـــــــ ۹
بریلوی نیا فرقہ؟ ـــــــ ۱۰
امام احمد رضا اور عالمی جامعات ـــــــ ۱۴
البریلویۃ ـــــــ ۱۵
عجمی عربیت کی چند مثالیں ـــــــ ۱۷
کچھ اس تالیف کے بارے میں ـــــــ ۲۹
ہدیۂ سپاس ـــــــ //
عطیۂ محمد سالم کے نام ـــــــ ۳۱
ظہیر، حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی نظر میں ـــــــ ۳۳
دورِ زوال یا دورِ کمال؟ ـــــــ ۴۰
مرزا غلام قادر بیگ ـــــــ ۴۲
نادر استدلال ـــــــ ۴۳
قائدِ اعظم، اقبال اور ضیاء ـــــــ ۴۵
علامہ اقبال نجدی علماء کی نظر میں ـــــــ ۵۲
صدرِ پاکستان ـــــــ ۵۳

قرآن پاک جلادو ـــــ ۵۶
قصیدہ بُردہ اور دلائل الخیرات جلادو ـــــ ۵۷
بخاری شریف جلادو ـــــ ؍؍
حکومت پاکستان فتوے کی زد میں ـــــ ۵۸
یہ سب آلِ شیخ کا کیا دھرا ہے ـــــ ۵۹
شرک کا ہوّا ـــــ ؍؍

امام احمد رضا بریلوی

مفکرِ اسلام، امام اہل سُنّت ـــــ ۶۳
عبد المصطفٰے ـــــ ۶۵
قوّتِ حافظہ ـــــ ۷۱
قوّتِ ایمان ـــــ ۷۳
غیرتِ عشق ـــــ ۷۴
حزم و احتیاط ـــــ ۷۶
عبقریت ـــــ ۸۰
اتباعِ سُنّت ـــــ ۸۱
معصوم کون؟ ـــــ ۸۵
مظہرِ صحابہ ـــــ ۸۸
قابلِ رشک بچپن ـــــ ۸۹
نبوّت کا دعویدار کون؟ ـــــ ۹۲
بچپن کا ایک واقعہ ـــــ ۹۶

مرزا غلام قادر بیگ کون؟ ۹۷
ردِ مرزائیت ۹۸
علامہ عبد الحق خیر آبادی سے ملاقات ۱۰۱
شاہ آلِ رسول سے اجازت ۱۰۴
شاہ ابو الحسین احمد نوری سے استفادہ ۱۰۵

ردِ شیعہ

امام احمد رضا اور شیعہ ۱۰۷
تفضیلیہ سے مناظرہ ۱۱۰
سُنیّت اختیار کریں ۱۱۱
شیعہ کا حکم ۱۱۲
شیعہ ہونے کا الزام ۱۱۴
حدائقِ بخشش حصہ سوم ۱۱۵
ائمہ اہلِ سُنّت اور فضائلِ اہلِ بیت ۱۲۱
عربی شجرۂ طریقت ۱۳۷
اہلِ حدیث کا شیعہ ہونے کا اقرار ۱۴۳
دُنیا سے بے نیازی اور سخاوت ۱۴۶
اہلِ مدینہ کے لیے ہدیہ ۱۵۲
پان اور حُقّہ ۱۵۳
ہاتھ اور پاؤں کا چومنا ۱۵۷
شاہ علی حسین اشرفی ۱۵۹
شدّت کا الزام ۱۶۰

عِلمی شکوہ اور قدرتِ کلام ـــــ ۱۶۴
تقریر وخطابت ـــــ ۱۶۸
تصانیف ـــــ ۱۷۳
تعدادِ تصانیف ـــــ ۱۷۴
فتاویٰ رضویہ ـــــ ۱۷۷
اعتراضات ـــــ ۱۸۰
جدالممتار حاشیۂ شامی ـــــ ۱۸۵
حاشیہ فواتح الرحموت ـــــ ۱۸۶

اسلامی سیاست

تحریکِ ترکِ موالات ـــــ ۱۸۸
اسلامی تشخص تک قربان ـــــ ۱۸۹
قائدِ اعظم اور ترکِ موالات ـــــ ۱۹۱
علامہ اقبال اور دو قومی نظریہ ـــــ ۱۹۲
امام احمد رضا بریلوی اور ترکِ موالات ـــــ ۱۹۶
گائے کی قربانی ـــــ ״
اسلامیہ کالج لاہور ـــــ ۱۹۹
تحریکِ ہجرت ـــــ ۲۰۴
جہاد ـــــ ۲۰۶
تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات ـــــ ۲۰۸
دارالاسلام ـــــ ۲۱۱

ہندوؤں کا تعصب ______ ۲۱۶
گاندھی کی ملاقات سے انکار ______ ۲۱۷
تحریکِ خلافت ______ ۲۱۸
الائمۃ من قریش ______ ۲۲۱
بریلی کی تاریخی کانفرنس ______ ۲۲۵
جماعتِ انصار الاسلام ______ ۲۳۰
تحریکِ شدھی ______ ۲۳۲
فرانسس روبنسن کی بے خبری ______ ۲۳۵
امام احمد رضا اور انگریز ______ ۲۴۱
بہت دُور کی سُوجھی ______ ۲۴۸

وصال ۲۵۰

مبالغہ آرائی ______ ۲۵۴
اربابِ علم و دانش کے تاثرات ______ ۲۵۹
تواضع زگردن فرازاں نکوست ______ ۲۶۱
تلامذہ اور خلفاء ______ ۲۶۳
تحریکِ پاکستان ______ ۲۶۴
آل انڈیا سُنّی کانفرنس ______ ۲۶۶
مفتیٔ اعظم پاکستان ______ ۲۷۱
آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس ______ ۲۷۲
جمعیۃ العلماء پاکستان ______ ۲۷۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

متحدہ پاک و ہند میں ہمیشہ اہل سنت و جماعت کی غالب اکثریت رہی ہے۔ سرزمینِ ہند میں بڑے بڑے نامور اور باکمال علماء و مشائخ پیدا ہوئے، جنہوں نے دینِ اسلام کی زرّیں خدمات انجام دیں اور اُن کے دینی اور علمی کارنامے آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں افقِ ہند پر ایک ایسی شخصیت اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نظر آتی ہے جس کی ہمہ گیر اسلامی خدمات، اسے تمام معاصرین میں امتیازی حیثیت عطا کرتی ہیں۔ شخص واحد جو عظمتِ الوہیت، ناموسِ رسالت، مقامِ صحابہ و اہل بیت اور حرمتِ ولایت کا پہرہ دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ عرب و عجم کے اربابِ علم جسے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں —— ہماری مراد ہے امامِ اہل سنّت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز جنہوں نے مسلکِ اہل سنّت اور مذہبِ حنفی کے خلاف اٹھنے والے نت نئے فتنوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر مرحلے پر سرخرو ہوئے۔

اہل سنّت و جماعت کے عقائد ہوں یا معمولات جس موضوع پر بھی انہوں نے قلم اُٹھایا، اُسے کتاب و سنّت، ائمہ دین اور فقہاء اسلام کے ارشادات کی روشنی میں پایۂ ثبوت تک پہنچایا۔ آپ کی سینکڑوں تصانیف میں سے کسی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ہر کتاب میں آپ کو یہ اندازِ بیان مل جائے گا۔

بریلوی نیا فرقہ؟

امام احمد رضا بریلوی کے افکار و نظریات کی بے پناہ مقبولیت سے متاثر ہو کر مخالفین نے ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ کو بریلوی کا نام دے دیا۔ مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ دوسرے فرقوں کی طرح یہ بھی ایک نیا فرقہ ہے جو سرزمین ہند میں پیدا ہوا ہے۔

ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی اہل حدیث لکھتے ہیں؛

"یہ جماعت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی مدّعی ہے، مگر دیوبندی مقلدین (اور یہ بھی بجائے خود ایک جدید اصطلاح ہے) یعنی تعلیم یافتگانِ مدرسہ دیوبند اور ان کے اتباع انہیں "بریلوی" کہتے ہیں۔"[1]

جبکہ حقیقتِ حال اس سے مختلف ہے۔ بریلی کے رہنے والے یا اس سلسلہ سے شاگردی یا بیعت کا تعلق رکھنے والے اپنے آپ کو بریلوی کہیں تو یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے کوئی اپنے آپ کو قادری، چشتی، یا نقشبندی اور سہروردی کہلائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خیر آبادی، بدایونی، رامپوری سلسلہ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو علماء بریلی کا ہے، کیا ان سب حضرات کو بھی بریلوی کہا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اگرچہ مخالفین ان تمام حضرات کو بھی بریلوی ہی کہیں گے۔ اسی طرح اسلاف کے طریقے پر چلنے والے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی اور رفاعی مخالفین کی نگاہ میں بریلوی ہی ہیں۔[2]

مبلغِ اسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی کچھوچھوی فرماتے ہیں،

"غور فرمائیے کہ فاضل بریلوی کسی نئے مذہب کے بانی نہ تھے از اوّل تا آخر مقلد رہے۔ ان کی ہر تحریر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی صحیح

---

[1] ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی؛ تراجم علمائے حدیث ہند (سبحانی اکیڈمی لاہور) ص ۳۷۶

[2] ظہیر البریلویۃ ص ۷

ترجمان رہی۔ نیز سلف صالحین و ائمۂ مجتہدین کے ارشادات اور مسلکِ اسلاف کو واضح طور پر پیش کرتی رہی، وہ زندگی کے کسی گوشے میں ایک پل کے لیے بھی "سبیل مومنین صالحین" سے نہیں ہٹے۔

اب اگر ایسے کے ارشاداتِ حقانیہ اور توضیحات و تشریحات پر اعتماد کرنے والوں، انہیں سلفِ صالحین کی رَوش کے مطابق یقین کرنے والوں کو "بریلوی" کہہ دیا گیا تو کیا بریلویت و سُنیت کو بالکل مترادف المعنی نہیں قرار دیا گیا؟ اور بریلویت کے وجود کا آغاز فاضل بریلوی کے وجود سے پہلے ہی تسلیم نہیں کر لیا گیا؟" [1]

خود مخالفین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں:

"یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے، لیکن افکار اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے۔" [2]

اب اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ بریلویت کا نام لے کر مخالفت کرنے والے دراصل ان ہی عقائد و افکار کو نشانہ بنا رہے ہیں جو زمانۂ قدیم سے اہل سنّت و جماعت کے چلے آ رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ کھلے بندوں اہل سنّت کے عقائد کو مشرکانہ اور غیر اسلامی قرار دے سکیں۔ باب عقائد میں آپ دیکھیں گے کہ جن عقائد کو بریلوی عقائد کہہ کر مشرکانہ قرار دیا گیا ہے، وہ قرآن و حدیث اور متقدمین علمائے اہل سنّت سے ثابت اور منقول ہیں۔ کوئی ایک ایسا عقیدہ بھی تو نہیں پیش کیا جا سکا جو بریلویوں کی ایجاد ہو، اور متقدمین ائمۂ اہل سنّت سے ثابت نہ ہو۔

امام اہل سنّت شاہ احمد رضا بریلوی کے القاب میں سے ایک لقب ہی عالم اہل السنۃ

---

[1] سیّد محمد مدنی، شیخ الاسلام، تقدیم دورِ حاضر میں بریلوی، اہل سنّت کا علامتی نشان (مکتبہ حبیبیہ لاہور) ص ۱۰-۱۱

[2] ظہیر: البریلویۃ، ص ۷

تھا ــــــــــ اہل سنت و جماعت کی نمائندہ جماعت آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا رُکن بننے کے لیے سُنّی ہونا شرط تھا، اس کے فارم پر سُنّی کی یہ تعریف درج تھی :

"سُنّی وہ ہے جو ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق ہو سکتا ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو ائمۂ دین، خلفاء اسلام، اور مسلّم مشائخِ طریقت اور متاخرین علماء دین سے شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی، حضرت ملک العلماء بحر العلوم صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی، حضرت مولانا فضلِ رسول صاحب بدایونی، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری، اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خاں رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک پر ہو۔"[1]

خود مخالفین بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ لوگ قدیم طریقوں پر کاربند رہے۔ مشہور مؤرخ سلیمان ندوی جن کا میلانِ طبع اہل حدیث کی طرف تھا، لکھتے ہیں :

"تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہل السنۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔"[2]

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :

"انہوں (امام احمد رضا بریلوی) نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔"[3]

اہل حدیث کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں :

"امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو، سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے،

---

[1] محمد جلال الدین قادری، مولانا، خطباتِ آل انڈیا سنّی کانفرنس (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ٦ – ٨۵

[2] سلیمان ندوی : حیاتِ شبلی ص ٦ ۴ (بحوالہ تقریب تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ٢٢)

[3] محمد اکرام شیخ : موجِ کوثر، طبع ہفتم ١٩٦٦ء ص ٧٠ (بحوالہ سابقہ)

اسی سال قبل پہلے سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔"[1]

یہ امر بھی سامنے رہے کہ غیر مقلدین براہِ راست قرآن و حدیث سے استنباط کے قائل ہیں اور ائمۂ مجتہدین کو استنادی درجہ دینے کے قائل نہیں ہیں۔ دیوبندی مکتبِ فکر رکھنے والے اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، تاہم وہ بھی ہندوستان کی کسی مسلّم شخصیت یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی کو دیوبندیت کی ابتدا ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ التفسیر مولوی انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں :

"میرے نزدیک دیوبندیت خالص ولی اللّٰہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خانوادہ کی لگی بندھی فکر دولت و متاع ہے، میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتداء میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے . . . . . دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں۔"[2]

پھر شیخ عبدالحق محدّث دہلوی سے دیوبند کا تعلق قائم نہ کرنے کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں :

"اوّل تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی۔ نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلیۃً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا . . . . . سنا ہے

---

[1] ثناء اللہ امرتسری : شمع توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۴۰

[2] انظر شاہ کشمیری، استاذ دیوبند : ماہنامہ البلاغ (مارچ ۱۹۰۵ء / ۱۳۰۰ھ) ص ۴۹

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ "شامی اور شیخ عبد الحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنّت کا فرق واضح نہیں ہو سکا" بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں، جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔"[1]

امام احمد رضا اور عالمی جامعات

امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد نصف صدی تک ان پر کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا، لیکن گزشتہ چند سال سے مرکزی مجلسِ رضا لاہور اور المجمع الاسلامی، مبارک پور انڈیا نے دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق جو کام کیا ہے، عالمی سطح پر اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) میں حال ہی میں فاضل بریلوی کی فقاہت پر مولانا حسن رضا خاں نے کام کیا ہے جس پر انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی ہے۔ جبل پور یونیورسٹی (بھارت) سندھ یونیورسٹی (پاکستان)، اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (پاکستان) میں بھی کام ہو رہا ہے۔

۱۹۷۵ء میں جامعہ ازہر، مصر کے پروفیسر محی الدین الوائی (اہلِ حدیث) نے فاضل بریلوی پر عربی میں ایک مقالہ لکھا جو صوت الشرق قاہرہ میں شائع ہوا، کیلی فورنیا یونیورسٹی، امریکہ کے شعبۂ تاریخ کی فاضلہ، ڈاکٹر باربرا مٹکاف نے فاضل بریلوی پر اپنے انگریزی مقالہ میں اظہارِ خیال کیا ہے، مگر انہوں نے گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ ہالینڈ کی لیڈن یونیورسٹی، شعبۂ اسلامیات کے پروفیسر جے ایم ایس بلیان بھی اس طرف متوجہ ہوئے ہیں اور دیگر فتاویٰ کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔[2]

---

[1] انظر شاہ کشمیری، فٹ نوٹ ماہنامہ البلاغ (مارچ ۱۹۶۹ء/ ۱۳۸۸ھ) ص ۴۹

[2] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر حیاتِ امام اہل سنّت (مرکزی مجلسِ رضا، لاہور) ص ۶-۴۵

البریلویۃ

امام احمد رضا بریلوی کی روز افزوں مقبولیت نے مخالفین کو تشویش اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے جس کے نتیجے میں بعض لوگ محض عناد کی بناء پر انصاف و دیانت کے تمام اصولوں کو پس پشت ڈال کر الزام کی حد سے گزر کر اتہام تک جا پہنچے ہیں۔ ایسی ہی کوشش بقلمِ خود علامہ، احسان الٰہی ظہیر نے کی ہے اور عربی زبان میں البریلویۃ نامی کتاب لکھ کر سعودی ریال کھرے کئے ہیں۔ خدا جانے علماء نجد کی آنکھوں پر کونسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ وہ سراس کتاب کے دل و جان سے خریدار ہیں جس میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا ہو۔

اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ پہلے باب میں کوئی بات بھی اُس کے صحیح پس منظر میں بیان نہیں کی گئی۔ ہر جگہ دستِ تصرّف نے خوبصورت کو بدصورت بنا کر پیش کیا ہے۔ ایک فاضل نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ کتاب تنقید کی بجائے تنقیص کی حد میں داخل ہو گئی ہے۔"

حافظ عبدالرحمٰن مدنی اہل حدیث لکھتے ہیں:

"یہ شکایت اُس (ظہیر) کی کتابوں میں اردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اردو عبارت کچھ، جو یونہی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کر دی جاتی ہے۔"

۲۔ دوسرے اور تیسرے باب میں وہی عقائد و معمولات مضحکہ خیز انداز میں بریلویوں کی طرف منسوب کیے ہیں، جن کے قائل اور عامل متقدمین اہل سنت و جماعت رہے، اور

---

[1] عبدالرحمٰن مدنی، حافظ: ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، ۳ر اگست ۱۹۸۴ء، ص ۴

نجدی وہابی علماء ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں، بلکہ ایسے عقائد کا بھی تمسخر اڑایا ہے جن کے خود اُن کے اپنے اکابر مثلاً علامہ ابن قیم، شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، نواب وحید الزماں قائل ہیں، جیساکہ آئندہ ابواب میں بیان کیا جائے گا۔

۳۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی عربی زبان پر جا بجا چوٹیں کی ہیں، جبکہ اپنی حالت یہ ہے کہ اُن کی عربی تحریر سمجھنے کی لیاقت بھی نہیں ہے اور اپنی عربی زبان کا عالم یہ ہے کہ عجمیت زدہ ہے۔

حافظ عبد الرحمٰن مدنی اہل حدیث لکھتے ہیں:

"جہاں تک اس کی عربی دانی کا تعلق ہے، اس کا بھی صرف دعویٰ ہی ہے ورنہ اس کی مطبوعہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرامر یا زبان کی غلطیوں سے پاک ہوگا، چنانچہ عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الٰہی کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں"[1]

یہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں جو چند صفحات کے سرسری مطالعہ سے سامنے آئی ہیں، گہری نظر سے پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے، تو طویل فہرست تیار کی جا سکتی ہے۔ البریلویۃ کے ص ۲۳ پر ایک درود شریف نقل کیا ہے جس میں امام احمد رضا بریلوی نے صنعتِ ایہام میں مشائخ سلسلہ قادریہ کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ ظہیر صاحب اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھے جیساکہ آئندہ صفحات میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

فانھم اعطوا للعصاۃ البغاۃ رسید الجنۃ[2]

یہ احساس ہی نہ ہوا کہ "رسید" لفظ عربی نہیں، فارسی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] عبد الرحمٰن مدنی، حافظ: ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، ۳ اگست ۱۹۸۴ء، ص ۶

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۱۳۵

بل اصدروا فرمانا[1]

انہیں کون سمجھائے کہ "فرمان" لفظ عربی نہیں ہے، فارسی ہے۔ ذیل میں اغلاط کی مختصر فہرست ملاحظہ ہو:

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵	۱۲	ان اخلص المحبين قلوه	قلاه
〃	۱۷	انفصلت البريلوية	عن البريلوية
۱۸	۱۰	مع الثابت	مع ان الثابت
۲۰	۱۱	عبدالحق خيرآبادى	الخيرآبادى
〃	۱۷	من ابنه ابى الحسين	من ابن ابنه
۲۱	۱۵	لم تكن رائجة بين السنّة	بين اهل السنّة
۲۱	۲۰	يروجها بين السنّة	بين اهل السنّة
۲۲	۱۴	كتب فيها الآل البيت	لاهل البيت
۲۴	۴	كفر السنّة	اهل السنّة
۲۵	۳	حلى	حليًا
〃	۲۱	ولا فلسا	فلسا
۲۷	۱۴	اى يصفه بها	ان يصفه بها
۲۸	۱۷	ان القوم	الى ان القوم
〃	۲۱	المواضيع	المواضع
۲۹	۱۲	هٰذه الكتب	تلك الكتب
〃	〃	الى البريلوية	الى البريلوى

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۷

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۴	۱۶	الحجم الصغير	القطع الصغير
〃	۱۸	يشتمل على ٢٦٤ صفحة	٨٦٤ صفحة
۳۷	۱۶	اصدروا فرمانا	حكما (فرمان لفظ فارسی)
۳۹	۱۲	نظرة تقدير واحترام	نظرة تعظيم واحترام
۴۰	۱	اعتزلت البريلوى	اعتزل البريلوى
〃	۱۵	غضبوها	غصبوها
〃	۱۸	استرتقاق	استرقاق
〃	۲۲	فى صالح المستعمرين	فى مصالحة المستعمرين
۴۱	۲۰	استخالاص	استخلاص
۴۲	۴	والا المقصود الاصلى	والا فالمقصود الاصلى
〃	۲۱	مناصرة للاستمار	للاستعمار
۴۴	۱۰	الاستعمرا	الاستعمار
۵۲	۱۶	ستمبر	سبتمبر
۵۳	۱۲	من ابن البريلوى احمد رضا	حامد رضا
۵۵	۱۸	بعد ما كنت مرفوضة	كانت
۶۷	۷	فلينصف القراءة	القراء
〃	۸	ومن جاء	الى من جاء
〃	۱۷	كبيب النمل	كدبيب النمل
۶۸	۷	فيكتبت	فيكتب
۷۶	۶	الذى بينهما	التى بينها

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۰	۱۶	ولم یبقی	ولم یبق
۱۱۱	۸	ولکنّ تعمی	ولکنُ تعمی
۱۱۷	۳	ردّالمختار	ردّالمحتار
〃	〃	دارالمختار	الدُرّالمختار
۱۳۵	۸	رسیدا لجنۃ	رسید عجمی لفظ
۱۳۸	۱۵	اَن یبوس	عجمی، بوسہ سے ماخوذ
۲۰۵	۳	ترک التکایا	تکیہ کی جمع۔ عجمی لفظ

۴۔ بریلویت کی آڑ میں دنیا بھر کے عامۃ المسلمین اور اہل سنت وجماعت کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ تصریح ملاحظہ ہو:

- "ابتداءً میرا گمان تھا کہ یہ فرقہ پاک و ہند سے باہر موجود نہیں ہوگا، مگر یہ گمان زیادہ دیر قائم نہیں رہا۔ میں نے یہی عقائد مشرق کے آخری حصّے سے مغرب کے آخری حصّے تک اور افریقہ سے ایشیا تک، اسلامی ممالک میں دیکھے" (ملخصًا)[1]

اب ذرا دنیا بھر کے مسلمانوں کے خلاف یلغار کے چند نمونے بھی دیکھتے چلیں:

- سال کے مخصوص دنوں میں ان لوگوں کی قبروں پر حاضر ہونا جنہیں وہ اولیاء وصالحین گمان کرتے ہیں، عرسوں کا قائم کرنا، عید میلاد وغیرہ منکرات جو ہندوؤں، مجوسیوں اور بُت پرستوں سے مسلمانوں سے در آئے ہیں" (ترجمہ وتلخیص)[2]
- ان کے عقائد کا اسلام سے دور، و نزدیک، کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ بعینہٖ وہی عقائد ہیں جو جزیرۂ عرب کے مشرک اور بُت، پرست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۱۰

[2] ایضاً: 〃 ص ۸-۷

کی بعثت سے پہلے رکھتے تھے، بلکہ دورِ جاہلیت کے لوگ بھی شرک میں اس قدر غرق نہ تھے، جس قدر یہ ہیں۔"[1]

- "بریلویوں کے امتیازی عقائد وہ ہیں جو دین کے نام پر بُت پرستوں، عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔"[2]
- "کفارِ مکہ، جزیرۂ عرب کے مشرکین اور دورِ جاہلیت کے بُت پرست بھی ان سے زیادہ فاسد اور ردّی عقیدہ والے نہیں تھے۔"[3]

یہ وہ کیفِ باطن ہے جو کتاب کے مختلف صفحات پر بکھرا ہوا ہے۔ اگر یہی وہابیت ہے اور یقیناً یہی ہے، تو علماءِ حق نے وہابیوں کے خلاف جو فتوے دیئے تھے، بالکل صحیح دیئے تھے۔ جو فرقہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو مشرک اور جہنمی قرار دے، وہ خود ان خلعتوں کا مستحق ہے۔

قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر

طرفہ یہ کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیتے دیتے خود اپنے مشرک ہونے کا فیصلہ بھی دے گئے ہیں۔ اتحاد کی دعوت دینے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "میں جانتا ہوں کہ وحدت و اتحاد اور اسلامی فرقوں کو قریب کرنے کے احمق اور بیوقوف داعیوں کی پیشانیوں پر بل پڑ جائیں گے، لیکن میں کئی دفعہ یہ کہہ چکا ہوں کہ عقائد و افکار کے اتحاد و اتفاق کے بغیر اتحاد و اتفاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ اتحاد کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنیادی امور میں اتفاق ہو۔"[4] (ترجمہ و تلخیص)

---

[1] ظہیر: البریلویہ ص ۹

[2] ایضاً: " ص ۵۵

[3] ایضاً: " ص ۶۵

[4] ایضاً: " ص ۱۱

دوسری طرف اہل سنت وجماعت (بریلوی) کی نمائندہ سیاسی جماعت جمعیۃ العلماء پاکستان کے ساتھ ظہیر صاحب کی جماعت کا اتحاد ہو چکا ہے جو سہ جماعتی اتحاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[1]۔ اور وہ خود تصریح کر رہے ہیں کہ بنیادی امور میں اتحاد کے بغیر اتحاد نہیں ہو سکتا، تو جن کا مشرکوں کے ساتھ بنیادی امور میں اتحاد ہوگا، وہ مشرک نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟

۵- خاص طور پر امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں تو وہ غلط بیانی کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے:

> "وہ شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں[2]۔ انہوں نے سنیت کا نقاب اوڑھ رکھا تھا[3]۔ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی کے شاگرد تھے[4]۔ انگریز نے مسلمانوں میں تفریق کے لیے ایک تو قادیانی کو مقرر کیا اور دوسرا بریلوی کو[5] وغیرہ وغیرہ۔"

غرض یہ کہ:

شرمِ نبی، خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

۶- غلط بیانی ان کا شیوہ ہے اور اس پر انہیں فخر ہے۔ ایک مثال دیکھئے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں ہاتھ اٹھانے اور نہ اٹھانے کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں، شافعیہ نے امام شافعی کی پیروی میں احادیث کی پہلی قسم پر عمل کیا اور احناف نے امام ابو حنیفہ کی پیروی میں احادیث کی دوسری قسم پر عمل کیا۔ کوئی فریق بھی دوسرے فریق کو شرک یا مخالفتِ رسول کا الزام نہیں دے سکتا، کیونکہ ہر فریق کا عمل احادیث مبارکہ پر ہے:

شاہ اسمٰعیل دہلوی امام معین کی تقلید پر رد کرتے ہوئے تنویر العینین میں لکھتے ہیں:

---

[1] عبدالرحمٰن مدنی، حافظ: ہفت روزہ اہل حدیث لاہور ۳ اگست ۱۹۸۴ء، ص ۷

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۱

[3] ایضاً: " ص ۲۴

[4] ایضاً: " ص ۱۹

[5] ایضاً: " ص ۳۸

"شخص معین کی تقلید سے چمٹے رہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ جبکہ امام کے قول کے خلاف صریح دلالت کرنے والی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث موجود ہوں۔ اگر امام کے قول کو ترک نہ کرے، تو اس میں شرک کا شائبہ ہوگا۔"

اس پر امام احمد رضا بریلوی نے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سب امام معین (امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مقلد تھے، اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کے مسلّم پیشوا، اب دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) یا تو یہ تمام بزرگ، امام معین کی تقلید کے سبب مشرک ہوں (معاذ اللہ) اور جب امام و مقتدا مشرک ہو تو مقتدی اور مداح بطریقِ اولیٰ مشرک ہو گا۔

(۲) یہ بزرگ، مقلد ہوتے ہوئے بھی مؤمن، مسلمان تھے اور اسمٰعیل دہلوی البتہ گمراہ، بددین، مسلمانوں کو کافر کہنے والا تھا۔

بہر صورت اس کا اپنا حکم ظاہر ہوگیا (ملخصاً) [1]

یہ بہت ہی معقول گرفت تھی، جسے ظہیر نے من مانی کرتے ہوئے من گھڑت انداز میں پیش کیا ہے، اُس نے لکھا ہے:

"یعنی دہلوی اس لیے کافر ہے کہ اس کے نزدیک تقلید شخصی جائز نہیں ہے جبکہ امام کے قول کے خلاف پر دلالت کرنے والی احادیث کی طرف رجوع کیا جا سکے اور اس کے نزدیک کسی بھی شخص کے قول کے مقابل سنّت کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، تو یہ بریلوی کی نظر میں کفر ہے اور اگر یہ کفر ہے تو ہم نہیں جانتے کہ اسلام کیا ہے؟" [2]

سُبۡحٰنَکَ ھٰذَا بُھۡتَانٌ عَظِیۡمٌ

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: الکوکبۃ الشہابیہ (مطبوعہ مرادآباد) ص ۱-۵۰

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۷-۱۶۶

امام احمد رضا بریلوی نے قطعاً یہ نہیں فرمایا جو ان کے ذمّہ لگایا جا رہا ہے۔ انہوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ ائمّۂ کرام کے مقلدین، عامۃ المسلمین کو مشرک کہنے والا خود بھی مشرک یا گمراہ ہونے سے بچ نہیں سکتا، کیونکہ اس کا فتویٰ اگر صحیح ہے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور دیگر مسلّم حضرات کا مشرک ہونا لازم آئے گا اور جب امام مشرک ہو تو مقتدی اور مدّاح بھی اُسی خانے میں جائے گا، اور اگر فتویٰ غلط ہے، تو خود اُس کا گمراہ ہونا ثابت ہو گیا۔

پھر یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ ائمّۂ دین مجتہدین نے جو احکام بیان کیے ہیں، وہ ان کے خود ساختہ نہیں ہیں، بلکہ یا تو صراحۃً کتاب و سنّت میں بیان کیے گئے ہیں یا قیاس صحیح کے ساتھ کتاب و سنّت سے مستنبط ہیں، لہٰذا غیر مقلدین کا یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ ہم کتاب و سنّت کی پیروی کرتے ہیں اور مقلدین ائمّہ کی پیروی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کتاب و سنّت کے ان احکام پر عمل پیرا ہیں جو ائمّۂ مجتہدین نے بیان کیے ہیں اور غیر مقلدین براہِ راست استنباطِ احکام کے مدعی ہیں۔ گویا یہ لوگ اپنے فہم پر اعتماد کرتے ہیں اور مجتہدین کے فہم پر اعتماد نہیں کرتے، جن پر مسلمانوں کی غالب اکثریت نے اعتماد کیا ہے اور جن کے علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔

۷۔ اہل سنّت پر بریلویت کی آڑ میں رد کرنے کے لیے ان امور پر بھی طعن کیا ہے جو صراحۃً کتبِ احادیث یا کتبِ سلف میں وارد ہیں۔

- ایک جگہ بطورِ اعتراض لکھا ہے:

> "ایک بریلوی کہتا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، چلتے پھرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔"[1]

حالانکہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۸۰

ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء
فنبیّ اللہ حیٌّ یرزق رواہ ابن ماجۃ [1]

"اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجسام کا کھانا حرام فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے، اسے رزق دیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے (کتاب الجنائز کے آخر میں) روایت کیا۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مررت علی موسیٰ لیلۃ اسریٰ بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ [2]

"شب معراج کثیب احمر (سرخ ٹیلے) کے پاس، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔"

- ایک دوسرا بریلوی کہتا ہے:

"جب واقعۂ حرہ میں لوگ مدینہ سے تین دن کے لیے چلے گئے او مسجد نبوی میں کوئی بھی داخل نہ ہوا، تو پانچوں وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اذان سنی جاتی تھی۔" [3]

جبکہ امام ابو محمد عبد الرحمٰن دارمی راوی ہیں کہ سعید بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ واقعۂ حرہ کے دنوں میں تین دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں نہ تو اذان کہی گئی اور نہ تکبیر، حضرت سعید بن مسیب (جو اجلّہ تابعین میں سے ہیں) مسجد میں ہی رہے۔

---

[1] ولی الدین، شیخ خطیب: مشکوٰۃ شریف (نور محمد، کراچی) ص ۱۲۱

[2] مسلم بن الحجاج القشیری، امام: مسلم شریف (رشیدیہ، دہلی) ج ۲، ص ۲۶۸

[3] ظہیر: البریلویۃ ص ۸۱

وکان لا یعرف وقت الصلوٰۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [1]

"انہیں نماز کا وقت صرف اُس دھیمی آواز سے معلوم ہوتا تھا جو انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ سے سُنائی دیتی تھی۔"

- ایک اور بریلوی کہتا ہے:

"جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ حجرۃ شریفہ کے سامنے رکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اور لوگوں نے سنا کہ حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔" [2]

حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس کرامت کا تذکرہ امام فخر الدین رازی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

فاما ابوبکر فمن کراماتہ انہ لما حملت جنازتہ الی باب قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونودی السلام علیک یارسول اللہ ھذا ابوبکر بالباب قد انفتح واذا بھاتف یھتف من القبر

ادخلوا الحبیب الی الحبیب [3]

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کرامت یہ ہے کہ جب آپ کا جنازہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کے دروازہ پر حاضر کیا گیا اور عرض کیا گیا السلام علیک یارسول اللہ! یہ ابوبکر دروازے پر حاضر ہیں، تو دروازہ کھُل گیا اور قبر انور سے یہ آواز آئی کہ حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔"

---

[1] عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، امام، سنن الدارمی (دارالمحاسن قاہرہ) ج ۱، ص ۴۳

[2] ظہیر، البریلویۃ ص ۸۱۔

[3] امام رازی، تفسیر کبیر (عبدالرحمٰن محمد، مصر) ج ۲۱، ص ۸۷

اب کوئی شخص یہ پوچھ سکتا ہے کہ یہ کیسے اہل حدیث ہیں اور کیسے سلفی ہیں جو حدیثوں اور ارشاداتِ سلف کو ہی نہیں مانتے۔

۸۔ اہل سنت کو بدنام کرنے کے لیے بے دریغ غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں، مثلاً:

- "بریلویوں نے اللہ تعالیٰ کو معطل اور اختیار، قدرت اور اقتدار سے معزول قرار دے رکھا ہے اور ان کے گمان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کا ملک اور اختیارات، انبیاء و اولیاء کی طرف منتقل ہو چکے ہیں"[1] (ملخصاً)

یہ افترا محض ہے، یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ یہ بیان اس مفروضۂ باطلہ پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو قدرت و اختیار دے دے تو معاذ اللہ! نہ اس کے پاس قدرت رہتی ہے، نہ اختیار۔

- "رسول اللہ پر ایک لحظہ کے لیے بھی موت طاری نہیں ہوتی۔"[2]

یہ بھی افتراء ہے، خود اسی صفحہ پر اہل سنت کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے:

ان حیاۃ الانبیاء حیاۃ حقیقیۃ حسیۃ دنیویۃ یطرأ علیهم الموت لثانیۃ من الثوانی لیصدق وعد اللہ[3]

"انبیاء کی حیات، حقیقی، حسی، دنیاوی ہے، ان پر ایک لحظہ کے لیے موت طاری ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہو جائے۔"

- "بریلویوں نے انبیاء اور رسل کی بشریت کا انکار کیا ہے۔"[4]

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۶۵

[2] ایضاً: " ص ۸۰

[3] ایضاً: " ص ۸۰ سطر ۱

[4] ایضاً " ص ۱۰۲

یہ بھی غلط محض ہے، امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے، وہ کافر ہے۔" [1]

یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ اس قسم کی غلط بیانیاں اس کتاب میں کثرت سے ہیں۔

۹۔ مصنف کا دعویٰ یہ ہے:

"ہم نے بریلویوں کا جو عقیدہ بھی ذکر کیا ہے، وہ ان کی معتبر اور معتمد کتابوں سے صفحہ اور جلد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔" [2]

اور حال یہ ہے کہ تجانبِ اہل سنت، نغمۃ الروح، باغِ فردوس، اور مدائح اعلیٰ حضرت وغیرہ قسم کی کتابوں کے جابجا حوالے دیئے گئے ہیں، یہ کہاں کی مستند اور معتبر کتابیں ہیں؟

۱۰۔ پانچویں باب میں مختلف حکایتیں بیان کر کے یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اہل سنت کے عقائد کا دارومدار ان حکایات پر ہے، حالانکہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ حکایات کسی عقیدے کی عکاسی تو کر سکتی ہیں، مگر عقائد کے لیے بنیاد نہیں بن سکتیں۔

البتہ کوئی صاحب کرامات کا تذکرہ پڑھنا چاہے تو وہ عبدالمجید خادم سوہدروی کی تالیف کراماتِ اہل حدیث کا مطالعہ کرے۔ اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ سے اس کا عکس چھپ چکا ہے یا پھر سوانح حیات مولانا غلام رسول، قلعہ میہاں سنگھ، گوجرانوالہ کا مطالعہ کرے، جو اُن کے صاحبزادے عبدالقادر نے لکھی ہے اور وہ حال ہی میں دوبارہ شائع ہوئی ہے۔

یاد رہے کہ یہ مولانا غلام رسول اہل حدیث کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ [3]

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (مبارکپور، انڈیا) ج ۶، ص ۶۷

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۱۱۲

[3] عبدالقادر سوانح حیات مولانا غلام رسول (فضل بکڈپو، گوجرانوالہ) ص ۳۹

ایک کرامت سُن لیجیے: قلعہ میہاں سنگھ کا ایک چوکیدار گلاب نامی موضع مرالیوالہ میں چوکیدار متقرر ہوا اور وہاں کی ایک بیوہ دھوبن پر فریفتہ ہوگیا۔ مرالیوالہ کے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چوکیدار کو نکال دیا۔ وہ روزانہ مولوی صاحب کے پاس جاتا اور کہتا کہ حضرت میں مر چکا ہوں کوئی تدبیر کریں۔ ایک دن مولوی صاحب نے اپنے خادم بڈھا کشمیری کو کہا کہ اس سے قسم لے لو کہ نکاح کے بغیر اُسے نہیں چھوئے گا۔ اُس نے قسم اُٹھالی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ عشاء کے بعد اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر مرالیوالہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ کہنا: آجا۔ آجا۔ آجا۔ پھر مجھے بتانا۔ باقی حصّہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ میں سنیے:

> "تیسرے روز عصر کے قریب عورت مذکورہ گلاب کے گھر آگئی اور کہنے لگی کہ پرسوں عشاء سے لے کر اب تک میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی، تمہارے گھر میں داخل ہوتے ہی آرام ہوگیا۔ گلاب اس عورت کو پکڑ کر اندر لے گیا اور متواتر تین روز اندر ہی رہا۔
>
> تیسرے روز قیلولہ کے وقت مولوی صاحب نے بڈھا کشمیری کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ اور اُس موذی کو پکڑ لاؤ، وہ اس وقت زنا کر رہا ہے۔ بڈھا گیا اور گلاب کو فوراً پکڑ لایا۔ مولوی صاحب نے کہا جا میری آنکھوں کے سامنے سے دُور ہو جا۔ وہ لوٹ کر گھر گیا، وہ عورت جیسے آئی تھی، ویسے ہی خفا ہو کر چلی گئی۔"[1]

دیکھا آپ نے قدرت و اختیار کا مظاہرہ کہ وہ عورت کس طرح کھنچی ہوئی چلی آئی اور یہ علمِ غیب کہ گلاب اس وقت فعلِ بد میں مصروف ہے۔ شاید اس کرامت پر اس لیے اعتراض نہ ہو کہ یہ ایک اہل حدیث مولوی کی کرامت ہے لیکن کوئی شخص یہ بھی تو پوچھ سکتا ہے کہ اتنی قدرت اور اتنا علمِ غیب رکھنے کے باوجود گلاب کو اتنی چھٹی کیوں دے رکھی کہ وہ اس عورت کے ساتھ تین دن تک اندر ہی رہا اور اپنی حسرتیں نکالتا رہا، کیونکہ یہ کہنے کی تو گنجائش نہیں ہے کہ یہ فعلِ بد تیسرے دن ہی ہوا ہوگا۔

---

[1] عبدالقادر: سوانح حیات مولانا غلام رسول ص ۱۰۰-۹۹

کچھ اس تالیف کے بارے میں

پیشِ نظر کتاب کے پہلے باب میں آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی، مذہبی اور سیاسی خدمات کا مطالعہ کریں گے۔ نیز اہلِ علم و نظر دانشوروں کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں گے جو انہوں نے امام اہل سنّت احمد رضا خاں بریلوی کے بارے میں بیان کیے۔ اس کے علاوہ البریلویۃ، دھماکہ، بریلوی مذہب وغیرہ قسم کی کتابوں میں جو اتہامات اور مطاعن امام احمد رضا خاں بریلوی پر قائم کیے گئے ہیں، ان کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ تعصب کا چشمہ لگائے بغیر حقائق کا مطالعہ کرنے سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس میں تسکین کا بہت کچھ سامان پائیں گے اور جو تاریخ کو عقیدے کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں، اُن کے لیے یہ کوشش بے سود ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قادر و کریم ہے چاہے تو انہیں بھی فائدہ عطا فرمادے۔

دوسرے باب "تذکرۂ علمائے اہل حدیث" میں آئینۂ حقائق سامنے رکھا گیا ہے کہ اس طبقہ نے انگریزی حکومت کے ساتھ کس طرح کے روابطِ عقیدت و محبّت قائم کیے ہوئے تھے اور کن مراحل سے گزر کر ترقی کی منزلیں طے کیں۔ اس باب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ "پولیٹیکل ذہن" رکھنے والے کس طرح زندگی گزارتے ہیں اور یہ کہ اگر ذرّہ برابر انصاف ہو تو یہ الزام زبان پر بھی نہ لائیں کہ انگریز گورنمنٹ کے ساتھ علمائے اہل سنّت کا کوئی تعلق بھی تھا۔

آئندہ ابواب میں اہل سنّت و جماعت کے عقائد و معمولات پر گفتگو کی جائے گی، انشاءاللہ!

ہدیۂ سپاس

سلسلۂ گفتگو اس وقت تک ادھورا رہے گا، جب تک اس تالیف میں علمی اور اخلاقی امداد کرنے والوں کا شکریہ ادا نہ کروں، خصوصًا اراکین مرکزی مجلس رضا لاہور جن کی مساعی سے یہ

کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔

۱۔ حکیم اہلِ سنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری، لاہور
۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ٹھٹھ، سندھ
۳۔ مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی، لاہور
۴۔ استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد گولڑوی، کراچی
۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی، لاہور
۶۔ مجاہدِ ملّت مولانا عبد الستار خاں نیازی، لاہور

۷۔ پروفیسر محمد اقبال مجدّدی، لاہور
۸۔ محمد عالم مختار حق، لاہور
۹۔ حکیم اسد نظامی، جہانیاں
۱۰۔ جناب خلیل احمد، جہانیاں

ان حضرات کے ذاتی کتاب خانوں سے راقم نے استفادہ کیا۔

۱۱۔ میاں زبیر احمد قادری، لاہور
۱۲۔ مولانا محمد منشا تابش قصوری، مریدکے
۱۳۔ مولانا محمد شفیع رضوی، لاہور
۱۴۔ مولانا اظہار اللہ ہزاروی، لاہور
۱۵۔ مولانا حافظ عبد الستار قادری، لاہور
۱۶۔ جناب سیّد ریاست علی قادری، کراچی، ۱۷۔ **جناب خواجہ محمود، لاہور**

مولائے کریم اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے ان حضرات کو کامیابی کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۸ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ
یکم جنوری ۱۹۸۵ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری

شیخ عطیہ محمد سالم کے نام

مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اُس کے قول و فعل میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ یہی کتاب و سُنّت کی تعلیم ہے اور یہی عقلِ سلیم کا تقاضا ہے۔ اس کے برعکس آج کل یہ فیشن بن چکا ہے کہ الفاظ کی دُنیا میں اتّحاد اور یک جہتی کی تلقین کی جاتی ہے اور جیسے ہی کسی مخالف کا ذکر آیا، ہر قسم کی احتیاط بالائے طاق رکھ کر شدید سے شدید تر فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ ایسا فتویٰ اگر تحقیق اور دیانت پر مبنی ہو تو بے شک قابلِ قبول ہوگا، لیکن اگر محض جانبداری، ظن و تخمین اور سُنی سُنائی باتوں پر مشتمل ہو، تو وہ ہرگز لائقِ قبول نہ ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع [1]

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات بیان کر دے۔"

شیخ عطیہ محمد سالم نجدی، نے البریلویۃ کی تقدیم میں بڑی خوبصورت خواہش کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

وفی ھذا الوقت الذی نحن احوج ما نکون الی وحدۃ الکلمۃ و توحید الصف [2]

---

[1] مسلم بن الحجاج قشیری، امام، مسلم شریف، عربی (نور محمد، کراچی) ج ۱، ص ۸

[2] ظہیر : البریلویۃ (تقدیم) ص ۵

> "اس وقت کی شدید ترین ضرورت یہ ہے کہ ہمارے درمیان اتحاد پایا جائے اور ہماری صفیں وحدت کی لڑی میں پروئی ہوئی ہوں۔"

اس حسین آرزو کے باوجود چھ صفحے کی تقدیم میں سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کے بارے میں جو تبصرہ کیا ہے، وہ اس آرزو کے یکسر منافی اور قول وفعل کے تضاد کی واضح مثال ہے۔

مصنّف کو اعتراف ہے کہ دُنیا کے ہر خطّے میں پائے جانے والے تمام قادری، سُہروردی، نقشبندی، چشتی، رفاعی، وہی عقائد وتعلیمات رکھتے ہیں، جو بریلویوں کے ہیں[1] اور تقدیم نگار بریلویوں کو کافر، مشرک، قادیانیوں کے بھائی، انگریز کے خادم اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں[2] مقامِ حیرت ہے کہ وحدت واتحاد کو ایک ضرورت قرار دینے والا دُنیا بھر کے عامۃ المسلمین کو کس بے دردی سے کافر ومشرک قرار دے رہا ہے۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایسا سنگین فیصلہ صادر کرتے وقت کسی تحقیق وجستجو کی ضرورت محسوس نہیں کی، بلکہ ایک مخالف کے بیان پر آنکھیں بند کر کے بے دھڑک فیصلہ دے دیا ہے، انہیں خود اعتراف ہے:

> اگر فاضل مصنّف کا اس گروہ کے ساتھ میل جول اور ہمیں ان کی علمی دیانت پر اعتماد نہ ہوتا تو ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایسا فرقہ موجود ہوگا۔"[3]

علمی دنیا میں ایسی تحقیقات کا کیا مقام ومرتبہ ہوگا کہ ایک شخص اپنے کنوئیں سے باہر جھانکنے کی زحمت بھی گوارا نہ کرے، اربابِ علم ودانش پر مخفی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا ایّھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبیّنوا[4]

---

[1] ظہیر: (مقدمہ) البریلویۃ ص ۷

[2] ایضاً: (تقدیم) " ص۴-۲

[3] ایضاً: " " ص ۱

[4] القرآن: الحجرات ۴۹ آیت ۶

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم تحقیق کرو۔"

شیخ عطیہ محمد سالم نے چونکہ تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کی اور ہو سکتا ہے کہ وہ تحقیق کرنا ہی نہ چاہتے ہوں۔ ذیل میں ہم اُن کے "فاضل مصنف" کے بارے میں ایک اہل حدیث فاضل کے تاثرات بلا تبصرہ پیش کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ شیخ عطیہ محمد سالم کا اسلوب قطعاً غیر تحقیقی ہے۔

ظہیر، حافظ عبد الرحمٰن مدنی کی نظر میں

میاں فضل حق صاحب اہل حدیث پاکستان کے راہنما اور سنجیدہ شخصیت کے مالک ہیں، ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور ان کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ اس پرچے کا شمارہ ۳۱ اگست ۱۹۸۴ء ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اس میں صفحہ پانچ سے سات تک حافظ عبد الرحمٰن مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی کا ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے:

"احسان الٰہی ظہیر کے لیے چیلنج مباہلہ"

ذیل میں اس مضمون کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

- حقیقت یہ ہے کہ دنیا اس شخص کی محبت میں نہیں، بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لیے اسے سلام کرنے کی روادار ہے، چنانچہ اُس کے چھچھورے پن کا یہ عالم ہے کہ بات بات پر لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔
- الحمد للہ! مجھے اس شخص کی طرح کسی احساسِ کمتری کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں کہ اپنی تعریف میں خود ہی مضمون لکھ کر دوسروں کے نام سے یا دوسروں سے مضامین اور کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے شائع کروں، اس سلسلہ میں مَیں کسی غیر کی گواہی کا محتاج بھی نہیں، بلکہ میرے گواہ، میرے اپنے شاگرد ہیں، جو خود احسان الٰہی ظہیر کے لیے عربی، اُردو میں کتابیں لکھتے ہیں اور پھر احسان الٰہی ظہیر اُن کا نام دیئے بغیر اپنے نام سے یہ کتابیں شائع کر کے اپنی شہرت کا

- کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص انگریزی زبان نہ بول سکتا ہو، نہ پڑھ اور سمجھ سکتا ہو، اُس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اُس کے نام سے شائع ہوں۔

- جہاں تک عربی دانی کا تعلق ہے، اس کا بھی صرف دعویٰ ہی ہے، ورنہ اُس کی مطبوعہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرامر یا زبان کی غلطیوں سے پاک ہوگا، چنانچہ عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الٰہی ظہیر کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔

- یہ شکایت اس کی کتابوں میں اُردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اُردو عبارت کچھ ہوتی ہے اور عربی عبارت کچھ، جو یونہی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کر دی جاتی ہے۔

- مسجد چینیانوالی اور احسان الٰہی ظہیر کے سابق اہلِ محلّہ، ان دنوں کو نہیں بھولے جب یہ شخص چھوٹے بچوں کو چند ٹکے بلکہ بسا اوقات روپے دے کر یہ سکھلایا کرتا تھا کہ مجھے علامہ کہا کرو اور اب بھی اس شخص نے اپنی ذات سے دوستی یا دشمنی کا یہی معیار قرار دے رکھا ہے کہ کون اُن کے نام سے پہلے "علاّمہ" لگاتا ہے اور کون نہیں۔

- ان خود ساختہ علامہ صاحب کے کویتی سرپرستوں کو تو ہم نے مباہلہ کا چیلنج پہلے سے دے رکھا ہے۔ اب ہم ان کے پیش کردہ نہ صرف جملہ نکات پر ان کا مباہلہ کا چیلنج قبول کرتے ہیں، بلکہ ان نکات میں ان حضرات کے بدنام زمانہ کردار کا اضافہ کر کے اس کو بھی شاملِ مباہلہ کرتے ہیں، یعنی:

۱۔ کیا ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قومی اتحاد کی تحریک میں اس شخص نے قومی اتحاد کی جاسوسی کے عوض بھٹو حکومت سے لاکھوں روپے بطورِ رشوت

یا برائے نام قیمت پر پلاٹ اور کاروں کے پرمٹ حاصل نہ کیے تھے ؟

(۲) یورپ کے نائٹ کلبوں میں پاکستان کے یہ علامہ صاحب" رئیس التحریر مجلہ ترجمان الحدیث" کیا گل کھلاتے رہے ہیں ؟

(۳) اس شخص کے وہ "راز ہائے دروں" جو اس کی جلوتوں اور خلوتوں کے امین ساتھیوں کی شہادتوں سے منظرِ عام پر آنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، کیا یہ اُن کی صداقت کے خلاف مباہلہ کر سکتا ہے۔

(۴) اپنے گھر میں جوان نوکرانیوں کے قصوں کے بارے میں مباہلہ کی جرأت پاتا ہے ؟

(۵) حکومتِ عراق سے لاکھوں روپے آپ نے کس کارِ خیر کے سلسلہ میں وصول فرمائے تھے ؟

(۶) حکومتِ سعودیہ کو ورغلانے کے لیے موجودہ حکومتِ پاکستان کی شیعہ حمایت کے بے بنیاد قصوں کے محاسبہ اور دونوں حکومتوں کے درمیان جاسوسی کے متضاد کردار کو بھی شاملِ مباہلہ فرمالیجیے۔

(۷) شاہی مسجد لاہور کے حالیہ واقعہ "یا رسول اللہ کانفرنس" کے سلسلہ میں حکومتِ پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کے لیے حکومتِ سعودیہ کو رپورٹیں دینے اور کویتی وفد سے طویل مجلس کو بھی عنوانِ مباہلہ کا شرف عنایت کیجیے۔

۸۔ "البریلویۃ" کے نام سے عرب ممالک میں ایک عربی کتاب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت، لیکن انہی دنوں میں پاکستان کے بریلویوں سے اتحاد، جسے اخبارات نے "سہ جماعتی اتحاد" کا نام دیا۔

اسی طرح "الشیعہ والسنۃ" لکھنے کے باوجود شیعہ علماء کے لیے عرب ممالک کے ویزے کے لیے کوششیں کرنے، نیز حکومت کے ایک اعلیٰ

عہدیدار کی والدہ کی وفات کی رسمِ قُل میں شرکت، لیکن سٹیجوں پر اس رسم کو بدعت قرار دینے کو بھی موضوعِ مباہلہ بنا لیجئے۔

(۹) ریس کورس کے لیے گھوڑوں پر شرطیں بدنے اور اس خلافِ اسلام کاروبار میں شرکت پر بھی مباہلہ کے سلسلہ میں نظرِ کرم ہو جائے۔

(۱۰) کویتی وفد کی اعلیٰ حیثیت اور ان کی طرف سے کروڑوں روپے کے تعاون کے اعلانات کے پسِ پردہ حالیہ حکومتِ پاکستان کے خلاف، اسلام دشمن سیاسی تنظیموں کی سرپرستی اور ایم۔ آر۔ ڈی کو تقویت بھی مباہلہ میں شرکت کی اجازت چاہتی ہے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا الزامات، جناب علامہ (احسان الٰہی ظہیر) صاحب کے خلاف سماجی اور سیاسی حلقوں میں مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض رسائل و جرائد میں چھپ بھی چکے ہیں، لیکن حقیقت حال کی وضاحت نہ کی گئی اور ایک چُپ میں ہزار بلائیں ٹال دی گئیں۔

علاوہ ازیں ان جملہ "خدمات" کے ثبوت کے عینی شاہد ان حضرت کے منہ پر یہ باتیں بیان کرنے کی خواہش رکھتے تھے، لیکن چونکہ بات مباہلہ تک پہنچ چکی ہے، اس لیے مباہلہ میں، مولویت کے لبادے میں اس فتنہ پرور آدمی کے کردار سے پردہ اُٹھ ہی جانا چاہیے، جس کے باعث جماعتِ اہلحدیث کسی بھی شرعی مسئلہ میں اختلاف نہ رکھنے کے باوجود بُری طرح انتشار کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

● درحقیقت مذکورہ بالا الزامات حکومت کے ریکارڈ اور عین (عینی) گواہوں کی شہادتوں سے ثابت کیے جا سکتے تھے، لیکن احسان ظہیر نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے گھناؤنے کردار کو چھپانے کے لیے خود پہلا وار کرنا مناسب

سمجھا اور بوکھلا کر خود ہی مباہلہ کا چیلنج دے دیا، حالانکہ یہ بھی ایک دھوکہ ہے۔

• ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ اس مباہلہ کے ذریعے ہم سرخرو ہوں گے، اور اُس کے جھوٹوں اور بہتانوں، نیز اس کے اپنے کردار پر ایک عظیم اجتماع گواہ ہو سکے گا۔ یوں معلوم ہوتا ہے یہ شخص جس کی دراز دستیوں اور زبان درازیوں کی ابتدا اپنے ہی باپ پر زیادتی سے ہوئی تھی، اپنے انجام کو جلد پہنچنا چاہتا ہے۔"[1]

یہ طویل اقتباسات کسی سُنّی بریلوی عالم کے نہیں ہیں، بلکہ خود ان کے ہم مسلک بھائی، اہل حدیث حافظ عبدالرحمٰن مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی کے ارشادات ہیں۔ شائستگی اور متانت ہمیں اس قسم کی گفتگو کی اجازت نہیں دیتی، ورنہ یہ سلسلہ مزید دراز ہو سکتا ہے، اسی لیے قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے انتہائی تند و تیز زبان میں عائد کیے گئے الزامات کے جواب میں وہ زبان استعمال نہیں کی، صرف حقائق کے چہرہ سے نقاب الٹنے پر اکتفا کیا ہے۔ کاش کہ شیخ عطیہ محمد سالم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر تھوڑی سی توجہ مبذول کر دیتے:

یا ایہا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبإ فتبینوا
ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم ندمین[2]

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔"

(کنز الایمان)

---

[1] عبدالرحمٰن مدنی، حافظ: ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور، شمارہ ۳ر اگست ۱۹۸۴ء، ص ۵-۷

[2] القرآن: الحجرات ۴۹ آیت ۶

جہاں مذہبی اختلافات اس حد تک پہنچ جائیں کہ ایک فریق دوسرے کو کافر و مشرک قرار دے رہا ہو، وہاں محض کسی ایک فریق کے بیان پر اعتماد کرکے دوسرے کے حق میں فیصلہ صادر کر دینا کسی طرح بھی معقول نہیں، جب تک خود دوسرے فریق کے اقوال و معتقدات کا جائزہ نہ لے لیا جائے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کے بعد کعب بن اشرف پیچ و تاب کھاتا ہوا مکّہ معظمہ پہنچا، ابوسفیان (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) نے پوچھا، کیسے آئے؟ کعب نے کہا، ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے معاہدہ ختم کرکے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان کے کہنے پر کعب نے بُت کو سجدہ کیا، پھر ابوسفیان نے کہا تم کتاب پڑھتے ہو اور ہم اُمّی ہیں، یہ تو بتاؤ کہ ہم میں سے کون ہدایت پر ہے، ہم یا محمد؟ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کعب نے کہا تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا:

> "ہم حجاج کے لیے اونٹ نحر کرتے ہیں، انہیں پانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، قیدیوں کو رہائی دلانا، بیت اللہ شریف کی تعمیر اور اس کا طواف ہمارا کام ہے اور ہم اہلِ حرم ہیں۔
>
> اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنا آبائی دین اور حرم بیت اللہ چھوڑ دیا، قطع رحمی کی، ہمارا دین قدیم اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دین نیا ہے۔

کعب نے آنکھیں بند کرکے ابوسفیان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا:

انتم واللہ اھدیٰ سبیلا ممّا علیہ محمّد [1]

اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی یہ آیت نازل فرمائی:

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھٰؤلاء

---

[1] احمد بن محمد الصاوی المالکی، علامہ: حاشیۃ الصاوی علی الجلالین (مصطفیٰ البابی، مصر) ج ۱، ص ۲۱۰

اهدٰی من الذین اٰمنوا سبیلا اولٰئك الذین لعنهم الله ومن یلعن الله فلن تجد له نصیرا[1]

"کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصّہ ملا، ایمان لاتے ہیں بُت اور شیطان پر اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں، یہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے، تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا۔"

کہنا یہ ہے کہ محض مخالف کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے بلا تحقیق فیصلہ صادر کر دینا نہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اور پسندیدہ ہے اور نہ ہی اسے اہل علم و دانش قبول کر سکتے ہیں۔ ابوسفیان نے جس طرح اپنے دین کی خوبیاں اور دینِ مصطفےٰ کی خامیاں بیان کیں، کیا کوئی ہوشمند اور منصف جج اس بیان پر یک طرفہ فیصلہ کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو شیخ عطیہ محمد سالم کے لیے یک طرفہ فیصلہ کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟

شیخ عطیہ محمد سالم نے محض ایک مخالف کے بیانات پر اعتماد کر کے اہل سنت و جماعت کے خلاف جو یک طرفہ فیصلہ دیا ہے اور جارحانہ رویّہ اختیار کیا ہے، اس سے ان کے غیر علمی اور غیر ذمہ دارانہ اندازِ فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

وہ کہتے ہیں:

"اس کتاب (البریلویۃ) کے مصنّف نے فرقہ بریلویہ اور ان کے قریبی فرقوں قادیانیہ اور بابیہ کو قوی اسلوب اور علمی تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے"[2] (ترجمہ ملخصاً)

"اس کی تمام تحریرات پختگی، اعتدال، دلائل اور صداقت سے مالا مال ہیں"[3]

---

[1] القرآن:	النساء ۴	الآیة	۵۱
[2] عطیة محمد سالم:	تقدیم البریلویة	ص	۲
[3] ایضاً:	" "	ص	۳

کاش کہ وہ انصاف اور دیانت کے تقاضوں کے مطابق اہل سنت کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی زحمت اٹھا لیتے، تو اُن کا فیصلہ یقیناً مختلف ہوتا۔

دَورِ زوال یا دَورِ کمال؟

امام احمد رضا بریلوی (۱۲۷۲ھ/ ۱۹۵۶ء = ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کا دَور سیاسی اعتبار سے پہلے زوال اور پھر عروج کا زمانہ ہے، لیکن علمی، ادبی اور فکری لحاظ سے یہ دور مسلمانانِ ہند کا زرّین دور ہے۔ اس عرصے میں جتنی قدآور شخصیتیں، اُفق متحدہ پاک و ہند پر نمودار ہوئیں، بعد کے زمانوں میں ان کی مثال نہیں ملتی۔

حکیم عبدالحئ لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں علماء ہند کا تذکرہ کیا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں جلد میں تیرھویں اور چودھویں صدی کے علماء کا تذکرہ ہے۔ ایک نظر ان جلدوں کے دیکھنے سے ہمارے بیان کی صداقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؛

ابوالحسن علی ندوی، آٹھویں جلد کے مقدمہ میں لکھتے ہیں؛

> "اس جلد میں سابقہ تمام زمانوں کی نسبت، حالاتِ علماء کی کثرت اور رنگارنگی میں زیادہ وسعت ہے، اس میں بڑے بڑے علماء، نابغۂ عصر مؤلفین، اجلہ مشائخ، تربیت دینے والے اربابِ قلوب، عظیم معلّم، اصحاب درس و تخریج ہیں، ان میں جدید فکر کے قائدین اور تحریکوں کے راہنما ہیں، ان میں ادباء ہیں، شعراء ہیں اور سیاسی معرکوں میں بے خطر کود جانے والے لیڈر ہیں"[1]

شیخ عطیہ محمد سالم نے تاریخ ہند کا مطالعہ نہیں کیا، اس لیے وہ کہتے ہیں؛

> "یہ دور، ہند میں علمی، فکری، حتّٰی کہ ادبی ترقی کا دور نہیں ہے۔"[2]

---

[1] ابوالحسن علی ندوی؛ مقدمہ نزہۃ الخواطر (نور محمد کراچی) ج ۸، ص ۸

[2] عطیہ محمد سالم؛ تقدیم البریلویۃ ص ۳

لُطف کی بات یہ ہے کہ مصنف علمی اور فکری لحاظ سے اس دور کو سنہری قرار دے رہا ہے، ان کا بیان ہے:

"۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۵ء تک وہابیوں کو بیخ و بُن سے اُکھیڑنے کے لیے ان کے علماء، زعماء اور قائدین کو تختۂ دار تک پہنچایا گیا، اس دور میں جنہیں قید کیا گیا، وہ اہلِ توحید کے عموماً اور اہل حدیث کے خصوصاً سربرآوردہ علماء تھے۔ مثلاً شیخ جعفر تھانیسری، شیخ عبدالرحیم، عبدالغفار، شیخ المسلمین شیخ یحییٰ علی صادق پوری اور شیخ احمداللہ وغیرہ، پھر اُن کے بعد اہل حدیث کے قائد، زعیم اور سلف صالح کے متبع العلم الرفیع، شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی"[1]

جبکہ عطیۃ محمد سالم، اس دور کو بانجھ اور ناقابلِ ذکر قرار دے رہے ہیں، گویا تقدیم نگار خود مصنف کی تکذیب کر رہے ہیں، بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ گئے کہ:

"استعمار کی عادت یہ ہے کہ ہر اس تحریک کا گلا گھونٹ دے جس میں زندگی کی رمق موجود ہو، لہٰذا یہ طائفہ (بریلویہ) استعمار کے سائے میں اس کی خدمت کے بغیر اُبھر ہی نہیں سکتا تھا۔"[2]

یہ تو آپ اگلے باب میں ملاحظہ کریں گے کہ اہل حدیث نے انگریزی دور میں کتنی ترقی کی اور کس قدر خادمانہ روابط استوار رکھے، اس جگہ صرف ایک اقتباس پیش کرنا مناسب رہے گا۔

ایک دفعہ کسی مخالف کی شکایت پر میاں نذیر حسین دہلوی گرفتار ہو گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد رہا کر دیئے گئے، ایسا کیوں ہوا؟

"انگریز ان کی ہیبتِ علمی، بلند مقام اور مسلمانوں میں ان کے اثر و رسوخ

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۷

[2] عطیۃ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۳

سے خائف تھے، اس لیے ان کے معاملہ میں پریشان ہو گئے، کہیں مسلمان بھڑک نہ اٹھیں اور قیامت نہ آجائے۔" [1]

عطیہ محمد سالم کے بیان کی روشنی میں سوچیے کہ میاں صاحب کو اس قدر عروج اور قوت و شوکت کیسے حاصل ہو گئی؟ جبکہ ہر اس تحریک کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے جس میں زندگی کی کوئی بھی علامت موجود ہو۔

مرزا غلام قادر بیگ

ہٹلر کے دستِ راست گوئبلز کا قول ہے کہ "جھوٹ اتنا بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے۔" امام احمد رضا بریلوی کے چند ابتدائی کتب کے استاد، مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مخالفین نے اسی مقولے پر عمل کرتے ہوئے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کیا کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

مرزا کا بھائی ۱۸۸۳ء میں فوت ہو گیا تھا، جبکہ مرزا غلام قادر بیگ، ۱۸۹۷ء میں کلکتہ میں حیات تھے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ کی جائے۔ دراصل نام کے اشتراک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ایک صحیح العقیدہ مسلمان کو مرزائی اور کافر بنا دیا اور اس سے ان کے دل پر کوئی ملال نہیں آیا کہ کسی دلیل اور ثبوت کے بغیر ہم نے ایک مسلمان کو کافر کیوں قرار دیا؟ اور ملال آئے بھی تو کیوں کر؟ جبکہ یہ لوگ تمام عامۃ المسلمین کو کافر قرار دے کر بھی اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتے۔

عطیہ محمد سالم بھی اسی پروپیگنڈے کے زیرِ اثر یہ کہہ گئے:

"بریلویۃ کے بانی کا پہلا استاذ، مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۸

[2] عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۴

کا بھائی تھا۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ قادیانیت اور بریلویت دونوں استعمار کی خدمت میں بھائی بھائی ہیں۔"[1]

اگر کسی دعوے کا ثابت کرنا واقعی محتاج دلیل ہوتا ہے، تو ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے دعوے کی صداقت پر کوئی دلیل پیش کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ قیامت تک کوئی دلیل نہ لا سکیں گے۔

نادر استدلال

عطیہ محمد سالم، نہ جانے کس قابلیت کی بناء پر قاضی بنا دیئے گئے کہ وہ فیصلہ دیتے وقت محض سنی سنائی باتوں پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ دلائل و شواہد پر توجہ دینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے اور جن امور کو وہ منطقی دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں، انہیں دیکھ کر منطق کا ابتدائی طالب علم بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے گا۔

ذرا اندازِ استدلال ملاحظہ ہو، مغالطہ کی صحیح تصویر آپ کے سامنے آجائے گی، وہ لکھتے ہیں:

"بریلویوں نے دیوبندیوں کی تکفیر کی ہے
دیوبندی حنفی ہیں
بریلوی بھی حنفی ہیں
لہٰذا بریلوی خود کافر ہوں گے
یہ واضح منطقی قیاس ہے۔"[2]

اگر عطیہ محمد سالم نے منطق کی کوئی ابتدائی کتاب بھی پڑھی ہوتی، تو وہ کبھی اس مغالطہ

---

[1] عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ، ص ۴

[2] ایضاً: 〃 〃 ص ۴

کو قیاسِ منطقی قرار دینے کی جرأت نہ کرتے۔ ان کی منطق کے مطابق کوئی شخص یہ کہہ سکتا

" عطیہ محمد سالم اور دیگر نجدی علماء، بریلویوں کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں، حالانکہ:

بریلوی کلمہ گو ہیں
اور نجدی بھی کلمہ گو ہیں
لہذا نجدی خود کافر و مشرک ہوں گے
اور یہ واضح قیاس منطقی ہے

منطقی اصطلاح کے مطابق یہ قیاس اقترانی حملی، شکل ثانی ہے جس میں حدِ اوسط، صغریٰ اور کبریٰ دونوں میں محمول ہوتی ہے، لیکن اس شکل کے نتیجہ دینے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں مقدمے ایجاب و سلب میں مختلف ہوں، یعنی ایک موجبہ ہو تو دوسرا سالبہ ہو۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

وفی الثانی اختلافہما فی الکیف وکلیۃ الکبرٰی [1]

"شکل ثانی میں شرط یہ ہے کہ دونوں مقدمے ایجاب و سلب میں مختلف ہوں، اور کبریٰ کلیہ ہو۔"

شیخ عطیہ کے پیش کردہ دونوں مقدمے موجبے ہیں:

دیوبندی حنفی ہیں
بریلوی بھی حنفی ہیں

اوّل تو یہ قیاس منطق کے قواعد کی رُو سے ہے ہی غلط، اور اگر صحیح بھی ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا: —— دیوبندی، بریلوی ہیں

سُبحان اللہ! کیا منطق ہے اور کیا شانِ استدلال؟

---

[1] مسعود بن عمر تفتازانی، سعد الدین: تہذیب مع شرح (سکندر علی، کراچی) ص ۴۶

یہ تو عقلی استدلال تھا، نقلی دلیل بھی ملاحظہ ہو:

"علماء کا قدیم مقولہ ہے کہ جس نے اپنی جنس کو گالی دی، اس نے اپنے آپ کو گالی دی، تو انہوں نے غیر محسوس طریقے پر اپنے آپ کو کافر قرار دے دیا۔"[1]

قطع نظر اس سے کہ حکم شرعی کے بیان کو گالی دینا نہیں کہہ سکتے، یہ کہنا سرے سے غلط ہے کہ دیوبندی، بریلوی کی جنس ہے، انہوں نے خود کہا ہے:

"دیوبندی مذہب حنفی کی طرف منسوب ہونے میں بریلویوں کے ساتھ شریک ہیں۔"[2]

اس لیے دیوبندی اور بریلوی میں سے کسی کو دوسرے کے لیے جنس نہیں کہہ سکتے۔ ہر ایک الگ الگ نوع ہے اور ضروری نہیں کہ ایک نوع کا حکم دوسری نوع پر بھی لگے۔

قائدِ اعظم، اقبال اور ضیاء

تحریکِ پاکستان کے دور میں سیاسی لیڈر مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ کچھ لوگ انگریز کے حامی اور مؤید تھے، کچھ انگریز کے دشمن لیکن ہندو کے دل و جان سے دوست اور اتحادی تھے۔ امام احمد رضا بریلوی اور اُن کے ہم مسلک علماء کا دینی اور اسلامی نقطۂ نظر یہ تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں ہی ہمارے دشمن ہیں۔ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں، یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جسے بعد میں علامہ اقبال اور قائدِ اعظم نے اپنایا اور اسی نظریئے کی بناء پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کا بنارس میں تاریخی اجلاس ہوا جس میں اہل سنّت وجماعت (بریلوی) کے تمام علماء اور مشائخ نے شرکت کی اور مطالبۂ پاکستان کی بھرپور

---

[1] عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۴

[2] ایضاً: " " ص ۴

حمایت کی۔ اس دور میں مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کے مطالبۂ پاکستان کی حمایت جس زوردار اور اجتماعی انداز میں اہل سنّت وجماعت کے سٹیج سے کی گئی اور کسی طرف سے نہیں کی گئی۔

عطیہ محمد سالم کی تاریخ سے بے خبری ملاحظہ ہو، وہ کہتے ہیں:

> "بریلویوں نے بانیٔ پاکستان محمد علی جناح اور شاعرِ اسلامی پاکستانی محمد اقبال بلکہ پاکستان کے موجودہ صدر محمد ضیاء الحق کی تکفیر کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بریلویوں کے دوست انگریزی استعمار کے دشمن تھے اور انہوں نے انگریز کو نکالنے کے لیے جہاد کیا تھا۔"[1]

حالانکہ تحریکِ پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ اگر علماء اور مشائخ اہل سنّت حمایت نہ کرتے، تو یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکتی تھی یا پھر پاکستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ تفصیل آئندہ اوراق میں "اسلامی سیاست" کے عنوان کے تحت ملاحظہ ہو۔

علامہ اقبال اور قائداعظم کے خلاف فتویٰ دینے کے سلسلے میں تجانبِ اہل السنّۃ کا حوالہ دیا جاتا ہے[2] حالانکہ یہ مولانا محمد طیّب کی انفرادی رائے تھی جسے علماء اہل سنّت کی جماعتی طور پر تائید حاصل نہیں ہوئی۔ شخص واحد کی انفرادی رائے کو پوری جماعت پر ٹھونس دینا کسی طرح بھی قرینِ انصاف نہیں ہے۔

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں:

> "ہم یہ عقائد و معتقدات اور ان کے دلائل خود احمد رضا بریلوی، ان کے خواص اور اس گروہ کے خواص و عوام کے نزدیک معتمد حضرات اور اُن نمایاں شخصیات سے نقل کریں گے جو ان کے نزدیک بغیر کسی اختلاف کے مسلّم ہوں۔"[3]

---

[1] عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۵

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۷ - ۲۰۵

[3] ظہیر: 〃 ص ۵۶

اب ان لوگوں سے کون پوچھے کہ تجانب اہل السنّۃ کے مصنف مولانا محمد طیب کہاں کی مسلّم نمایاں اور غیر متنازع فیہ شخصیت ہیں؟ خود ظہیر صاحب نے بریلویوں کے جن زعماء کا ذکر کیا ہے[1] ان میں مولانا محمد طیب کا ذکر نہیں ہے، یہ کہاں کی دیانت ہے کہ ان کے اقوال تمام اہل سنّت کے سر تھوپ دیئے جائیں؟

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"مولانا طیب صاحب ہمدانی مصنّف "تجانبِ اہل سنّت" علمی اعتبار سے کسی گنتی اور شمار میں نہیں ہیں، وہ مولانا حشمت علی کے داماد تھے اور ان کا مبلغِ علم فقط اتنا تھا کہ وہ شرقپور کی ایک چھوٹی سی مسجد کے امام تھے اور بس، "تجانب اہلِ سنّت میں جو کچھ انہوں نے لکھا وہ ان کے ذاتی خیالات تھے، اہل سنّت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ نے بنارس کانفرنس میں قرارداد قیامِ پاکستان منظور کر کے مولانا حشمت علی کے سیاسی افکار اور "تجانب اہل سنّت" کے مندرجات کو عملاً رد کر دیا تھا، لہٰذا سیاسی نظریات میں ایک غیر معروف مسجد کے غیر معروف امام (مولانا طیب) اور غیر مستند شخص کے سیاسی خیالات کو سوادِ اعظم اہل سنّت پر لاگو نہیں کیا جا سکتا، نہ یہ شخص ہمارے لیے حجت ہے اور نہ اس کے سیاسی افکار۔"[2]

غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں،

"تجانبِ اہل سنّت کسی غیر معروف شخص کی تصنیف ہے جو ہمارے نزدیک قطعاً قابلِ اعتماد نہیں ہے، لہٰذا اہل سنّت کے مسلّمات میں اس کتاب کو شامل کرنا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کا کوئی حوالہ ہم پر حجت نہیں

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۴۴-۵۱

[2] غلام رسول سعیدی، علامہ: ماہنامہ فیضان، فیصل آباد، شمارہ اپریل ۱۹۷۸ء، ص ۸-۲۷

ہے، سالہا سال سے یہ وضاحت اہل سنّت کی طرف سے ہو چکی ہے کہ ہم اس
کے کسی حوالہ کے ذمّہ دار نہیں۔"[1]

اس جگہ اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں علمائے اہلحدیث اور علماء دیوبند کی اکثریت مخالف تھی البتہ بعض علماء حامی تھے۔ مولوی داؤد غزنوی اہلحدیث اور علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی آخر میں جاکر مسلم لیگ میں شریک ہوئے، جبکہ اہلِ سنّت وجماعت (بریلوی) کے تمام تر علماء پاکستان اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ اِکّا دُکّا علماء جیسے مولانا حشمت علی وغیرہ ضرور اختلاف رکھتے تھے، لیکن وہ بھی نظریۂ پاکستان کے مخالف یا کانگریس کے حامی نہ تھے۔ ان کا اختلاف محض اس بناء پر تھا کہ مسلم لیگ مختلف بدمذہبوں کا ملغوبہ ہے، ہم اس کی حمایت نہیں کر سکتے۔ اہل سنّت کی نمائندہ تنظیم آل انڈیا سُنّی کانفرنس چونکہ مسلم لیگ کی حامی تھی، اس لیے وہ اس تنظیم سے بھی اختلاف رکھتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس، بنارس کے اجلاس میں پانچ ہزار علماء و مشائخ نے ڈنکے کی چوٹ پر مطالبۂ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت کر کے ان حضرات کا انفرادی موقف مسترد کر دیا تھا۔ بعد میں مولانا حشمت علی خاں نے بریلی جاکر سُنّی کانفرنس کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا، جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے سُنّی کانفرنس کی مسلم لیگ حمایت کو تسلیم کر لیا تھا۔

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی مدظلہ، فرماتے ہیں:

> "مولانا حشمت علی خاں کے بارے میں مشہور اور ناقابلِ انکار واقعہ ہے کہ انہوں نے بریلی شریف جاکر مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے، قیامِ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنّی کانفرنس، بنارس کی مخالفت سے توبہ کی تھی۔"[2]

---

[1] قلمی یادداشت، حضرت غزالی زماں، تحریر ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء، محفوظ نزد راقم (اشرف قادری)

[2] ایضاً، " " " " " " "

علامہ عثمانی دیوبندی نے حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"دار العلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کیے جن میں ہم کو ابو جہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا، آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا؟" [1]

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی حمایت کرنے پر دیوبند کی فضا میں ان کے خلاف کس قدر اشتعال تھا؟

مجاہد ملت مولانا عبد الستار خاں نیازی زیرِ عنوان "تحریک پاکستان میں غیر مقلدین کا طرزِ عمل" لکھتے ہیں:

"برصغیر پاک و ہند کے ہر کہ و مہ کو معلوم ہے کہ آپ کے اکثر اکابر نے تحریکِ پاکستان کی سرتوڑ مزاحمت کی، بلکہ پاکستان دشمن جماعتوں کے سرخیل اور سرگروہ رہے ہیں۔ مولانا سید اسمٰعیل صاحب غزنوی کی ذات مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے اصولی طور پر پاکستان کی حمایت کی، مگر ان کا کردار نمایاں نہیں رہا، دوسرے عظیم رہنما حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی جو پنجاب میں ہندو نیشنل کانگرس کے صدر تھے، کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور مولانا ابو الکلام آزاد کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر خضر وزارت کو مسلط کیا، البتہ عوام اہل حدیث کا رجحان نظریۂ پاکستان کے حق میں تھا اور بالآخر ان کے دباؤ سے مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی بھی تحریکِ پاکستان میں شامل ہو گئے۔" [2]

احسان الٰہی ظہیر، وکیل اہل حدیث محمد حسین بٹالوی کی انگریز نوازی سے انکار نہیں کر سکے، اس لیے گلو خلاصی کرانے کے لیے اپنے خیال میں آسان راستہ تجویز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] طاہر احمد قاسمی، مکالمۃ الصدرین (دار الاشاعت، دیوبند) ص ۲۱

[2] عبد الستار خاں نیازی، مولانا، نعرۂ حق (مکتبہ رضویہ، گجرات) ص ۴۵

"رہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا، تو ہم اس سلسلہ میں متنبی قادیانی کی امت کی طرح کسی قسم کی تاویل و تحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا، تو غلط کیا۔ ہم انہیں نہ معصوم سمجھتے ہیں نہ صاحب شریعت کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے حجت و سند ہو، قوم میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جن سے غلطیوں اور لغزشوں کا صدور ہوتا ہے، ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھبہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بنا پر کسی گروہ کو مطعون کیا جا سکتا ہے۔"[1]

یہی فارمولا اہل سنت کی طرف سے پیش کیا جائے، تو قابلِ قبول کیوں نہیں ہے۔ چند افراد کے افکار کی ذمہ داری تمام جماعت پر کس طرح ڈالی جا سکتی ہے؟ ہمارے علماء نے بھی لگی لپٹی کے بغیر تجانب اہل السنۃ کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

پھر یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ جن ایڈریسوں کی ذمہ داری تنہا بٹالوی صاحب پر ڈالی جا رہی ہے، ان میں وہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ اہل حدیث کے بڑے بڑے (شیخ الکل قسم کے) علماء بھی شامل ہیں۔ چند اسماء ملاحظہ ہوں۔ لارڈ ڈفرن، گورنر جنرل اور وائسرائے ہند کو دیئے گئے ایڈریس (سپاس نامہ) میں شامل چند علماء کے نام یہ ہیں:

> "مولوی[۱] سید محمد نذیر حسین دہلوی، ابوسعید[۲] محمد حسین (بٹالوی) وکیل اہلحدیث ہند، مولوی[۳] محمد یونس خاں، رئیس دتاولی علیگڑھ، مولوی[۴] قطب الدین، پیشوائے اہل حدیث روپڑ، مولوی[۵] محمد سعید، بنارس، مولوی[۶] الٰہی بخش پلیڈر، لاہور۔ مولوی[۷] سید نظام الدین پیشوائے اہل حدیث، مدراس وغیرہ"[2]

اُس وقت کے اہل حدیث کے جتنے بڑے بڑے پیشوا ہیں، وہ سب اس ایڈریس (سپاسنام

---

[1] ظہیر: مرزائیت اور اسلام (ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور) ص ۲۳۳

[2] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ ج ۱۱ شمارہ ۲، ص ۴۲-۴۱

میں شریک ہیں، مگر پوری قوم کا جُرم ایک بے چارے بٹالوی کے سر منڈھا جا رہا ہے، اس کے برعکس اہل سنّت وجماعت کے چند افراد کے افکار کی ذمّہ داری پوری جماعت پر ڈالی جا رہی ہے۔ اس اُلٹی گنگا کا کیا علاج؟

پھر لُطف کی بات یہ کہ سرِ فہرست میاں نذیر حسین دہلوی کا نام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ خود اُن سے سُنیے:

> "قائدِ اہل حدیث، سلف صالح کے متبعین کے زعیم، بلند پہاڑ، شیخ الکل، سید نذیر حسین محدّث دہلوی۔"[1]

> "محدّثِ جلیل، عالمِ نبیل، اپنے دور میں طائفۂ منصورہ کے شیخ ربانی، اولادِ رسول، سید نذیر حسین دہلوی، جنہوں نے پاک و ہند میں سنّت کا جھنڈا بلند کیا، جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کو دُور کیا، اس خطّے کو کتاب و سنّت کے نُور سے منوّر کیا، جو شاہ ولی اللہ دہلوی کی مسند پر بیٹھا اور اُس نے اُن کی تعلیمات کی تنقیح، تہذیب اور تجدید کی"[2]

ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں، اہل حدیث کے شیخ الکل کی اس سپاسنامے میں حاضری ہی پوری جماعت اہل حدیث کی حاضری تھی، لیکن ان کے ساتھ ساتھ علی گڑھ، روپڑ، بنارس، لاہور اور مدراس وغیرہ مقامات کے پیشوایانِ اہل حدیث بھی شامل ہوں تو اس سپاسنامے کی ذمّہ داری صرف بٹالوی کے سر ڈال دینا انصاف کا خون بہا دینے کے مترادف ہوگا۔ پھر محمد حسین بٹالوی بھی اہل حدیث جماعت کا کوئی معمولی فرد نہیں ہے، بلکہ تمام اہلحدیث کا وکیل ہے، اس کی ایک اپیل پر ہزاروں قرار دادیں ملک کے طول و عرض سے موصول ہو جاتی ہیں۔

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۷

[2] ایضاً " ص ۱۶۲

علامہ اقبال نجدی علماء کی نظر میں

عطیہ محمد سالم، علامہ اقبال کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اسلامی پاکستانی شاعر، محمد اقبال [1]

البریلویۃ کے مصنف ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"شاعرِ رسالتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، ہند و پاک میں مسلمانوں کا شاعر جس نے اس خطہ کے لوگوں میں جہاد کی روح پھونکی۔ . . . . ڈاکٹر محمد اقبال۔" [2]

غالباً ان دونوں (مصنف اور مقدمہ نگار) کو معلوم نہیں ہے کہ نجدی علماء کی علامہ اقبال کے بارے میں کیا رائے ہے؛ روزنامہ نوائے وقت لاہور، میں جناب محمد امین کا ریاض سے بھیجا ہوا مراسلہ چھپا تھا، جس کا عنوان ہے:

سعودی عرب میں اقبالیات کا ابلاغ

ان کا بیان ہے کہ ۱۹ نومبر (۱۹۸۰ء) کو ریاض یونیورسٹی میں اسلامی فکر کی تجدید کے عنوان سے ایک سیمینار ہوا، جس میں سعودی عرب کے سب سے بڑے مذہبی رہنما شیخ عبدالعزیز بن باز، معروف مصری مفکر محمد قطب (سید قطب شہید کے بھائی) سوڈان کے ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس اور معروف مؤلف اور روشن نظر عالم دین جناب محمد صباغ نے خطاب کیا۔ سیمینار کے آخر میں سوال و جواب کا ایک پروگرام ہوا اور اس نشست کا آخری سوال اقبال کی کتاب تشکیل جدید الٰہیات اسلامی کے بارے میں تھا جس کا عربی ترجمہ تجدید التفکیر الدینی فی الاسلام کے نام سے موجود ہے۔ ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس نے

---

[1] عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۵

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۰۵

یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ اس کتاب میں کچھ باتیں قابلِ اعتراض ہیں۔ معتدل مؤقف اختیار کیا، لیکن استاذ صباغ نے اقبال پر شدید تنقید کی اور کہا:

> "اس کتاب کی عبارتیں گمراہ کن ہیں، بلکہ اس میں بعض باتیں کفر تک لے جانے والی ہیں۔ یہ انتہائی خطرناک کتاب ہے اور طلباء کو اس سے متنبہ رہنا چاہیے۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار بھی کیا کہ ایسی کتابیں بغیر تعلیق اور حواشی کے نہیں چھپنی چاہئیں۔"

مراسلہ نگار لکھتے ہیں:

> "سوءِ اتفاق سے جناب محمد قطب نے بھی استاذ صباغ کی تائید کی اور کہا کہ اس کتاب کا پڑھنا عام طلباء کے لیے خطرے سے خالی نہیں، اس میں بہت سی باتیں خلافِ حقیقت ہیں۔ نیز یہ کہ اقبال مغربی فلسفے اور خاص کر جرمن فلسفے سے متاثر ہے اور تصوف کے بعض غیر اسلامی نظریوں کا قائل ہے[1]

کیا البریلویۃ کے مصنف اور تقدیم نگار یہ وضاحت کریں گے کہ شاعرِ اسلامی، شاعرِ رسالتِ محمدیہ کے بارے میں یہ رویہ کیوں اختیار کیا گیا؟ اور شیخ عبدالعزیز اور دیگر سکالروں نے یہ سب فتوے سُن کر اختلاف کیوں نہ کیا؟ کیا یہ نجدی علماء کا اجماعِ سکوتی نہ ہوگا؟ پھر تصوف کے ان غیر اسلامی نظریوں کی وضاحت بھی ہونی چاہیے، جن کا اقبال قائل ہے۔

صدرِ پاکستان

عطیہ محمد سالم کہتے ہیں کہ "یہ لوگ تکفیر میں جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان کے موجودہ صدر محمد ضیاء الحق کو بھی ۔ ر قرار دے چکے ہیں۔"[2]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت، لاہور: شمارہ یکم دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۳

[2] عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۵

اس کھوکھلے دعوے کی بنیاد یہ فراہم کی گئی ہے کہ جب مسجد نبوی اور مکہ معظمہ کے امام پاکستان آئے، تو صدر اور گورنر پنجاب سوار خاں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی، کسی نے سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ مفتی سید شجاعت علی قادری نے جواب دیا:

"حضرت نورانی فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص وہابی نجدیوں کو مسلمان جانے یا ان کے پیچھے نماز پڑھے، وہ کافر و مرتد ہے۔" [1]

اس مضحکہ خیز دعویٰ اور اس کی دلیل کا بودا پن اس سے ظاہر ہے کہ مفتی سید شجاعت علی قادری کو حکومت پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت کا جج بنا دیا ہے۔ کیا عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے؟ کہ صدر پاکستان محمد ضیاء الحق اس شخص کو وفاقی شرعی عدالت کا جج بنا دیں گے جو ان کے کفر کا فتویٰ دے چکا ہو، گویا تکفیر ایسا کارنامہ ہے جس پر اعزاز و اکرام سے نوازا جا رہا ہے۔

مفتی سید شجاعت علی قادری کی وضاحت بھی ملاحظہ ہو:

"میرے نام سے بہت سے ایسے فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں، جن پر کوئی ذی ہوش انسان کبھی یقین نہیں کر سکتا ہے اور جن کی تردید میں بار ہا کر چکا ہوں، مثلاً یہ کہ میں نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب وغیرہ کو کافر کہا ہے۔" [2]

پاکستان کے موجودہ صدر، سعودی عرب حکومت اور علماء کے منظور نظر ہیں سعودی عرب اور اس کے زیر اثر عرب ریاستوں میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمہ قرآن کنز الایمان اور مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر خزائن العرفان پر پابندی عائد کی گئی، تو علماء اہل سنت کا ایک وفد صدر صاحب سے ملا، صدر نے کہا کہ یہ ان ممالک کا داخلی معاملہ ہے، میں کس طرح مداخلت کر سکتا ہوں؟ بادشاہی مسجد میں "نعرۂ رسالت" کے جواب میں ذلیل جواب دینے والے شخص کے خلاف یا رسول اللہ کانفرنس

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۰۸

[2] قلمی یادداشت، مفتی سید شجاعت علی قادری، تحریر ۱۱ جولائی ۱۹۸۴ء، محفوظ نزد راقم ۱۲ شرف قادری

کے مطالبہ پر قائم کردہ ٹربیونل کا فیصلہ آج تک منظرِ عام پر نہ آسکا، حالانکہ یہ تو پاکستان کا خالص داخلی معاملہ تھا۔

سعودیہ کا مکتبۃ الدعوۃ لاہور، کروڑوں روپے کا دل آزار لٹریچر پاکستان میں مفت تقسیم کر رہا ہے، جس میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بُت پرست قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ تو پاکستان کا خالص داخلی معاملہ ہے، لیکن حکومت نے اس کا ابھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

- "پاکستان میں قبروں پر پھول و نذر و نیاز کے سلسلے کی وجہ سے لوگوں کی عقیدت اللہ تعالیٰ سے ختم کی جا رہی ہے۔ ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی کہنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔"[1]
- "جو شخص حضور علیہ السلام کی قبر کی طرف منہ کرتا ہے، اُس نے آپ کی قبر کو قبلہ و کعبہ بنا لیا، یہی شرکِ اکبر ہے اور یہی بعینہٖ بُتوں کی عبادت ہے۔"[2]
- "باہر سے آنے والے لوگ قبر النبی کو بُت سمجھ کر پوجتے ہیں۔"[3]
- "تمام عالمِ اسلام میں شرک کیا جا رہا ہے اور وہ ہے قبروں کی عقیدت"[4]
- "صحابہ کرام اور اہل بیت کی قبروں کے سامنے دُعا مانگنا اور غارِ حراء و ثور سے تبرک لینا حرام ہے۔"[5]
- "مسجدِ نبوی اور قبر شریف (روضۂ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے درمیان

---

[1] محمد صادق خلیل، فیصل آباد: مقدمہ محمد بن عبدالوہاب ص ۱۶

[2] محمد سُلطان المعصومی، المکی: المشاہدات المعصومیۃ (ادارات البحوث العلمیۃ السعودیۃ) ص ۷

[3] ایضاً: 〃 〃 〃 〃 ص ۷

[4] محمد بن اسماعیل یمنی: تطہیر الاعتقاد (ادارات البحوث العلمیۃ السعودیۃ) ص ۴

[5] عبدالعزیز بن عبداللہ: حج اور زیارت کے شرعی آداب (مطابع النصر الریاض) ص ۴

ایک دیوار کھڑی کی جائے تاکہ موحد کو اطمینان ہو۔" [1]

- "انبیاء اور صلحاء کو سفارشی ماننا بالکل مشرکوں کا عقیدہ ہے۔" [2]
- "صالحین کی قبروں سے تبرک حاصل کرنے والے اس زمانے کے مسلمان تو مشرکینِ عرب سے کہیں آگے ہیں۔" [3]

عطیۃ محمد سالم کہتے ہیں:

"اس وقت جبکہ ہمیں وحدت کلمہ اور اپنی صفوں میں اتحاد کی شدید ضرورت ہے، بریلوی اپنے علاوہ ہر شخص کی تکفیر کرتا ہے۔" [4]

یہ صریح بہتان ہے کہ فاضل بریلوی اپنے علاوہ ہر شخص کی تکفیر کرتے ہیں۔ انہوں نے صرف ایسے لوگوں کی تکفیر کی، جنہوں نے خدا اور رسول کی بارگاہ میں صریح گستاخی کی یا گستاخی پر آگاہ ہو کر بھی اسے صحیح قرار دیا۔

شیخ عطیۃ نے اپنے ہم خیال نجدی علماء کے رویّے پر غور نہیں کیا جو اپنے علاوہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کو مشرک قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ چند اقتباسات ابھی ابھی پیش کیے جا چکے ہیں، چند مزید حوالے دیکھ لیجئے:

مترجم قرآن پاک جلادو

شیخ عبدالعزیز بن باز ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

---

[2] ناصرالدین البانی: قبروں پر مسجدیں (ضیاء السنۃ، لائل پور) ص ۱۲۵

[3] احمد بن حجر آل ابوطامی سلفی: التوحید (الدار السلفیہ، بمبئی) ص ۷۵

[4] عبدالرحمٰن بن حسن: ہدایۃ المستفید شرح کتاب التوحید ترجمہ (انصار السنۃ، لاہور) ج ۱ ص ۴۵۵

[1] عطیۃ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۵

"ہمیں بھی مختلف اداروں کی طرف سے اس مترجم کے نمونے موصول ہوئے ہیں، جن کی تحقیق سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اس میں تحریفات اور جھوٹ بھرا پڑا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لہٰذا تمام متعلقہ اداروں کو یہ اطلاع کر دی جائے کہ جن مساجد میں اس کے نسخے ہیں یا کسی اور جگہ ہوں تو اُن کو ضبط کر لیا جائے اور جلا دیا جائے۔" [1]

قصیدۂ بُردہ اور دلائل الخیرات جلادو

محمود مہدی استانبولی کی ایک تصنیف کُتُبٌ لَیْسَتْ مِنَ الْاِسْلَامِ (غیر اسلامی کتابیں)، المکتب الاسلامی، بیروت سے طبع ہوئی ہے اس کا ایک عنوان ہے:

حرّقوا هذه الکتب [2] (ان کتابوں کو جلادو)

اس میں غیر اسلامی کتب میں سرِ فہرست جن کتابوں کو شمار کیا گیا ہے وہ ہیں:

قصیدہ بُردہ اور دلائل الخیرات [3]

بُخاری شریف جلادو

۱۹۸۲ء میں عالمی سیرت کانفرنس، تہران میں اتحادِ اُمت کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے گوجرانوالہ کے اہل حدیث کے مولوی بشیر الرحمٰن مستحسن نے اپنی تقریر میں کہا:

"اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، وہ قابلِ قدر ضرور ہے، قابلِ عمل نہیں، اختلاف ختم کرنا ضروری ہے، مگر اختلاف ختم کرنے کے لیے اسبابِ اختلاف کو مٹانا

---

[1] عبد الستار خاں نیازی، مولانا: اتحاد بین المسلمین (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۳۵

[2] محمود مہدی استانبولی: کتب لیست من الاسلام (بیروت) ص ۷

[3] ایضاً: " " " ص ۱۱-۲۷

ہوگا۔ فریقین کی جو کتب قابلِ اعتراض ہیں، ان کی موجودگی اختلاف کی بھٹی کو تیز تر کر رہی ہے، کیوں نہ ہم ان اسباب ہی کو ختم کر دیں۔

اگر آپ، صدقِ دل سے اتحاد چاہتے ہیں، تو اُن تمام روایات کو جلانا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں، ہم "بخاری" کو آگ میں ڈالتے ہیں، آپ "اصولِ کافی" کو نذرِ آتش کر دیں۔ آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ صاف کر دیں گے۔" [1]

اگر خدانخواستہ جلانے اور آگ لگانے کی یہ تحریک چل پڑی اور کامیاب ہوگئی تو اس کا نتیجہ تخریب ہی تخریب ہوگا، تعمیر کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

حکومتِ پاکستان فتوے کی زد میں

اربابِ اقتدار کو اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ یہ سب اہلِ سنّت وجماعت کا مسئلہ ہے، ہمیں اس سے کیا سروکار؟ کیونکہ اس فکر کے حاملین تو حکومتِ پاکستان کے بارے میں بھی وہی رائے رکھتے ہیں جو عامۃ المسلمین سے متعلق رکھتے ہیں۔ فیصل آباد کے محمد صادق خلیل لکھتے ہیں:

"جس ملک میں مزارات کو مذہبی حیثیت دی جائے اور اُن کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے کوششیں کی جائیں، ان پر قبّے تعمیر کیے جائیں اور ان پر سالانہ عُرسوں کا انعقاد حکومت کی جانب سے کیا جائے، ان کی عظمت کو اُجاگر کیا جائے، مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جائیں۔ عرق گلاب اور خوشبودار عطریات سے اُن کو غسل دیا جائے اور نذر و نیاز کے سلسلے کو بجائے بند کرنے کے اس کو بقا عطا کیا جائے اور اللہ پاک سے لوگوں کی عقیدت کو ختم کر کے مزارات کی جانب ان کی عقیدت کو پھیرا جائے اور اللہ پاک کے

---

[1] اختر کاشمیری: آتشکدۂ ایران (ندیم بُک ہاؤس لاہور ۱۹۸۴ء) ص ۱۰۹

ساتھ بغاوت کا ثبوت پیش کیا جائے تو

ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی کہنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔"[1]

یاد رہے کہ یہ کتاب سعودی عرب کے خرچ پر چھاپ کر پاکستان میں مفت تقسیم کی گئی ہے

یہ سب آلِ شیخ کا کیا دھرا ہے

سعودی عرب میں ملکی زمامِ اقتدار آلِ سعود اور مذہبی قیادت آلِ شیخ کے ہاتھ میں ہے یہ فرقہ وارانہ لٹریچر اور پروپیگنڈا سب آلِ شیخ کی کوششوں سے ہے۔ حکومتِ پاکستان فرقہ وارانہ انتشار کے حق میں نہیں ہے تو اسے حکومت سعودیہ سے براہِ راست اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہیئے کہ منافرت انگیز لٹریچر کی پاکستان میں تقسیم پر پابندی عائد کی جائے اور ملک کے داخلی امن عامہ کو تباہ کرنے کے اسباب مہیا نہ کیے جائیں۔

اس جگہ اس امر کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ جب نجدی علماء عامۃ المسلمین کو بے دریغ کافر و مشرک قرار دیں گے، تو اس کے جواب میں انہیں دوستی اور اخوت و محبت کی ہرگز توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ جواباً جتنا بھی سخت سے سخت لب و لہجہ اختیار کیا جائے، وہ جائز اور روا ہوگا۔ وہ اگر اپنے دلوں میں وسعت پیدا کریں اور تنگ نظری کا راستہ چھوڑ دیں تو عامۃ المسلمین کو اپنے سے زیادہ وسیع القلب پائیں گے

شرک کا ہوّا کیوں؟

نجدی اور اہل حدیث علماء کو ہر وقت شرک کی فکر سوار رہتی ہے۔ بات بات پر دُنیا بھر کے مسلمانوں کو بلا تردّد، مشرک اور شرکِ اکبر میں مبتلا قرار دے دیتے ہیں، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے،

---

[1] محمد صادق خلیل، فیصل آباد: مسلکِ محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۶

(قریب قیامت، حالت اس سے البتہ مختلف ہوگی)

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے لیے دُعا فرمائی، اس کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے، انداز ایسا تھا گویا زندوں اور مُردوں کو الوداع فرما رہے ہوں، دورانِ خُطبہ فرمایا:

اِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا وَتَقْتَتِلُوْا فَتَھْلِکُوْا کَمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ[1]

"مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، البتہ مجھے خوف ہے کہ تم دنیا میں دلچسپی لو گے اور مرنے مارنے پر تُل جاؤ گے، تو تم ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے ہلاک ہو گئے۔"

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوتِ خَفیّہ کا خطرہ ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) کیا آپ کے بعد آپ کی اُمت شرک کرے گی؟

فرمایا: ہاں!

اما انھم لا یعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثناء ولکن یراءون باعمالھم[2]

"یہ لوگ چاند، سورج یا کسی پتھر اور بُت کی عبادت نہیں کریں گے، بلکہ اپنے اعمال کی نمائش کریں گے۔"

دیکھا آپ نے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس صراحت کے ساتھ فرما دیا کہ میری اُمت بُت پرستی نہیں کرے گی، اس کے شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن

---

[1] مسلم بن الحجاج القشیری، امام: مسلم شریف عربی (رشیدیہ، دہلی) ج ۲، ص ۲۵۰

[2] ولی الدین، امام شیخ: مشکوٰۃ شریف، باب الریا والسمعۃ ص ۴۵۵-۶

نجدیوں وہابیوں پر شرک کا بھوت اس طرح سوار ہے کہ ہر طرف شرک ہی شرک دکھائی دیتا ہے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دُنیا اور مال و زر کے خطرے کی واضح نشان دہی فرمائی ہے، لیکن اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔

اسی طرح ایران، عراق جنگ میں محض دنیا کی خاطر اربوں، کھربوں روپے ضائع کیے جا چکے ہیں۔ امریکہ، رُوس اور دیگر ممالک کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کو بہترین مارکیٹ مل چکی ہے۔ کئی سال سے فریقین کا خون بہا کر غیر مسلموں کے خزانے بھرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔[1]

عطیۃ محمد سالم کہتے ہیں :

> "میں بریلوی جماعت کو اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی ابتدا کی طرف لوٹ جائے اور اپنے مذہب اور اپنے امام (ابو حنیفہ) رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقیدے اور خاص طور پر اُن کی کتاب "الفقہ الاکبر" پر از سرِ نو نظر ڈالیں۔ کتاب، سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اُمّتِ مُسلمہ کے سلف صالحین کی سیرت میں غور کرے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی بصیرتوں کو روشن فرما دے"[2]

آئندہ ابواب میں ان شاء اللہ العزیز اہل سنّت و جماعت کے عقائد اور معمولات، کتاب، و سنّت اور سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں پیش کیے جائیں گے۔ کسی کو قائل کر دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ دلوں کی دُنیا کو ہدایت آشنا کرنا، ربِ کریم جلّ مجدہٗ کا کام ہے۔

وھو ولی التوفیق والھدایۃ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین۔

---

[1] رپورٹ عبداللہ طارق سہیل روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۳ رجون ۱۹۸۴ء

[2] عطیۃ محمد سالم : تقدیم البریلویۃ ص ٦

امام احمد رضا بریلوی

مفکرِ اسلام — امامِ اہلِ سنت

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی ۱۰؍شوال المکرم، ۱۴؍جون ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کو بریلی (یوپی۔ بھارت) میں پیدا ہوئے[1] والد ماجد مولانا شاہ نقی علی خاں اور جد امجد مولانا رضا علی خاں اپنے دَور کے اکابر علماء اہل سنّت اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔

حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی محبّت و اطاعت آپ کی رگ و پے میں رچی بسی تھی۔ اپنے تو اپنے بیگانے بھی برملا اقرار کرتے ہیں کہ وہ واقعی عاشقِ رسول تھے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ آپ کی تصانیف اور نعتیہ کلام نے لاکھوں دلوں کو عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلاوت سے آشنا کر دیا۔

امام احمد رضا اکثر و بیشتر اپنے نام کے ساتھ عبد المصطفےٰ کا سابقہ نام استعمال کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ اس کے جواز اور عدم جواز میں کلام کرتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں شرعی حکم معلوم کیا جائے۔

عبد المصطفےٰ

لفظِ عبد دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: (۱) عابد (۲) غلام اور خادم۔ پہلے معنی

---

[1] محمد مسعود احمد، پروفیسر: حیات مولانا احمد رضا خاں (اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ) ص ۹۲

کے اعتبار سے اس کی اضافت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی۔ اپنے آپ کو اس کے ماسوا کا عبد کہنا شرک ہوگا، لیکن دوسرے معنی کے اعتبار سے محبوبانِ خدا کی نسبت سے اپنے آپ کو عبد کہنا قطعاً شرک نہیں ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ[1]۔

"اور نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔"

اس جگہ غلاموں کے لیے عباد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط[2]

"تم فرماؤ! اے میرے وہ بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔"

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصل بحق ہیں، عباد اللہ کو عباد رسول کہہ سکتے ہیں، جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسهم مرجعِ ضمیر متکلم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔"[3]

---

[1] القرآن، النور ۲۴ الآیۃ ۳۲

[2] القرآن، الزمر ۳۹ الآیۃ ۵۳

[3] امداد اللہ مہاجر مکی، حاجی، شمائم امدادیہ (قومی پریس لکھنؤ) ص ۱۳۵

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"قرینہ بھی انہیں معنی کا ہے، آگے فرماتا ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا، فرماتا من رَّحْمَتِیْ تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔"[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف نکلے، اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ غنیمت میں سونا چاندی تو نہیں ملا، البتہ سازوسامان اور طعام دستیاب ہوا، واپسی پر ایک جگہ قیام فرمایا اس اثنا میں:

قام عبد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یحلُّ رَحْلَہٗ[2]

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام سازوسامان کھولنے لگا۔"

اس حدیث میں صراحۃً عبد کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وقد ذہب الجمہور الیٰ انہ یجوز للسید ان یکرہ عبدہ وامتہ علی النکاح۔[3]

"جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ آقا اپنے غلام اور کنیز کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے۔"

اس جگہ عبد، غلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور فقہ کی کتابوں میں استعمال بکثرت ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی کا نام عبدالنبی یا عبدالرسول رکھنا شرک نہیں ہے۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی لکھتا ہے:

"کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنبی رکھتا ہے . . . . کوئی غلام محی الدین کوئی غلام معین الدین . . . . . . اور دعویٰ اسلمانی کیے جاتے ہیں۔

---

[1] امداد اللہ مہاجر مکی، حاجی: شمائم امدادیہ ص ۱۳۶

[2] مسلم بن الحجاج القشیری: مُسلم شریف (نور محمد کراچی) ج ۱، ص ۷۴

[3] محمد بن علی الشوکانی تفسیر فتح القدیر (دارالمعرفۃ، بیروت) ج ۴، ص ۲۹

سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ!"[1]

امام احمد رضا بریلوی نے اس قسم کے فتووں کا نہ صرف تحریری رد کیا، بلکہ اپنے نام کے ساتھ "عبد المصطفےٰ" کا اضافہ فرمایا؛

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں:

"ان کا نام محمد رکھا گیا، والدہ نے امّن میاں، والد نے احمد میاں اور دادا نے احمد رضا نام رکھا، لیکن وہ ان میں سے کسی نام پر راضی نہ ہوئے اور اپنا نام عبد المصطفےٰ رکھا اور اسے بالالتزام استعمال کرتے تھے" (ترجمہ)[2]

حالانکہ یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ امام احمد رضا بریلوی کسی نام پر بھی راضی نہ ہوئے کیونکہ انہوں نے ہمیشہ دستخط کرتے ہوئے اپنا نام احمد رضا ہی لکھا ہے اور اکثر اس نام کی ابتدا میں عبد المصطفےٰ کا اضافہ کیا ہے تاکہ نام سے پہلے ہی غلامیٔ مصطفےٰ کا پتہ چل جائے۔ یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا کہ والد ماجد نے جدامجد کا اور والدۂ ماجدہ نے والد ماجد کا تجویز کیا ہوا نام پسند نہ کیا اور اپنی طرف سے ایک نام رکھ دیا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ سرپرست اپنی اپنی پسند کا نام تجویز کر دیتے ہیں، یہ بھی اظہارِ محبت کا ایک انداز ہوتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

ظہیر صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ان کا رنگ انتہائی سیاہ تھا اور ان کے مخالفین ہمیشہ چہرے کی سیاہی کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس کا اقرار ان کے بھتیجے نے بھی کیا ہے" (ترجمہ)[3]

---

[1] شاہ اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ٥-٦

[2] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ ص ١٣

[3] ایضاً " ص ١٤

مولانا حسنین رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں ؛

"ابتدائی عمر میں آپ کا رنگ چمکدار گندمی تھا۔ ابتدا سے وصال تک مسلسل محنت ہائے شاقہ نے رنگ کی آب و تاب ختم کر دی تھی۔"[1]

دن رات کی محنت سے وہ چمک نہیں رہتی جو ابتدا میں ہوتی ہے، لیکن یہ کہاں لکھا ہے کہ ان کا رنگ انتہائی سیاہ تھا؛ جہاں تک مخالفین کا تعلق ہے، تو ان کی مخالفت ہی خوبصورت کو بدصورت دکھانے کے لیے کافی ہے۔

حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ؛

دید بوجہلے محمد را و گفت
زشت روئے در بنی ہاشم شگفت

کیا ابوجہل کا قول بھی بہ طور حجت پیش کیا جا سکتا ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری لاہور اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں ؛

"منبر پر ان کے بیٹھنے اور ان کے حلیۂ مبارک کا منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ حضرت والا بلند قامت، خوبرو اور سرخ و سفید رنگ کے مالک تھے۔ ڈاڑھی اس وقت سفید ہو چکی تھی، مگر نہایت خوبصورت تھی۔"[2]

مشہور ادیب اور نقاد نیاز فتح پوری نے آپ کو دیکھا تھا، وہ لکھتے ہیں ؛

"ان کا نورِ علم ان کے چہرے بشرے سے ہویدا تھا، فروتنی، خاکساری کے باوجود

---

[1] نسیم بستوی ؛ اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۲۰

[2] عابد احمد علی، ڈاکٹر ؛ مقالاتِ یوم رضا (رضا اکیڈمی، لاہور) حصہ ۳، ص ۱۷

اُن کے رُوئے زیبا سے حیرت انگیز حد تک رعب ظاہر ہوتا تھا۔"[1]

ص ۱۴ پر لکھا:

"اُنہیں ہمیشہ شدید دردِ سر اور بخار رہتا تھا۔"

یہ ہمیشہ اور شدید کی قید کہاں سے آگئی؟ ملفوظات میں صرف اس قدر ہے:

"الحمدللہ! کہ مجھے اکثر حرارت، دردِ سر رہتا ہے۔"[2]

ص ۱۴ پر یہ بھی لکھا:

"اُن کی داہنی آنکھ پانی اُتر آنے سے بے نور ہو گئی تھی۔"

حقیقتاً یہ بالکل واقع کے خلاف ہے، ہوا یہ کہ ۱۳۰۰ھ میں مسلسل ایک مہینہ باریک خط کی کتابیں دیکھتے رہے۔ گرمی کی شدت کے پیش نظر ایک دن غسل کیا:

"سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دہنی آنکھ میں اُتر آئی، بائیں آنکھ بند کر کے دہنی سے دیکھا تو وسطِ شے مرئی میں ایک سیاہ حلقہ نظر آیا۔"[3]

مولانا سید اشفاق حسین سہسوانی نے آنکھ کا معائنہ کر کے کہا کہ بیس سال بعد پانی اُتر آئے گا۔ پھر ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب نے رائے دی کہ چار سال بعد پانی اتر آئے گا۔ پہلے طبیب کے مطابق ان کا حساب بالکل درست تھا۔ امام احمد رضا بریلوی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی دعا رمدِ چشم کے مریض کو دیکھ کر پڑھ چکے تھے، وہ دُعا یہ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔

---

[1] محمد مسعود احمد، پروفیسر: افتتاحیہ خیابانِ رضا (عظیم پبلی کیشنز، لاہور) ص ۱۷

[2] محمد مصطفیٰ رضا خاں، مفتی اعظم: ملفوظات (حامد اینڈ کمپنی، لاہور) ص ۶۴

[3] ایضاً: " " " ص ۲۰

امام احمد رضا خاں بریلوی کا یقین محکم دیکھئے، فرماتے ہیں:

"محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے متزلزل ہوتا۔ الحمد للہ! کہ بیس درکنار، تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرّہ بھر بھی نہیں بڑھا، نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے، نہ میں نے کتاب بینی میں کمی کی، نہ ان شاء اللہ تعالیٰ کمی کروں۔" [1]

لیکن مخالف لوگوں نے سینہ زوری سے لکھ دیا:

"وانطفئت لنزول الماء فیھا۔"

خدا نہ کرے اگر کسی کو واقعی ایسا عارضہ لاحق ہو جائے، تو کیا اس بناء پر اس کے علم و فضل پر طعن کیا جا سکتا ہے؟

"مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر عبدالعزیز بن باز نابینا ہیں — ریاض ہائی کورٹ کے چیف جج محمد ابراہیم اور مسجد نبوی کے ایک خطیب بھی نابینا ہیں۔" [2]

ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟

قوّتِ حافظہ

"امام احمد رضا بریلوی کی زیارت کرنے والے جانتے ہیں کہ ان کا حافظہ غضب کا تھا، ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا ان کی یادداشت اور قوّتِ استحضار پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، انہوں نے ایک ماہ میں قرآن پاک یاد کیا۔" [3]

---

[1] محمد مصطفٰے رضا خاں، مولانا: ملفوظات ص ۲۱

[2] منظور احمد شاہ، مولانا: حضور الحرمین (مکتبہ فریدیہ، ساہیوال) ص ۶۳

[3] نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ لاہور) ص ۲-۱۰۱

ایک دن اور رات میں "تنقیح الفتاوی الحامدیہ" کی دو جلدیں دیکھ کر مولانا وصی احمد محدث سورتی کو واپس کر دیں اور جب انہوں نے فرمایا کہ ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیں — امام احمد رضا نے فرمایا:

> "اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینے تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی، فتویٰ لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کے لیے محفوظ ہوگیا۔"[1]

۱۳۲۳ھ میں دوبارہ حج و زیارت کے لیے گئے تو مکہ معظمہ میں مسئلہ علم غیب میں عظیم و جلیل کتاب "الدولۃ المکیۃ" مجموعی طور پر آٹھ گھنٹوں میں لکھوا دی[2]، باوجودیکہ آپ کے پاس کتابیں موجود نہ تھیں اور مدینہ طیبہ حاضری کی جلدی تھی[3]۔ مزید برآں بخار کی حالت میں آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ ائمہ سے اپنے موقف کو ثابت کیا اور بڑی عمدگی سے ثابت کیا۔

ان کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ مبدأ فیاض نے انہیں حیرت انگیز حافظہ اور قوتِ استحضار سے نوازا تھا۔

لیکن دیانت کے بجائے محض مخالفت کی عینک سے دیکھا جائے تو اس قسم کا تاثر ابھرتا ہے:

> "وہ غائب دماغ تھے، یادداشت کمزور اور نسیان غالب تھا۔ ایک دفعہ عینک اونچی کر کے ماتھے پر رکھ لی، گفتگو کے بعد تلاش کرنے لگے، کچھ دیر بعد ہاتھ چہرے پر پھیرا تو عینک مل گئی۔"[4]

---

[1] نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۸۲

[2] احمد رضا البریلوی امام: الدولۃ المکیہ (مکتبہ ایشیق، ترکی) ص ۱۵۱

[3] ایضاً: " " " ص ۹

[4] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ ص ۱۴

واقعہ یہ ہے کہ جب انسان کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کی توجہ آس پاس کی کسی چیزوں کی طرف نہیں ہوتی۔ امام مسلم (صاحبِ صحیح مسلم) ایک حدیث کے تلاش کرنے میں اس قدر منہمک ہوئے کہ پاس رکھی ہوئی کھجوروں کی بڑی مقدار تناول فرما گئے اور یہی حادثہ ان کے وصال کا سبب بن گیا۔ عینک کی طرف توجہ نہ ہونے کو غلبۂ نسیان کی دلیل بنانا اور تحقیق مسائل کے دوران صرف سالن کھا لینے اور روٹی کی طرف نظر نہ جانے سے آنکھ کے بے نور ہونے پر استدلال، کسی طرح بھی معقول نہیں ہے۔

قوّتِ ایمان

حدیث شریف میں سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا، اُس بلا سے محفوظ رہے گا، وہ دُعا یہ ہے:

الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاك به وفضلنی علیٰ كثیرٍ ممّن خلق تفضیلا۔

امام احمد رضا بریلوی، طاعون کے کئی بیماروں کو دیکھ کر یہ دُعا پڑھ چکے تھے اور انہیں یقین تھا کہ یہ مرض مجھے لاحق نہ ہوگا۔

ایک دعوت میں گائے کے گوشت کے کباب تیار کیے گئے تھے۔ گائے کا گوشت آپ کی طبیعت کے لیے سخت مضر تھا، لیکن ازراہِ اخلاق صاحب خانہ سے کوئی اور چیز طلب نہ کی، وہی کباب کھا لیے۔ اسی دن مسوڑھوں میں ورم ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ بات چیت بند ہو گئی۔ کان کے پیچھے گلٹیاں نمودار ہو گئیں۔ ساتھ ہی تیز بخار آگیا، ان دنوں بریلی شریف میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ طبیب کو بلایا اُس نے کہا یہ وہی ہے۔ امام احمد رضا مطمئن تھے کہ طاعون نہیں ہے۔ رات کے آخری حصے میں بے چینی بڑھی، تو دُعا کی:

اَللّٰھُمَّ صَدِّقِ الْحَبِیْبَ وَکَذِّبِ الطَّبِیْبَ۔

"اے اللہ! اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات سچی کر دکھا اور طبیب کی بات جھوٹی بنا دے۔"

اتنے میں کسی نے دائیں کان کے قریب منہ کر کے کہا کالی مرچ اور مسواک استعمال کرو۔ ان دونوں چیزوں کا استعمال کرنا تھا کہ کلی بھر خون آیا اور طبیعت بحال ہو گئی اور طبیب کو پیغام بھجوا دیا کہ آپ کا وہ طاعون دفع ہو گیا۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"میں خوب جانتا تھا کہ یہ (طبیب) غلط کہہ رہا ہے، نہ مجھے طاعون ہے نہ ان شاء اللہ العزیز کبھی ہوگا، اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی ہے۔"[1]

اس کے برعکس مخالف کا قلم یہ کہتا ہے:

"وہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور خون کی قے کی۔"[2]

خود انصاف کیجیے کہ اس بیان کا حقیقت سے ذرہ بھر بھی تعلق ہے؟

غیرتِ عشق

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار ہونا ایک عالم کے نزدیک مسلّم ہے اور محبت وہ نازک اور لطیف جذبہ ہے جو محبوب کی شان میں کسی توہین اور بے ادبی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ امام احمد رضا کی وصیت کے الفاظ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

"جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا

---

[1] محمد مصطفٰے رضا خاں، مفتی اعظم: ملفوظات (حامد اینڈ کمپنی، لاہور) ص ۲۰ - ۱۹

[2] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ، ص ۱۵

کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ ـــــ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دُودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔" [1]

پروفیسر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا کے اس انداز پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ مخالفین کی قابلِ اعتراض تحریرات پر فاضل بریلوی نے سخت تنقید فرمائی ہے اور بسا اوقات لہجہ بھی نہایت درشت ہے، لیکن کسی مقام پر تہذیب و شائستگی سے گرا ہوا نہیں ہے۔ وہ ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں شمشیر بکف نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے مخالفین، ناموسِ اسلاف کی حفاظت میں تیغِ بُرّاں لیے نظر آتے ہیں، دونوں کے طرزِ عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔" [2]

پروفیسر صاحب، امام احمد رضا کے اس وصف کو تعریف و تحسین کے انداز میں پیش کر رہے ہیں، لیکن مخالف اپنے جگر کی ٹھنڈک کے لیے تحریف کر کے اسی وصف کو مذموم انداز میں پیش کرتا ہے، ملاحظہ ہو:

سریع الانفعال، شدید الغضب، طویل اللسان [3]

"وہ جلد منفعل ہو جاتے، سخت غضب ناک اور زبان دراز تھے۔"

ہمیں تسلیم کہ امام احمد رضا بہت غیّور تھے، لیکن کس لیے؟ خدا اور رسول کے بے ادب اور گستاخ کے لیے، جبکہ اہلِ ایمان و محبت کے لیے سراپا لطف و کرم تھے، بقولِ اقبال:

---

[1] حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف (مکتبہ اشرفیہ، مریدکے)، ص ۱۹

[2] محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (مرکزی مجلس رضا، لاہور) ص ۲۰۰-۱۹۹

[3] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ ص ۱۵

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو شمشیر ہے مومن

لیکن یہ "سریع الانفعال، طویل اللسان" کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ یہ تو سراسر ایجادِ بندہ ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے پاس سے یہ بھی اضافہ کر دیا۔

لعانا، سبابا، فاحشا [1]

"کثرت سے لعنت بھیجتے، گالیاں دیتے اور فحش گوئی کرتے تھے۔"

یہ ہے خالص تحریف اور تلبیس، یہ عبارت نہ ماقبل سے متعلق ہے اور نہ مابعد سے، درمیان میں اپنے پاس سے یہ الفاظ بڑھا دیئے اور تاثر یہ دینے کی کوشش کی کہ باحوالہ بات کی جا رہی ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ یہ انداز دین اور دیانت کے سراسر خلاف ہے۔

حزم واحتیاط

امام احمد رضا بریلوی کی شانِ افتاء اور فقہی جزئیات پر عبور کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں؛ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں؛

یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہ یشھد بذالک مجموع فتاواہ وکتابہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم [2]

"فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر عبور رکھنے میں ان کے زمانے میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، اس پر ان کا فتاوٰی اور ان کی تصنیف "کفل الفقیہ" شاہد ہے۔"

---

[1] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ۔ ص ۱۵

[2] عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۴۱

مسئلۂ تکفیر میں امام احمد رضا بریلوی کی احتیاط کے بارے میں قاضی عبدالنبی کوکب لکھتے ہیں:-

"مقالاتِ یومِ رضا کی تقدیم میں امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے فتوائے تکفیر کی حیثیت اور اہمیت اور اس فتویٰ میں ان کی شرعی احتیاط اور احساسِ ذمہ داری کے بارے میں، میں نے کس انداز میں بحث کی ہے؟ تقدیم مذکور کے ص ۱۲ پر میں نے صاف طور پر یہ کہا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جن دیوبندی عبارات پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، وہ مفتیٔ شرع کے نزدیک واقعی اور حتمی طور پر کفریہ تھیں، جن میں کسی تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔

میرے الفاظ یہ ہیں:

مولانا احمد رضا کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا، یعنی ان کے نزدیک عبارات زیرِ بحث یقیناً کفریہ عبارات تھیں اور کفریہ بھی ایسی کہ جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں پا سکتے تھے۔

اس کے بعد میں نے اسی تقدیم کے ص ۱۲ پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بارے میں بتایا ہے کہ مسئلہ تکفیر میں وہ از حد محتاط اور احساس ذمہ داری سے معمور تھے اور یہاں اعلیٰ حضرت کی عباراتِ سبحان السبوح نقل کرتے ہوئے ان کا اپنا مؤقف دکھایا ہے کہ کفر کا حکم صرف اسی وقت لگایا جاتا ہے۔ جب کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی حکمِ اسلام کا باقی نہ رہے۔

نیز اپنی کتاب مقالات یومِ رضا کے ص ۱۵ پر اس بندۂ قاصر نے اعلیٰ حضرت کے فتوائے تکفیر کے بارے میں پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ انہوں نے یہ فتویٰ کامل نیک نفسی اور دیانتِ شرعیہ سے لگایا کہ وہ بالیقین عباراتِ دیوبندیہ کو ہرگز قابلِ تاویل تصور نہیں فرماتے تھے، میرے الفاظ صفحہ مذکورہ پر حسبِ ذیل ہیں:

"مولانا احمد رضا (اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز) نے جن عبارات پر کفر کا فتویٰ لگایا، وہ یقیناً نیک نفسی اور شرعی دیانت سے لگایا تھا اور یہ کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ عبارات قابلِ تاویل ہرگز نہ تھیں۔"

(مقالاتِ یومِ رضا ص ۱۵)

قارئین نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ میں نے مقالاتِ یومِ رضا کی تقدیم میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کو بحیثیت مفتیٔ شرحِ مبین، کس قدر محتاط اور حقیقت پسند ان کے فتاویٰ مبارکہ کو قاطبۃً (تمام کے تمام) مبنی بر اصول افتاء قرار دیا ہے۔[1]

لیکن مخالفانہ ذہنیت یہ تاثر دیتی ہے:

"اُن (امام احمد رضا) کے محب اور ان کے معتقدات وافکار کے معاون (کوکب) یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ مخالفین پر بہت سخت اور شدید تھے اور اس بارے میں شرعی احتیاط نہیں رکھتے۔[2]

یہی بات گکھڑ کے مولوی سرفراز نے اپنی کتاب عباراتِ اکابر میں لکھی تھی، جس کے جواب میں قاضی عبدالنبی کوکب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیان جاری کیا، جس کا طویل اقتباس اس سے پہلے پیش کیا جاچکا ہے، اس بیان میں قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"کچھ عرصہ ہوا مجھے ایک دیوبندی مؤلف کی کتاب دکھائی گئی اور نشان دہی کی گئی کہ اس کے صفحات ۳۹ تا ۴۱ پر آپ (مضمون نگار، کوکب) کی طرف یہ نظریہ منسوب کیا گیا ہے کہ آپ اعلیٰحضرت کے فتاوائے تکفیرِ دیوبند کو برحق نہیں سمجھتے بلکہ اس فتویٰ کو مبنی بر جذباتیت قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس فتویٰ میں شرعی حدود اور افتاء کے تقاضوں کو نظر انداز کردیا گیا ہے۔ میں نے فوری طور پر

---

[1] قاضی عبدالنبی کوکب: ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ (جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ) ص ۱۱-۹

[2] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (بحوالہ مقالاتِ یومِ رضا للکوکب، ص ۲۰) ص ۱۵

اس افترا سے اظہارِ برأت کیا اور اس پر لَعنَۃُ اللہِ عَلَی الکَاذِبِین پڑھنا ضروری سمجھا"۔ ۱؎

قاضی صاحب کے اس بیان کے بعد مخالف کے الزامی حوالہ جات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ ص ۱۵ پر لکھا:

"ان کی شدت کے سبب ان کے مخلص ترین لوگ الگ ہوگئے، مثلاً شیخ محمد یٰسین ناظم مدرسہ اشاعت العلوم۔"

یہ بات حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھی گئی ہے، حالانکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ "مولوی محمد یٰسین صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور اشاعت العلوم، بریلی کے بانی تھے۔ ایک زمانہ تک خاموشی سے درس و تدریس میں مصروف رہے۔ امام احمد رضا بریلوی کو اپنے استاد کے مرتبہ میں سمجھتے تھے، کیونکہ وہ اعلیٰ حضرت کے دوست مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کے تمام فارغ ہونے والوں کو جمع کرکے ان کی دستاربندی کی گئی، تو ان کا رجحان دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف ہوگیا۔" واقعہ صرف اتنا ہے باقی خود ساختہ داستان ہے کہ وہ امام احمد رضا بریلوی کی شدت کے سبب ان سے الگ ہوگئے تھے۔

ص ۱۶-۱۵ پر حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں کے والد کا قائم کردہ مدرسہ مصباح التہذیب اُن کی شدت کے سبب اُن سے جُدا ہوگیا اور عین اُن کے گھر میں بریلویوں کے لیے کوئی مدرسہ نہ رہ گیا۔" (ترجمہ)

حالانکہ مولانا ظفر الدین بہاری تحریر فرماتے ہیں:

"بریلی میں ۱۲۸۹ھ میں اعلیٰ حضرت کے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کا تاریخی نام مصباح التہذیب (۱۲۸۹ھ) رکھا تھا، دستبرد

۱؎ عبدالنبی کوکب، قاضی، "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ (جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ) ص ۹

> زمانہ سے آہستہ آہستہ تنزل کرتا دوسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
> اہلِ سنت کے لیے سوا بارگاہِ رضوی کے دوسری جگہ تعلیم کی نہ تھی ۔ [1]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مدرسہ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب دوسروں کے ہاتھوں چلا گیا ۔ امام احمد رضا بریلوی کی شدت کا اس میں دخل نہ تھا ۔ نیز یہ کہ بارگاہِ رضوی میں اہلِ سنت کی تعلیم کا انتظام تھا، لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ خود ان کے گھر میں کوئی مدرسہ نہ رہ گیا ۔

عبقریت

بعض افراد پیدائشی طور پر جینئس ہوتے ہیں، قدرتِ کاملہ انہیں حیرت انگیز صلاحیتیں عطا فرما کر دنیا میں بھیجتی ہے ۔ بڑے بڑے عقلا ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں ۔ امام احمد رضا بریلوی بھی ایسے ہی عبقری تھے، ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

استاذ نے جب ابتدائی قاعدہ شروع کروایا، تو الف باء تاء پڑھاتے ہوئے جب لام الف (لا) پر پہنچے تو نو عمر صاحبزادے خاموش ہو گئے ۔ اُستاذ نے جب کہا پڑھو لام الف، تو عرض کیا یہ دونوں تو پہلے ہی پڑھ لیے، دوبارہ کیوں ؟ آپ کے جدّ امجد حضرت مولانا رضا علی خاں پاس ہی تشریف فرما تھے ۔ انہوں نے فرمایا: سب سے پہلے جو الف پڑھا گیا ہے، وہ دراصل ہمزہ ہے، الف چونکہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن کے ساتھ ابتدا مشکل ہوتی ہے، اس لیے اس کی ابتداء میں لام ملا کر پڑھا جاتا ہے تاکہ الف، حالتِ سکون میں پڑھا جا سکے ۔ اس پر ذہین صاحبزادے نے عرض کیا کہ پھر لام ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ باء، تاء وغیرہ کوئی اور حرف ملا کر بھی پڑھ سکتے تھے ۔ جدِ امجد نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، دعائیں دیں اور فرمایا:

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت (مکتبہ رضویہ، کراچی) ج ۱، ص ۲۱۱

"لام اور الف میں سورۃً خاص مناسبت ہے اور ظاہرًا لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک ہی ہے لا یا لا اور سیرۃً اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف اور الف کا قلب لام، یعنی یہ اس کے بیچ میں اور وہ اس کے بیچ میں۔[1]

احسان الٰہی ظہیر اس باریک نکتے کو نہیں سمجھے اور تعجب سے پوچھتے ہیں:

"ان عجمیوں سے کوئی پوچھے کہ الف اور لام میں صورۃً اور سیرۃً کونسا اتفاق ہے، جسے تین چار سال کے بچّے نے سمجھ لیا اور جسے لسانیات کے معلّم اور ماہر نہیں سمجھ سکے؟"[2] (ترجمہ)

حالانکہ بات ظاہر ہے کہ لام اور الف میں صورۃً مناسبت یہ ہے کہ دونوں کو ملا کر اس طرح لکھا جاتا ہے لا اسے اگر الٹ لکھیں تو بھی لا ہی لکھا جائے گا، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ لام بصورتِ الف اور الف بصورتِ لام لکھا گیا ہے اور سیرۃً مناسبت یہ ہے کہ ل حرف ہے اور اس کا اسم لام (ل ا م) ہے جس کے درمیان الف آیا ہوا ہے اور حروف تہجی کا پہلا حرف ا ہے، اس کا اسم الف (ا ل ف) ہے، اس کے درمیان لام آیا ہوا ہے، چونکہ ان کے درمیان صورۃً و سیرۃً مناسبت ہے، لہٰذا جب الف کو کسی حرف کے ساتھ ملا کر لکھنے کا ارادہ کیا گیا، تو لام کو الف کے ساتھ ملا کر لکھا گیا۔ لا یہ وہ باریک نکتہ تھا جو امام احمد رضا نے بچپن میں سمجھ لیا اور نام کے ماہرین تعلیم اب بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اتباعِ سُنّت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی حیاتِ طیبہ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں

---

[1] نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۲۷-۲۶

[2] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ، ص ۱۷

کہ انہیں اتباعِ سنّت سے کس قدر شغف تھا، ان کے ایک ایک فعل کو میزانِ سنّت میں تولا جا سکتا تھا، انہیں اکثر طور پر دردِ سر اور بخار کا عارضہ رہتا تھا، اگرچہ یہ غیر اختیاری اور تکلیف دہ امر تھا، لیکن انہوں نے اس میں بھی اتباعِ سُنّت کا پہلو ڈھونڈھ نکالا، فرماتے ہیں:

> "دردِ سر اور بخار وہ مبارک امراض ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو ہوتے تھے، ایک ولی کے دردِ سر ہوا تو آپ نے اس شکر میں تمام رات نوافل میں گزار دی کہ ربّ العزت نے مجھے وہ مرض دیا جو انبیاء علیہم السلام کو ہوتا تھا۔ ہر ایک مرض یا تکلیف جسم کے جس موضع پر ہوتی ہے، وہ زیادہ کفارہ اسی موقع کا ہے کہ جس کا تعلق خاص اس سے ہے، لیکن بخار وہ مرض ہے کہ تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے، جس سے باذنہٖ تعالیٰ تمام رگ رگ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ الحمد للہ کہ مجھے اکثر حرارت، دردِ سر رہتا ہے۔" [1]

نگاہِ عداوت، اتباعِ سنّت کی فضیلت کو کس انداز میں پیش کرتی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

> "وہ (امام احمد رضا) انبیاء سے کم شان پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے مریدین کو دردِ سر اور بخار کی شکایت کرتے ہوئے کہا:
>
> یہ بیماریاں مبارک ہیں اور ہمیشہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو ہوا کرتی تھیں، الحمد للہ مجھے بھی لازم ہیں، جیسے انہیں لازم تھیں۔" [2]

دیکھا آپ نے کہاں اتباعِ سُنّت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور کہاں انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ کرنا؟ پھر یہ کہ انہوں نے ان عوارض پر شکایت کہاں کی ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ ارادہ و اختیار کے بغیر سنّتِ انبیاء حاصل ہو گئی۔

---

[1] محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا: ملفوظات (حامد اینڈ کمپنی، لاہور) ص ۶۴

[2] ظہیر: البریلویۃ، ص ۱۷

ہمسری کا دعویٰ دیکھنا ہو تو "تقویۃ الایمان" کا مطالعہ کر ڈالیے، لکھتے ہیں:

"اولیاء و انبیاء و امام زادہ پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔" [1]

یہ ہے دعوائے ہمسری کہ ہمارے اور انبیاء کے درمیان اتنا ہی فرق ہے کہ وہ بڑے بھائی اور ہم چھوٹے بھائی۔ اس پر امام احمد رضا بریلوی کا تبصرہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

آں یکے گویاں محمد آدمی ست   چوں من و در وحی اُو را برتری ست
جز رسالت نیست فرقے درمیاں   من برادرِ خوردہ باشم اُو کلاں
ایں نداند از عمیٰ آں ناسزا   یا خود ست ایں ثمرۂ ختم خدا
کہ بود مر لعل را فضل و شرف   کے بود ہم سنگِ او، سنگ و خزف
واں دمے کز حلقِ مذبوحے جہد   کے بفضلِ مشک اذفر می رسد
ہے چہ گفتم ایں چنیں شبہ شنیع   کے بود شایان آں قدر رفیع
لعل چہ بود جوہرے بانُمر خیے   مُشک چہ بود خونِ نافِ وحشیے
مصطفےٰ نورِ جنابِ امر کُن   آفتابِ برُجِ علم من لدن
معدن اسرار علّام الغیوب   برزخ بحرین، امکان و وجوب [2]

- "ایک شخص کہتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میری طرح آدمی ہیں، انہیں وحی میں مجھ پر برتری حاصل ہے۔
- رسالت کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں، وہ بڑے بھائی ہوتے اور میں چھوٹا

---

[1] محمد اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۴۳،

[2] احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش (مدینہ پبلشنگ، کراچی) ج ۲، ص ۸۸

- وہ نالائق نابینائی کے سبب نہیں جانتا، یا یہ خدائی مہر کا نتیجہ ہے۔
- کہ سنگریزہ اور ٹھیکرا، فضیلت و شرافت میں لعل کا ہمسر کیسے ہو سکتا ہے؟
- وہ خون جو ذبیحہ کی شہ رگ سے نکلتا ہے، وہ مشکِ اذفر کا ہم پایہ کیسے ہو سکتا ہے؟
- ہائے افسوس! میں نے یہ نامناسب تشبیہ کیا بیان کر دی،
  یہ اس شانِ بلند کے شایانِ شان کیسے ہو سکتی ہے؟
- مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بارگاہِ الٰہی کا نور اور علمِ لُدنی کے بُرج کا آفتاب ہیں
- علّام الغیوب جل وعلا کے اسرار کی کان اور امکان و وجوب کے دریاؤں کی حد فاصل ہیں۔“

امام احمد رضا بریلوی، حروف ابجد کے لحاظ سے تاریخ نکالنے میں بے نظیر تھے، ان کی اکثر تصانیف کے نام ایسے نپے تُلے ہوتے تھے کہ وہ کتاب کے موضوع کی نشان دہی بھی کرتے اور اس کے ساتھ ہی سن تصنیف کی تعیین بھی کر دیتے تھے اور کیا مجال کہ عربی عبارت میں کوئی جھول پیدا ہو۔ انہوں نے اپنی تاریخِ پیدائش اس آیت سے استخراج کی، یعنی ابجد کے حساب سے اعداد حروف کو جمع کیا جائے تو مجموع ۱۲۷۲ھ ہوگا، یہی آپ کا سالِ ولادت ہے؛

أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔

”یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے رُوح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد فرمائی۔“

اور فرماتے ہیں،

اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں، تو خدا کی قسم، ایک پر لکھا ہوگا ”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ دوسرے پر لکھا ہوگا ”مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ“۔ اور بحمداللہ تعالیٰ

ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح و ظفر حاصل ہوئی۔ ربّ العزۃ جلّ جلالہٗ نے رُوح القدس سے تائید فرمائی۔" [۱]

اعداء کی نظر میں یہ بھی انبیاء کی ہمسری ہے، لکھا ہے:

وعلٰی ذٰلك كان يقول: ان تاريخ ولادتي يستخرج من قول الله عزّ وجلّ والّذي ينطبق عليّ۔ [۲]

"(انبیاء کی شان سے کم پر راضی نہیں ہوتے) اسی بناء پر کہتے تھے کہ میری ولادت کی تاریخ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے نکلتی ہے اور یہ فرمان مجھ پر منطبق ہے۔"

اسے کہتے ہیں سینہ زوری، دعویٰ اور دلیل میں ہے کوئی مناسبت؟ آیتِ مبارکہ سے تاریخِ ولادت کیا نکالی کہ انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ ہوگیا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

معصوم کون؟

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی نبوّت سے متعلق عقائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور مَلَک (فرشتے) کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتے کے سوا کوئی معصوم نہیں، اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی و بددینی ہے۔ عصمتِ انبیاء کے یہ معنیٰ ہیں کہ ان کے لیے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہولیا، جس کے سبب ان سے صدورِ گناہ شرعاً محال ہے، بخلاف ائمہ و اکابر اولیاء کہ اللہ عزّوجلّ انہیں محفوظ رکھتا ہے اور ان سے گناہ ہوتا نہیں۔ اگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔" [۳]

خلاصہ یہ کہ انبیاء کرام اور ملائکہ معصوم ہیں اور اولیاء کرام محفوظ — حیات اعلیٰ حضرت

---

[۱] ظفر الدّین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۱

[۲] ظہیر البریلویۃ، ص ۱۸ - ۱۷

[۳] امجد علی اعظمی، مولانا: بہارِ شریعت (مکتبہ اسلامیہ، لاہور) ج ۱، ص ۱

مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم (مطبوعہ فیصل آباد) اور انوارِ رضا میں مختلف واقعات کے ضمن میں لکھا گیا کہ امام احمد رضا بریلوی غلطی اور خطا سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے پہرے میں تھے۔ مخالفت آلود قلم نے ان کتابوں کے اقتباس نقل کیے اور حفاظت کا ترجمہ عصمت سے کر دیا اور تاثر یہ دیا کہ امام احمد رضا کے معتقدین انہیں مقامِ نبوت پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔
حیاتِ اعلیٰ حضرت کا ایک اقتباس نقل کر کے اپنے پاس سے یہ جملہ بڑھا دیا:

یعنی ان العصمة کانت حاصلة لهٗ [1]

"واقعی قلم کی آبرو سے کھیلنا اسی کو کہتے ہیں"

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ [2]

"تم میں سے کوئی کامل الایمان نہیں ہوگا، جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔"

ایک دوسری حدیث قدسی میں فرمایا کہ بندہ فرائض کے بعد نوافل ادا کرتے کرتے اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے: ولسانه الذی یتکلم به [3]
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں اس کی زبان ہوتا ہوں، جس سے وہ کلام کرتا ہے۔"
اسی بنا پر حضرت عارفِ رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

---

[1] احسان الٰہی ظہیر   البریلویة   ص ۱۸

[2] شیخ ولی الدین، امام: مشکوٰۃ شریف (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص ۳۰

[3] محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ، لاہور) ص ۱۳

محدثِ اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی، امام احمد رضا بریلوی کے متعلق فرماتے ہیں:

> در حقیقت اعلیٰ حضرت، غوث پاک کے ہاتھ میں چوں قلم در دست کاتب تھے، جس طرح غوث پاک، سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہاتھ میں چوں قلم در دستِ کاتب تھے اور کون نہیں جانتا کہ رسولِ پاک اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے جیسے قرآن کریم نے فرمایا، وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی [1]

اس عبارت کو ایک مرتبہ پھر پڑھیے، کیا اس سے سوائے اس کے کچھ اور معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی مکمّل طور پر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تابع فرمان تھے اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرامینِ نبوی کے مکمّل طور پر پیروکار — اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان تو یہ ہے: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی "آپ کی گفتگو بھی اپنی خواہش سے نہیں۔"

لیکن مخالفت کی عینک سے دیکھنے والے کو اس میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ امام احمد رضا کو اپنا ہمسرِ انبیاء بنایا جا رہا ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک۔

ملک شیر محمد اعوان (کالا باغ) نے لکھا ہے:

> "آپ نے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، وہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیاتِ خداوندی میں سے ایک محکم آیت کا درجہ رکھتا تھا۔" [2]

"یہ عبارت بھی بعض لوگوں کو کھٹکتی ہے۔" [3]

---

[1] سید محمد محدث کچھوچھوی: انوارِ رضا (شرکتِ حنفیہ، لاہور) ص ۲۷۰

[2] شیر محمد خاں اعوان، ملک: 〃 〃 〃 ص ۱۰۰

[3] ظہیر: البریلویۃ، ص 19

حالانکہ ظاہر ہے کہ آیت سے مراد قرآن پاک کی آیت تو ہے نہیں، آیت کا لغوی معنی مراد ہے۔ امام احمد رضا کی حیاتِ مبارکہ سے واقفیت رکھنے والا ہر مصنف اس بات کا اعتراف کرے گا۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"سیّد العلماء و سند الاولیاء، حجۃ اللہ علی العالمین وارث الانبیاء والمرسلین"[1]

حضرت شاہ صاحب کو حجۃ اللہ علی العالمین کہا جا سکتا ہے تو امام احمد رضا بریلوی کو آیۃٌ مِّنْ آیاتِ اللہ کیوں نہیں کہہ سکتے۔

مظہر صحابہ کرام

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیاتِ طیبہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ مکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت سے عبارت تھی۔ ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی کہ محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا کو نہ صرف محفوظ کیا جائے، بلکہ اس پر عمل بھی کیا جائے۔ نیز سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تقویٰ و طہارت اور حبِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عکسِ جمیل تھے۔

امام احمد رضا بریلوی کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے سنا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتباعِ سنت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا لطف آ گیا، یعنی اعلیٰ حضرت قبلہ

---

[1] محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی، ص ۱۶۴

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے زہد و تقویٰ کا مکمل نمونہ تھے۔"[1]

وصایا شریف کے پہلے ایڈیشن کا کاتب اہل سنّت وجماعت کا مخالف تھا۔ اُس نے یہ عبارت تبدیل کر دی اور غلط عبارت چھپ گئی۔ مرتّب وصایا مولانا حسنین رضا خان نے وضاحت کی کہ میری مصروفیت کے سبب "وصایا شریف" ویسے ہی چھپ گیا۔ پھر انہوں نے مذکورہ بالا صحیح عبارت بھی بیان کر دی کہ چونکہ میری غفلت اور بے توجہی شامل ہے، اپنی غفلت سے توبہ کرتا ہوں اور سُنّی مسلمانوں کو اعلان کرتا ہوں کہ وصایا شریف کے صفحہ ۲۴ میں اس عبارت کو کاٹ کر عبارت مذکورہ بالا لکھیں۔[2]

اس کے بعد یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔

وعلیٰ ذٰلك قال احد المحبين لاصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان زيارة البريلوى قللت اشتياقنا الى زيارة اصحاب النبى عليه السلام۔[3]

قابلِ رشک بچپن

"امام احمد رضا بریلوی کا بچپن بھی عام بچّوں سے حیرت انگیز حد تک مختلف تھا، چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید پڑھ لیا۔"[4]

"چھ سال کی عمر میں بڑے مجمع کے سامنے ماہِ ربیع الاوّل میں میلاد شریف کے موضوع پر پہلی طویل تقریر کی[5] اور تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں مروّجہ علوم سے

---

[1] یٰسین اختر مصباحی، مولانا: ضمیمہ ایمان افروز وصایا (مکتبہ اشرفیہ مریدکے) ص ۳۴

[2] ایضاً: " " " " " ص ۳۵

[3] ظہیر: البریلویۃ، ص ۱۹

[4] ڈاکٹر مختار الدین آرزو: انوارِ رضا ص ۳۵۵

[5] نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۳۰

فارغ ہوتے۔" [1]

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا،

"میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا، اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہو گی۔ ایک صاحب، اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ میں نے فصیح عربی میں ان سے گفتگو کی، اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا [1]

کرامات کو تسلیم نہ کرنے والے اس واقعہ کو حیرت بلکہ انکار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں [2] حالانکہ خود انہیں تسلیم ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علمی خاندان میں پیدا ہوئے تھے [3] پھر اس میں تعجب کی کونسی وجہ ہے کہ والد ماجد اور جدِ امجد کی توجہات کی بدولت وہ بچپن میں عربی میں گفتگو کرنے پر قادر ہوں، قائدِ اہلِ سُنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہٗ کے بچے بھی عربی میں گفتگو کرتے ہیں۔

یہ مشہور اور مسلّم ہے کہ سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل دہلوی کے پیر و مرشد مروجہ درسی علوم حاصل نہیں کر سکے تھے، اس کے باوجود انہیں کتاب و سنت کا عالم ثابت کرنے کے لیے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایک طریقہ اختیار کیا، وہ لکھتے ہیں،

> "اللہ تعالیٰ کی عادت اسی قانون پر جاری ہے کہ کتاب و سنت کے مضامین، کتبِ عربیہ اور فنون ادبیہ کے حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، لیکن بعض نفوسِ کاملہ کو خرقِ عادت (کرامت) کے طور پر ان مضامین لطیفہ پر پہلے اطلاع دے دیتے ہیں اور اسے قوم کی اصطلاح میں علمِ لدنی کہتے ہیں

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا　حیاتِ اعلیٰ حضرت　ص ۲۲

[2] ظہیر،　البریلویۃ　ص ۱۹

[3] ایضاً،　"　"　ص ۱۳

اور وہ فنونِ ادبیہ بعد میں میسّر ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات مبادی کے حاصل کرنے میں مبتدیوں کی طرح ان فنون کے اساتذہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ابتدائی علوم و فنون سے خالی رہتے ہیں۔"[1]

ملاحظہ فرمایا آپ نے، اپنے پیر و مرشد کا کمال ثابت کرنے کے لیے خرقِ عادت (کرامت) بھی تسلیم، علم لدنّی بھی مسلّم، بلکہ کتبِ عربیہ اور فنون ادبیہ سے محروم رہنے کے باوجود کتاب و سنّت کے مضامین کا حصول نہ صرف مانا جا رہا ہے، بلکہ دوسروں کو منوانے پر زورِ بیان صرف کیا جا رہا ہے۔ لیکن امام احمد رضا بریلوی کا بچپن میں عربی میں گفتگو کرنا ایسا بعید امر ہے کہ حلق سے اُترتا ہی نہیں، اس جگہ نہ کرامت تسلیم نہ علمِ لدنّی کی گنجائش!

اہل سنّت و جماعت پر بلاوجہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے امام کو انبیاء سے تشبیہ دینا چاہتے ہیں، بلکہ انبیاء سے بلند مرتبہ دکھانا چاہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک ——— اور یہ کہ امام احمد رضا بریلوی، اساتذہ کی تعلیم کے محتاج نہ تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدائش کے وقت ہی علم عطا فرما دیا تھا ——— پھر طنزیہ انداز میں کہتے ہیں: "یا پھر ولادت سے پہلے ہی علم دے دیا تھا۔"[2]

حالانکہ اہل سنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ ولی کو نبی کے برابر یا افضل ماننا کفر ہے۔

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

"ولی کتنا ہی بڑے مرتبے والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، جو کسی غیرِ نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔"[3]

باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ پیدائش کے وقت یا اس سے پہلے ہی علم عطا فرما دے،

---

[1] محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۶-۱۶۵

[2] ظہیر: البریلویۃ، ص ۱۷

[3] امجد علی اعظمی، مولانا: بہارِ شریعت (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۱، ص ۱۵

تو اس میں کونسی بات قابلِ اعتراض ہے؟ آیا یہ کہ اس وقت انسان میں قابلیت نہیں ہے؟ تو اس کے لیے سید صاحب کے بارے میں مذکورہ بالا عبارت میں نفوس کاملہ، خرقِ عادت، اور علم لدنی کے الفاظ کی یاددہانی کافی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شبہ ہے، تو خود سوچ لیجیے کہ آپ کا ٹھکانا کہاں ہے؟

نبوّت کا دعویدار کون؟

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے صراطِ مستقیم نامی کتاب سیّد صاحب کی امامت بلکہ اس سے بھی بلند مقام ثابت کرنے کے لیے لکھی تھی، اس کا انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں،

> "جو شخص ذات کا مراقبہ اس لحاظ سے کرے کہ وہ کمالاتِ نبوّت کا منشا ہے، اسے نبوّت کے ایک معنی پر فائز کردیں گے، جس کا ادنیٰ درجہ اچھی خوابیں ہیں، اسی طرح دوسرے درجے میں معنیٔ رسالت کا اس پر فیضان ہوگا اور اسے تفہیم تعظیم اور غافلوں، جاہلوں اور معاندوں سے مناظرہ کا الہام کیا جائے گا۔ تیسرے درجے میں نافرمانوں، سرکشوں کو ہلاک کرنے اور اطاعت کرنے والے مخلصین کو انعام واکرام کی ہمتِ قویہ بخشتے ہیں۔" [1]

غور فرمایا آپ نے کہ مراقبہ کے پہلے درجے میں معنیٔ نبوّت، دوسرے درجے میں معنیٔ رسالت اور تیسرے درجے معنی نعمت و ہلاکت دینے کی قوّت دی جاتی ہے، یعنی آخر میں خدائی دے دی جاتی ہے۔ "تقویۃ الایمان" کا فتویٰ ابھی سامنے رہے:

> "یعنی اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے، محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجیے۔" [2]

---

[1] محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۱۲۸

[2] ایضاً: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۱۶۳

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کو فائدہ اور نقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہی بات صراطِ مستقیم کے مطابق مراقبہ کے تیسرے درجے میں حاصل ہو جاتی ہے۔

صراطِ مستقیم کا خاتمہ پوری کتاب کا مقصد معلوم ہوتا ہے، اس کے چند اقتباسات دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھ لیجیے۔ لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ حضرت (سید احمد بریلوی) ابتداء فطرت سے طریقِ نبوت کے اجمالی کمالات پر پیدا کیئے گئے تھے۔"[1]

پھر سید صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اس بیعت کے اثرات شاہ اسمٰعیل دہلوی کی زبانی سنیے:

"حصولِ بیعت اور حضرت شاہ صاحب کی توجہات کی برکت سے بڑے وقیع معاملات ظاہر ہوئے۔ ان عجیب واقعات کے سبب سے وہ کمالاتِ طریقِ نبوت جو ابتداء فطرت میں اجمالاً مندرج تھے، تفصیل اور شرح کو پہنچ گئے۔"[2]

اس کے بعد ایک خواب بیان کرتے ہیں:

"ایک دن ولایت مآب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا۔ جناب علی مرتضیٰ نے حضرت سید صاحب کو اپنے دستِ مبارک سے غسل دیا اور ان کے بدن کو خوب اچھی طرح دھویا، جیسے باپ اپنے بیٹوں کو غسل دیتے ہیں اور جناب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نے بہت قیمتی لباس اپنے دستِ مبارک سے انہیں پہنایا۔"[3]

---

[1] محمد اسماعیل دہلوی، صراطِ مستقیم، فارسی، ص ۱۶۳

[2] ایضاً: " " " ص ۱۶۴

[3] ایضاً: " " " ص ۱۶۴

اس وقت دہلوی صاحب کو نہ تو یاد رہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بعد از وصال تصرّف ثابت کیا جا رہا ہے اور نہ ہی حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے ادبی کا احساس رہا، کیونکہ وہ تو سیّد صاحب کے لیے کمالاتِ راہ نبوّت کی راہ کھولنے میں مصروف تھے۔

آخر میں ٹیپ کا بند بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

پس بسبب ہمیں واقعہ کمالات طریق نبوّت، نہایت جلوہ گر گردید و اجتبائی ازلی کہ در ازل الازال مکنون بود بر منصّۂ ظہور رسید و عنایتِ رحمانی و تربیتِ یزدانی بلا واسطہ احدی مکتفل حال ایشاں شد و معاملاتِ متواترہ و وقائع متکاثرہ پی در پی بوقوع آمد اینکہ روزے حضرت جل و علا دست راست ایشاں را بدستِ قدرت خاص خود گرفتہ و چیزے را از امورِ قدسیہ کہ بس رفیع و بدیع بود پیش روئی حضرت ایشاں کردہ فرمود کہ ترا ایں چنیں دادہ ام و چیز ہائے دیگر خواہم داد۔[1]

"اسی واقعہ کے سبب کمالات طریقِ نبوّت کامل طور پر جلوہ گر ہوئے اور ازلی انتخاب کہ ازل الازال میں پوشیدہ تھا، منصّۂ ظہور پر پہنچا اور رحمانی عنایت اور یزدانی تربیت کسی کے واسطہ کے بغیر ان کے حال کی کفیل ہو گئی۔ معاملات اور واقعات تواتر اور تسلسل سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے سیّد صاحب کا ہاتھ، اپنی قدرتِ خاص کے ہاتھ میں پکڑا اور امورِ قدسیہ میں سے بلند عجیب چیز حضرت کے چہرے کے سامنے کی اور فرمایا تمہیں یہ کچھ دیا ہے اور بہت سی دوسری چیزیں بھی دوں گا۔"

مزید واشگاف انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

القصہ امثال ایں وقائع و اشباہ ایں معاملات صدہا در پیش آمد تا ایں کہ

---

[1] محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۱۶۴

کمالاتِ طریقِ نبوّت بذروۂ علیائے خود رسید والہام وکشف بعلومِ حکمت انجامید این ست طریق استفادۂ کمالاتِ راہ نبوّت [1]

"القصہ ایسے صدہا واقعات اور معاملات پیش آئے، یہاں تک کہ کمالات طریقِ نبوت اپنی انتہائی بلندی کو پہنچ گئے اور الہام وکشف علوم حکمت تک پہنچ گئے۔ یہ ہے کمالاتِ راہِ نبوت کے حاصل کرنے کا طریقہ۔"

اہل سُنّت پر محض الزام ہے کہ وہ اپنے امام کو انبیاء کے برابر، بلکہ ان سے بڑھ کر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ "بہارِ شریعت" کے حوالے سے اہل سنّت کا عقیدہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ کسی ولی کو نبی کے برابر یا افضل بتانا کفر ہے، لیکن مذکورہ بالا عبارات کا ایک دفعہ پھر مطالعہ کیجیے، تو کھُل جائے گا کہ کس طرح سیّد صاحب کی ابتداءِ فطرت میں کمالاتِ طریقِ نبوّت اجمالاً مندرج دکھائے گئے۔ پھر شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی بیعت کے بعد وہ کمالاتِ طریقِ نبوّت شرح وتفصیل تک پہنچے۔ پھر "کمالات طریقِ نبوت نہایت جلوہ گر گردید" اور اس کے بعد ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور پھر تصریح کی کہ "کمالاتِ طریقِ نبوت بذروۂ علیائے خود رسید" کمالاتِ طریقِ نبوّت اپنی انتہائی بلندی کو پہنچ گئے۔

اب ہمیں بتایا جائے کہ اپنے پیر و مرشد کو منصبِ نبوّت پر کون فائز دکھانا چاہتا ہے اہل سنّت یا غیر مقلدین؟ یاد رہے کہ شاہ اسمٰعیل دہلوی علمائے غیر مقلدین کے نزدیک مسلّم امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وکذٰلک من ادعیٰ مجالسۃ اللہ والعروج الیہ ومکالمتہ [2]

---

[1] محمد اسماعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی، ص ۱۶۵

[2] قاضی عیاض، امام: الشفاء (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ج ۲، ص ۲۴۵

"اسی طرح وہ شخص کافر ہے جو اُمّتی ہو کر، اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی، اس کی طرف عروج اور اس کے ہم کلام ہونے کا دعویٰ کرے۔"

امام احمد رضا بریلوی کے معتقدین پر تو یہ اعتراض ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدائش کے وقت ہی علم عطا فرما دیا تھا، لیکن غیر مقلدین کے پیر و مرشد کے بارے میں جو کہا جا رہا ہے اور اس پر کسی غیر مقلد کو اعتراض بھی نہیں۔

"حضرت ابتدائے فطرت سے طریقِ نبوّت کے اجمالی کمالات پر پیدا کیے گئے تھے۔"[1]

"پھر یہ کمالات شرح و تفصیل تک پہنچے۔"[2]

"پھر براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ہم کلامی۔"[3]

"پھر کمالاتِ طریقِ نبوت انتہائی بلندی کو پہنچ گئے۔"[4]

بچپن کا ایک واقعہ

امام احمد رضا بریلوی کی نوعمری کا زمانہ ہے، والد ماجد مولانا نقی علی خاں سے اصولِ فقہ کی دقیق ترین کتاب مسلّم الثبوت پڑھ رہے تھے، ایک جگہ حاشیہ پر والد ماجد نے ایک جواب کی تقریر لکھی تھی، اب جو دیکھتے ہیں، تو اس سے آگے کتاب کا مطلب اس انداز میں لکھا ہوا تھا کہ سرے سے اعتراض وارد ہی نہ ہوتا تھا اور نہ جواب کی ضرورت رہتی تھی۔ اس تقریر کو دیکھ کر انہیں مسرت ہوئی اور یہ معلوم کر کے تو بہت ہی مسرور ہوئے کہ یہ تقریر ان کے

---

[1] محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۱۶۳

[2] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۱۶۴

[3] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۱۶۴

[4] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۱۶۵

ہونہار صاحبزادے اور شاگرد نے لکھی تھی، اُٹھ کر سینے سے لگالیا اور فرمایا:

"احمد رضا! تم مجھ سے پڑھتے نہیں، بلکہ مجھ کو پڑھاتے ہو۔"[1]

اعتراض برائے اعتراض کرنے والوں کے لیے یہ امر بھی باعثِ حیرت و انکار ہے[2] حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی عبقری صلاحیتوں کو دیکھ کر ایک دنیا انگشت بدنداں ہے۔

مرزا غلام قادر بیگ کون تھے؟

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے مخالفین کی بے مائیگی کا یہ عالم ہے کہ پادر ہوا الزامات عائد کرنے سے بھی نہیں چُوکتے اور یہ نہیں سوچتے کہ شکوک و شبہات کی تاریکی چھٹتے کتنی دیر لگے گی اور جب ظلمتِ شبِ اعتراضات دُور ہوگی تو امام احمد رضا بریلوی کا قد اور اونچا ہوچکا ہوگا۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے:

> والجدير بالذكر ان المدرس الذی كان يدرسه مرزا غلام قادر بيك كان اخا للمرزا غلام احمد المتنبی القاديانی۔[3]

"قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جو مدرّس انہیں پڑھایا کرتا تھا۔ مرزا غلام قادر بیگ، نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا۔"

اس سلسلے میں چند امور توجہ طلب ہیں:

، ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ ثابت کیا جائے کہ امام احمد رضا بریلوی کے استاذ

---

[1] ظفرالدین بہاری، مولانا حیات اعلیٰ حضرت ص ۱۳۷

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۱۹

[3] ایضاً " " ص ۲۰

مرزا غلام قادر بیگ، مرزائے قادیانی کے بھائی تھے؛ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ۔

کان یدرسنہ کا یہ مطلب ہے کہ مرزا غلام قادر بیگ مستقل استاذ تھے جن سے امام احمد رضا بریلوی نے تمام یا اکثر و بیشتر کتابیں پڑھی تھیں، حالانکہ ان سے صرف چند ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

> ”میزان منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔“ [1]

> ”جب عربی کی ابتدائی کتابوں سے حضور فارغ ہوئے، تو تمام دینیات کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی صاحب . . . . سے تمام فرمائی۔“ [2]

ردِّ مرزائیت

امام احمد رضا بریلوی کے مخالفین بھی تسلیم کریں گے کہ وہ مرزائیوں اور اسلام کے نام پر بدمذہبی پھیلانے والے تمام فرقوں کے لیے شمشیر بے نیام تھے۔ مرزائیوں کے خلاف متعدد رسائل تحریر فرمائے۔ چند نام یہ ہیں:

(۱) اَلْمُبِیْنُ خَتْمَ النَّبِیِّیْنَ

(۲) اَلسُّوْءُ وَالْعِقَابُ عَلَی الْمَسِیْحِ الْکَذَّابِ۔

(۳) قَھْرُ الدَّیَّانِ عَلٰی مُرْتَدٍّ بِقَادِیَان

(۴) جَزَاءُ اللّٰہِ عَدُوَّہٗ بِاِبَائِہٖ خَتْمَ النُّبُوَّۃِ

(۵) اَلْجُرَازُ الدَّیَّانِیْ عَلَی الْمُرْتَدِّ الْقَادِیَانِیْ

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ص ۳۲

[2] ایضاً: " " " ص ۳۳

آخر الذکر رسالہ ایک سوال کا جواب ہے جو ۳ محرم ۱۳۴۰ھ کو پیش ہوا جس کا آپ نے جواب تحریر فرمایا۔ اسی سال ۲۵ صفر کو آپ کا وصال ہوگیا۔ یہ رسالہ مختصر مقدمہ کے ساتھ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کی طرف سے چھپ چکا ہے۔

ان رسائل کے علاوہ احکامِ شریعت، المعتمد المستند اور فتاویٰ رضویہ میں ردّ مرزائیت میں آپ کے فتاویٰ دیکھے جا سکتے ہیں۔

پروفیسر خالد شبیر احمد، فیصل آباد، دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے امام احمد رضا بریلوی کے فتویٰ سے قبل ان تاثرات کا اظہار کیا ہے :

> "اس فتویٰ سے جہاں مولانا کے کمالِ علم کا احساس ہوتا ہے، وہاں مرزا غلام احمد کے کفر کے بارے میں ایسے دلائل بھی سامنے آتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ذی شعور مرزا صاحب کے اسلام اور اس کے مسلمان ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"[1]

مزید لکھتے ہیں :

> "ذیل کا فتویٰ بھی آپ کی علمی استطاعت، فقہی دانش و بصیرت کا ایک تاریخی شاہکار ہے، جس میں آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کو خود ان کے دعاوی کی روشنی میں نہایت مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے، یہ فتویٰ مسلمانوں کا وہ علمی و تحقیقی خزینہ ہے جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کریں، کم ہے۔"[2]

مرزائے قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر بیگ دُنیانگر کا معزول تھانیدار تھا۔[3] جو پچپن برس کی عمر میں ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا[4] جبکہ امام احمد رضا کے بچپن کے چند کتابوں

---

[1] خالد شبیر احمد : تاریخ محاسبۂ قادیانیت (قرطاس، فیصل آباد) ص ۵۵۴

[2] ایضاً : " " " " ص ۶۰۴

[3] ابوالقاسم رفیق دلاوری، رئیس قادیان (مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان) ج ۱، ص ۱۱

[4] ایضاً : " " " " ص ۱۴

کے استاذ، مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ تعالیٰ پہلے بریلی میں رہے۔ پھر کلکتہ چلے گئے اور بریلی سے بذریعہ استفتاء رابطہ رکھتے رہے۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

"میں نے جناب مرزا صاحب مرحوم و مغفور (مرزا غلام قادر بیگ) کو دیکھا تھا، گورا چِٹا رنگ عمر تقریباً اسّی سال داڑھی سر کے بال ایک ایک کر کے سفید عمامہ باندھے رہتے۔ جب کبھی اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت بہت ہی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ، امرتلا لین میں تھا، وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھیجا کرتے، فتاویٰ میں اکثر استفتاء ان کے ہیں۔ انہیں کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" تحریر فرمایا ہے"[1]

فتاویٰ رضویہ جلد سوم مطبوعہ مبارک پور انڈیا کے ص ۸ پر ایک استفتاء ہے، جو مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ۲۱ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ کو ارسال کیا تھا۔

ان تفصیلات کو پیش نظر رکھیے، آپ کو خود بخود یقین ہو جائے گا۔ مرزائے قادیانی کا بھائی اور امام احمد رضا بریلوی کے استاذ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں:

- وہ قادیان کا معزول تھانیدار ———— یہ مدرس ٹائپ مولوی
- وہ پچپن سال کی عمر میں مر گیا ———— یہ اسّی سال کی عمر میں حیات تھے

وہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں فوت ہوا ———— یہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء میں زندہ تھے

کیونکہ عادۃً ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ وہ ۱۸۸۳ء میں قادیان میں فوت ہوا ہو اور وفات کے ٹھیک چودہ برس بعد، ۱۸۹۷ء میں کلکتہ سے بریلی استفتاء بھیج دیا ہو۔

پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک مکتوب میں لکھا:

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۳۲

"یہ افترائے محض ہے، مرزا غلام قادر بیگ بریلوی قطعاً دوسری شخصیت ہیں۔ میں تفصیلی جواب ارسالِ خدمت کروں گا، اطمینان فرمایئے۔"[1]

شعبۂ تاریخ احمدیت، ربوہ سے دوست محمد شاہد نے پروفیسر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج، ٹھٹھہ کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے:

"بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب نے آپ کے دعوائے مسیحیت (۱۸۹۱ء) سے آٹھ سال قبل ۱۸۸۳ء میں انتقال کیا ـــــ آپ خود یا آپ کے کوئی بھائی، بانس بریلی، رائے بریلی یا کلکتہ میں مقیم نہیں رہے۔"[2]

اس کے بعد یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں کہ امام احمد رضا کے استاذ مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے بھائی تھے۔

علامہ عبدالحق خیرآبادی سے ملاقات

امام احمد رضا بریلوی ایک مرتبہ اپنے خاص رشتہ داروں کے ہاں رامپور گئے، آپ کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم، نواب کلب علی خاں کے ہاں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے، انہوں نے نواب صاحب سے تذکرہ کیا، تو انہوں نے ازراہِ اشتیاق آپ کو طلب کیا ـــــ نواب صاحب نے آپ کو اپنے خاص پلنگ پر بٹھایا اور کچھ علمی باتیں پوچھتے رہے۔ دورانِ گفتگو کہنے لگے یہاں مولانا عبدالحق خیرآبادی مشہور منطقی ہیں۔ ان سے متقدمین کی کچھ منطقی کتابیں پڑھ لیجیے۔ آپ نے فرمایا: اگر والد ماجد کی اجازت ہوگی، تو کچھ دن ٹھہر سکتا ہوں۔

---

[1] مکتوب بنام راقم: تحریر ۳۱؍ مئی ۱۹۸۳ء

نوٹ: افسوس کہ ۲۳؍ نومبر ۱۹۸۳ء کو پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب ایک ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوگئے، اس لیے انہیں تفصیلات لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ ۱۲ اشرف قادری

[2] محمد مسعود احمد، پروفیسر: مکتوب بنام راقم، ۲۳؍ دسمبر ۱۹۸۳ء

اتنے میں اتفاقاً علامہ عبدالحق خیرآبادی تشریف لے آئے ۔

نواب صاحب نے تعارف کرانے کے بعد اپنے مشورہ کا ذکر کیا اور بتایا کہ نوعمری کے باوجود ان کی سب کتابیں ختم ہیں ۔ علامہ خیرآبادی فرمایا کرتے تھے :

> "دنیا میں صرف اڑھائی عالم ہوئے ہیں ، ایک مولانا بحرالعلوم ، دوسرے والدِ مرحوم اور نصف بندۂ معصوم ۔"

انہیں تعجب ہوا اور دریافت کیا منطق کی آخری کتاب کونسی پڑھی ہے ؟ امام احمد رضا نے فرمایا ؛ قاضی مبارک ! علامہ نے پوچھا ؛ شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں ؟ آپ نے ان کے طنز کو محسوس کر کے فرمایا ؛ کیا جناب کے ہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے ؟

اب علامہ نے موضوعِ سخن تبدیل کرتے ہوئے پوچھا ؛ اب کیا مشغلہ ہے ؟ آپ نے فرمایا ؛ تدریس ، افتاء ، تصنیف ! فرمایا ؛ کس فن میں تصنیف کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا ؛ مسائلِ دینیہ اور ردِّ وہابیہ ! یہ سن کر فرمایا ؛ ردِّ وہابیہ ؟ ایک میرا وہ بدایونی خبطی ہے کہ ہمیشہ اسی خبط میں رہتا ہے ۔ یہ اشارہ مولانا عبدالقدیر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے شاگرد اور علامہ عبدالحق خیرآبادی کے دوست تھے ، اسی لیے انہیں میرا فرمایا ۔

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا ؛

> "جناب کو معلوم ہوگا کہ وہابیہ کا رد سب سے پہلے مولانا فضل حق ، جناب کے والد ماجد ہی نے کیا اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا اور ان کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام "تحقیق الفتویٰ لسلب الطغویٰ" تحریر فرمایا ۔" [1]

---

[1] ظفرالدین بہاری ، مولانا ؛ حیات اعلیٰ حضرت ، ج ۱ ، ص ۴ – ۳۳

نوٹ ؛ بحمدہٖ تعالیٰ علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی تصنیف لطیف تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ فارسی مع ترجمہ چھپ چکی ہے اور مکتبہ قادریہ ، جامعہ نظامیہ رضویہ سے مل سکتی ہے ۔ ۱۲ شرف قادری

علامہ عبدالحق خیر آبادی نے فرمایا: اگر ایسی ہی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی تو میں پڑھا نہیں سکوں گا۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

> "آپ کی باتیں سُن کر میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا کہ ایسے شخص سے منطق پڑھنی اپنے علمائے ملت، حامیانِ سنّت کی توہین و تحقیر سُننی ہو گی، اسی وقت پڑھنے کا خیال بالکل دل سے دُور کر دیا، تب حضور کی بات کا ایسا جواب دیا۔"[1]

اس تفصیل سے دو باتیں سامنے آئی ہیں:

۱۔ امام احمد رضا بریلوی اس وقت کا مروجہ نصاب پڑھ چکے تھے۔ نواب رامپور نے منطق کی ان کتابوں کے پڑھنے کا مشورہ دیا تھا جو نصاب سے خارج اور متقدمین مثلاً ابن سینا، محقق طوسی اور میر باقر وغیرہ کی تصنیف تھیں۔

۲۔ امام احمد رضا بریلوی نے علامہ خیر آبادی کی گفتگو میں علماء اہل سنت کی تخفیف محسوس کر کے علامہ سے کچھ نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا، ورنہ علامہ نے پڑھانے سے انکار نہیں کیا تھا۔

مخالفت بلکہ مخاصمت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے والے اس واقعہ کو دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

> "بریلوی اپنے قائد کو بچپن ہی میں نابغہ ثابت کرنے کے لیے بار بار اس قول کو دہراتے ہیں کہ ان کے قائد چودہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تھے پھر اس جھوٹ اور اپنے قائد کے اس معجزے کو بھول گئے اور بیان کیا کہ انہوں نے اس وقت کے مشہور معقولی عالم عبدالحق خیر آبادی ابن فاضل فضلِ حق خیر آبادی سے پڑھنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ وہابیوں سے ان کی شدید مخالفت کی بنا پر راضی نہ ہوئے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ان کی عمر صرف بیس سال تھی۔"

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا   حیات اعلیٰ حضرت   ج ۱، ص ۱۳۶

[2] ظہیر: البریلویۃ   ص ۲۰

علامہ خیر آبادی کی ملاقات کا واقعہ تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اسے ایک دفعہ پھر پڑھیے اور خورد بین لگا کر دیکھیے کہ اس مخالفانہ بیان میں کتنی صداقت ہے؛ چند امور غور طلب ہیں:

۱- چودہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہونے کو معجزہ کس نے کہا ہے؟ یہ مخالف کی کج نظری کا نتیجہ ہے یا نیت کا فساد؟

۲- امام احمد رضا بریلوی تقریباً چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم اور درسی کتب سے فارغ ہو گئے اور بیس سال کی عمر میں علامہ خیر آبادی سے پڑھتے، تو منطق کی بعض خارج از نصاب کتابیں پڑھتے، ان دونوں باتوں میں کیا تخالف ہے؟ اور کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ چودہ سال کی عمر میں مروجہ درسی کتب سے فارغ نہیں ہو گئے تھے۔

۳- علامہ خیر آبادی کی گفتگو سے علماء اہل سنت کی شان میں تخفیف آمیز گفتگو سن کر امام احمد رضا بریلوی نے خود نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ قطعاً صحیح نہیں کہ علامہ پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔

۴- یہ بھی درست نہیں کہ وہابیوں کے شدید مخالف ہونے کے سبب وہ پڑھانے پر راضی نہیں ہوئے تھے، انہوں نے صرف اتنا کہا تھا:

"اگر یہی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی، تو میں پڑھا نہیں سکوں گا"۔

دونوں بیان ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں

حضرت شاہ آل رسول مارہروی سے اجازت

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو (علی گڑھ) فرماتے ہیں:

"۱۲۹۴ھ میں مارہرہ حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی کے مرید ہوتے اور خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث سے

مشرّف ہوئے۔"[1]

حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری سے استفادہ

ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری، امام احمد رضا بریلوی کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرفِ بیعت سے مشرّف ہوا، تعلیم طریقت پیر و مرشد برحق سے حاصل کیا۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا، تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد و سجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت و علم تکسیر، جفر وغیرہ علوم میں نے حاصل کیے۔"[2]

اب سمجھ کا پھیر یا نیت کا فتور کہ ان دونوں بزرگوں سے استفادہ کی بناء پر امام احمد رضا بریلوی کے چودہ سال کی عمر میں مروّجہ علوم و کتب سے فارغ ہونے کو جھوٹ قرار دیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے: لا ذا کرۃ لکذّاب "دُروغ گو را حافظہ نباشد" ذرا تبصرہ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

"اُس سے بھی بڑی بات یہ کہ انہوں نے لکھا کہ (احمد رضا) بریلوی نے سیّد آل رسول شاہ کی ۱۲۹۴ھ میں شاگردی اختیار کی اور ان سے حدیث وغیرہ علوم کی اجازت حاصل کی۔

اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابوالحسین احمد سے بعض علوم پڑھے اور یہ ۱۲۹۶ھ کا واقعہ ہے۔"[3]

---

[1] مختار الدین آرزو، ڈاکٹر: انوارِ رضا، ص ۳۵۶

[2] ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۳۴-۵

[3] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۰

اہلِ علم جانتے ہیں کہ مروّجہ علوم وکتب سے فراغت الگ چیز ہے اور کسی بزرگ سے تبرکاً حدیث کی سند اور طریقت کی تعلیم حاصل کرنا یا علمِ تکسیر اور علمِ جفر حاصل کرنا جو مروّجہ علوم میں داخل نہیں، قطعاً دوسری چیز ہے۔ عموماً یہی ہوتا ہے کہ مدارس میں پڑھائے جانے والے نصاب کے پڑھنے کے بعد کسی روحانی شخصیت سے طریقت وغیرہ کے علوم کا استفادہ کیا جاتا ہے۔ شاید ان صاحب کے نزدیک مروّجہ نصاب سے فارغ ہونے کے بعد تحصیلِ علم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے — ایم اے کا سند یافتہ گریجوایٹ بن جاتا ہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ اس نے ڈگری حاصل نہیں کی، یہ تو ابھی تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہے، تو اُسے کیا کہا جائے؟

امام احمد رضا اور شیعہ

پاسبانِ مسلک اہلِ سنت امام احمد رضا بریلوی نے دیگر فرقِ باطلہ کی طرح شیعہ کا بھی سخت ردّ فرمایا۔ شیعہ عام طور پر دو گروہ ہیں: ایک وہ جو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خلیفہ برحق مانتا ہے، لیکن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان سب سے افضل جانتا ہے، یہ تفضیلیہ ہیں۔ دوسرا گروہ معاذ اللہ! خلفاء ثلاثہ کو خلیفہ برحق نہیں مانتا، انہیں غاصب قرار دیتا ہے اور خلیفہ بلا فصل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانتا ہے۔ دیگر صحابہ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے۔ ابوطالب کے بارے میں اصرار رکھتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی نے ردِّ شیعہ میں متعدد رسائل لکھے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ردّ الرفضہ (۱۳۲۰ھ)	(روافضِ زمانہ کا ردّ کہ نہ سُنّی ان کا وارث نہ ان سے نکاح)
(۲) الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ (۱۳۰۶ھ	(روافض کی اذان میں کلمہ خلیفہ بلافصل کا شدید رد)
(۳) اعالی الافادہ فی تعزیۃ الھند وبیان الشہادہ (۱۳۲۱ھ)	(تعزیہ داری اور شہادت نامہ کا حکم)

(۴) جَزَاءُ اللّٰہِ عَدُوَّہٗ (مرزائیوں کی طرح روافض کا بھی رد)
بِاِبَائِہٖ خَتْمَ النُّبُوَّۃِ (۱۳۱۷ھ)

• مناقب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

(۵) غایۃ التحقیق (پہلے خلیفہ برحق کی تحقیق)
فی امامۃ العلی والصدیق

(۶) الکلام البھی حضرت صدیق اکبر کی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ
فی تشبیہ الصدیق بالنبی (۱۲۹۷ھ) علیہ وآلہ وسلم سے مشابہتیں)

(۷) اَلزُّلَالُ الْاَنْقٰی (عربی) (آیۂ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ
مِنْ بَحْرِ سَبْقَۃِ الْاَتْقٰی (۱۳۰۰ھ) کی تفسیر اور مناقب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۸) مَطْلَعُ الْقَمَرَیْن (شیخین کریمین کی افضلیت پر
فِی اِبَانَۃِ سَبْقَۃِ الْعُمَرَیْنِ (۱۲۹۷ھ) مبسوط کتاب)

(۹) وجہ المشوق (شیخین کریمین کے وہ اسماء مبارکہ جو
بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق (۱۲۹۷ھ) احادیث میں وارد ہیں)

(۱۰) جَمْعُ الْقُرْآن (قرآن کریم کیسے جمع ہوا اور حضرت عثمان غنی
وَبِمَ عَزْوُہٗ لِعُثْمَان (۱۳۲۲ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص طور پر جامع القرآن
کیوں کہتے ہیں؟)

• مناقب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

(۱۱) اَلْبُشْرٰی الْعَاجِلَہ (تفضیلیہ اور مفتقانِ امیر معاویہ
مِنْ تُحَفِ آجِلَہ (۱۳۰۰ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رد)

(۱۲) عَرْشُ الْاِعْزَازِ وَالْاِکْرَام (مناقب حضرت امیر معاویہ
لِاَوَّلِ مُلُوْکِ الْاِسْلَام (۱۳۱۲ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۱۳) ذَبُّ الْاَهْوَاءِ الْوَاهِیَہ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فِیْ بَابِ الْاَمِیْرِ مُعَاوِیَہ (۱۳۱۲ھ) پر مطاعن کا جواب)

(۱۴) اَعْلَامُ الصَّحَابَۃِ الْمُوَافِقِیْن (حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور
لِلْاَمِیْرِ مُعَاوِیَۃَ وَاُمِّ الْمُؤْمِنِیْن (۱۳۱۲ھ) امیر معاویہ کے ساتھ کون سے صحابہ تھے)

(۱۵) اَلْاَحَادِیْثُ الرَّاوِیَہ (امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
لِمَدْحِ الْاَمِیْرِ مُعَاوِیَہ (۱۳۱۳ھ) مناقب کی احادیث)

- ردِ تفضیلیہ:

(۱۶) اَلْجُرْحُ الْوَالِجُ (تفضیلیہ اور مفسقہ کا رد)
فِیْ بُطْنِ الْخَوَارِجُ (۱۳۰۵)

(۱۷) اَلصَّمْصَامُ الْحَیْدَرِیْ (تفضیلیہ اور مفسقہ کا رد)
عَلٰی حُمْقِ الْعَیَّارِ الْمُفْتَرِیْ (۱۳۰۴ھ)

(۱۸) اَلرَّائِحَۃُ الْعَنْبَرِیَّہ (مسئلہ تفضیل اور تفضیل من جمیع الوجوہ
عَنِ الْجَمْرَۃِ الْحَیْدَرِیَّہ (۱۳۰۰ھ) کا بیان)

(۱۹) لَمْعَۃُ الشَّمْعَہ (تفضیل و تفسیق سے متعلق سات سوالوں
لِھُدٰی شِیْعَۃِ الشَّنْعَہ (۱۳۱۲ھ) کا جواب)

- ابو طالب کا حکم

(۲۰) شَرْحُ الْمَطَالِب (ایک سو تیس کتب تفسیر و عقائد وغیرہا
فِیْ مَبْحَثِ اَبِیْ طَالِب (۱۳۱۶ھ) سے ایمان نہ لانا ثابت کیا)

ان کے علاوہ وہ رسائل اور قصائد جو سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں لکھے ہیں، وہ شیعہ و روافض کی تردید ہیں، کیونکہ شیعہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خوش عقیدگی نہیں رکھتے، اس لیے کہ حضرت غوث اعظم فضائل صحابہ کے قائل ہیں۔

تفضیلیہ سے مناظرہ

۱۳۰۰ھ میں بریلی، بدایوں، سنبھل اور رام پور وغیرہ کے تفضیلیہ نے باہمی مشورے سے مسئلہ تفضیل پر امام احمد رضا سے مناظرہ کا اعلان کر دیا۔ مناظرہ کے لیے مولانا محمد حسن سنبھلی مصنف تنسیق النظام فی مسند الامام وغیرہ کا انتخاب کیا۔ امام احمد رضا ان دنوں ایک نئے طبیب کے زیر علاج تھے، جس نے پہلے منضج دوائیں دیں، بعد میں جلاب آور دوائیں دینا تھیں۔ اس طبیب کی سازش سے طے ہوا کہ مسہل سے ایک دن پہلے مناظرہ کا دن مقرر کیا جائے۔ اول تو نقاہت کی بناء پر خود ہی مناظرہ سے انکار کر دیں گے، ورنہ طبیب منع کر دے گا۔ امام احمد رضا بریلوی نے مناظرہ کا چیلنج قبول فرمالیا۔ معالج نے بہت منع کیا، لیکن آپ نے فرمایا:

> "مناظرہ کرتے ہوئے مجھے مر جانا منظور ہے اور مناظرہ سے انکار کر کے مجھے بچنا مقصود نہیں۔"[1]

اسی حالت میں تیئیس سوالات لکھ کر مولانا محمد حسن سنبھلی کے پاس بھیج دیئے۔ انہوں نے کمال دیانت سے فرمایا کہ کوئی شخص تفضیلی عقیدہ رکھتے ہوئے ان کے جوابات نہیں دے سکتا اور گاڑی پر سوار ہو کر واپس چلے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل فتح خیبر (۱۳۰۰ھ) میں چھپ چکی ہے۔

مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

> "اس کے بعد شرح عقائد کا حاشیہ مسمّٰی بہ نظم الفرائد تحریر فرمایا جس میں مذہب اہل سنّت و جماعت کی حمایت و تائید کی۔"[2]

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۱۳

[2] ایضاً: ،، ،، ،، ص ۱۳

سُنّیت اختیار کریں، ورنہ شفا نہیں

ایک دفعہ ایک امیر کبیر کی بیگم بیمار ہوئی جو سُنّی نہ تھی۔ مارہرہ شریف کے حضرت سیّد مہدی حسن میاں کی معرفت سوال کیا گیا کہ وہ صحت یاب ہو گی یا نہیں؟ امام احمد رضا بریلوی نے علم جفر کے ذریعے معلوم کر کے جواب ارسال کیا:

"سُنّیت اختیار کریں، ورنہ شفا نہیں۔"[1]

حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ امیر انجمن حزب الاحناف لاہور نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ یہ واقعہ سابق نواب رام پور حامد علی خاں کی بیگم 'اقبال بیگم' کا واقعہ ہے اور وہ شیعہ تھی اور شیعہ ہی اس دنیا سے رخصت ہوئی۔

ایک مرتبہ علامہ ابوالحسنات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم جفر کے ذریعے سوال کا جواب اثبات میں آتا ہے یا نفی میں، لیکن یہ جواب نہیں آسکتا کہ اگر سُنّی ہو گا، تو یوں ہو گا اور شیعہ ہو گا، تو یوں ہو گا۔ محمد جعفر شاہ پھلواری نے اس کی توجیہ کی کہ:

> "حضرت فاضل بریلوی نے دراصل دو سوالوں کا جواب نکالا تھا:
>
> کیا وہ اچھی ہو گی ــــــــ جواب آیا نہیں
> کیا وہ سُنّی ہو گی ــــــــ جواب آیا نہیں
>
> پھر انہوں نے دونوں کو ملا کر ایک کر دیا، یعنی نہ وہ اچھی ہو گی اور نہ سُنّی ہو گی۔ دوسرے لفظوں میں اگر وہ سُنّی ہو گی، تو تندرست ہو جائے گی۔"[2]

یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں، حیدر آباد (دکن) کے ایک فاضل نے امام احمد رضا سے سوال کیا کہ ایک شخص دلاور علی، ایک کافرہ عورت کا طلب گار ہے، کیا وہ اس سے

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۳

[2] مرید احمد چشتی: جہانِ رضا (مرکزی مجلسِ رضا، لاہور)، ص ۱-۱۳۰

نکاح کر سکے گا؟ امام احمد رضا بریلوی نے علم جفر سے سوال کیا، جواب آیا:

"اس سے کیسے نکاح کرے گا، جبکہ وہ مشرکہ ہے اور کبھی بھی ایمان نہیں لائے گی۔"[1]

دو مرتبہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی، اسی جواب کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ عورت ایمان لے آئے، تو نکاح ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

شیعہ کا حکم؟

روافض کا حکم کیا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رافضی اگر امیر المومنین علی مرتضیٰ کو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دے، تو مبتدع ہے، جیسے فتاویٰ خلاصہ، عالمگیری وغیرہ میں ہے اور اگر شیخین یا ان میں سے ایک کی امامت کا انکار کرے تو فقہاء نے اسے کافر قرار دیا اور متکلمین نے بدعتی اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بداء کا قائل ہو، کہ اسے پہلے علم نہیں ہوتا شے واقع ہونے کے بعد علم ہوتا ہے، یا کہے کہ موجودہ قرآن ناقص ہے۔ صحابہ یا کسی دوسرے نے اس میں تحریف کی ہے یا یہ کہ امیر المومنین (علی مرتضیٰ) یا اہل بیت میں سے کوئی امام، اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء سابقین صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم سے افضل ہے جیسے کہ ہمارے شہر کے رافضی کہتے ہیں اور ان کے اس دور کے مجتہد نے تصریح کی ہے، تو وہ قطعاً کافر ہے اور اس کا حکم مرتدوں والا ہے جیسے کہ فتاویٰ ظہیریہ کے حوالے سے عالمگیری میں ہے۔"[2]

اس کے علاوہ احکام شریعت (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) کے درج ذیل صفحات:

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ (مرکزی مجلس رضا، لاہور) ص ۶

[2] ایضاً: فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین (مکتبہ ایشق۔ ترکی) ص ۱۰

۱۲۳ — ۱۲٦ — ۱۲۷ — ۱۴٦ — ۱۷۹

اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم مطبوعہ مبارک پور، انڈیا) کے درج ذیل صفحات ملاحظہ کیے جائیں:

۲۵ — ۳۲ — ۳۵ — ۳۷ — ۹۴ — ۱۵۸ — ۱٦۹ — ۴۲۹

۴۷۷ — ۴۸۴ — ۴۸٦ — ۴۹۰ — ۵۲۷ — ۵۲۸

اسی طرح فتاویٰ رضویہ کی باقی جلدیں دیکھیے، معلوم ہو جائے گا کہ امام احمد رضا بریلوی نے شیعہ اور روافض کے بارے میں کیا کیا احکام بیان کیے ہیں۔

مشہورِ زمانہ سلام کے چند اشعار دیکھیے ؎

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل   ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر   اس خدا داد حضرت پہ لاکھوں سلام
دُرِّ منثورِ قرآں کی سلکِ بہی   زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیصِ ہدیٰ   حُلّہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام
مرتضیٰ شیرِ حق اشجع الاشجعین   ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اولیں دافعِ اہلِ رفض و خروج   چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام
ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج   حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام[1]

سبحان اللہ! کس عمدگی کے ساتھ مسلکِ اہلِ سنت کی ترجمانی فرمائی ہے۔ بے شک اہل سنت کا امام ہی اتنی نفیس ترجمانی کر سکتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے ردیف بار میں ۲۱٦ اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ کہا جس میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بڑی شرح و بسط سے بیان کیے اور آخر میں بد مذہبوں پر تند و تیز تنقید کی ہے۔ زورِ بیان، شکوہِ الفاظ اور مطالب کی بلندی دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

---

[1] امام احمد رضا بریلوی: حدائقِ بخشش (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ج ۲، ص ٦ - ۳۵

علی سے محبّت عمر سے عداوت — کہیں بھی ہوئے جمع نور و غواہب
روافض پہ واللہ قہرِ علی ہے — خوارج پہ فاروقِ اعظم معاتب
وہی تو محبّانِ حیدر جو رکھتیں — تقیے کی تہمت؛ سرِ شیرِ غالب؟[1]

شیعہ ہونے کا الزام

دین و دیانت رکھنے والے حضرات کے لیے یہ امر باعثِ حیرت ہوگا کہ اہل سنّت کے امام مولانا شاہ احمد رضا بریلوی پر لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات میں سے ایک الزام یہ بھی ہے:

> "وہ ایسے شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس نے اہل سنّت کو نقصان پہنچانے کے لیے بطورِ تقیہ، سُنّی ہونا ظاہر کیا تھا۔"[2]

پندرھویں صدی کا یہ عظیم ترین جھوٹ بولتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ کیا ساری دنیا اندھی ہوگئی ہے جسے امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا جو شخص فتاویٰ رضویہ اور دیگر بلند پایہ علمی تصانیف کا مطالعہ کرے گا، وہ آپ کی صداقت اور دیانت کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ کیا قیامت کے دن، واحد قہار کی بارگاہ میں جواب دہی کا یقین بالکل ہی جاتا رہا ہے؟ یا روزِ قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں ہے۔

اس دعوے پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں، وہ اس قدر بے وزن اور غیر معقول ہیں کہ دلائل کہلانے کے قابل ہی نہیں، ذیل میں ان کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

الزام نمبر ۱: ان کے آباؤ اجداد کے نام شیعوں والے ہیں، ایسے نام اہل سنّت میں رائج نہ تھے اور وہ یہ ہیں:

---

[1] محمد محبوب علی خاں، مولانا: حدائقِ بخشش (نابھہ سٹیم پریس، نابھہ) ج ۳، ص ۲۶

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۱

احمد رضا، ابن نقی علی ابن رضا علی ابن کاظم علی۔"[1]

"نواب صدیق حسن خان کے والد کا نام حسن، دادا کا نام علی الحسنین، بیٹے کا نام میر علی خاں اور میر نور الحسن خان۔"[2]

غیر مقلدین کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی ہیں، مدراس کے مولوی صاحب کا نام محمد باقر ہے۔ قنوج کے مولوی کا نام ہے رستم علی ابن علی اصغر، ایک دوسرے مولوی کا نام غلام حسنین ابن مولوی حسین علی۔ ان لوگوں کا تذکرہ نواب بھوپالی کی کتاب ابجد العلوم کی تیسری جلد میں کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے جریدے اشاعۃ السنّۃ کے ایڈیٹر کا نام محمد حسین بٹالوی ہے۔ کیا یہ سب شیعہ ہیں؟

الزام نمبر ۲: "بریلوی نے امّ المومنین عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ایسے کلمات کہے کہ انہیں سُنّی کبھی زبان پر نہیں لاسکتا۔"[2]

اللّٰھمّ سُبحٰنک ھٰذا بُھتان عظیم

حدائق بخشش حصّہ سوم

امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان دو حصّے پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں مرتب اور شائع ہوا۔ ماہِ صفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ وصال کے دو سال بعد ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد محبوب علی قادری لکھنوی نے آپ کا کلام متفرق مقامات سے حاصل کر کے حدائق بخشش حصّہ سوم کے نام سے شائع کر دیا۔ انہوں نے مسوّدہ نابھہ سٹیم پریس، نابھہ کے سپرد کر دیا، پریس والوں نے کتابت کروائی اور کتاب چھاپ دی۔

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۱

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۱

کاتب بدمذہب تھا، اُس نے دانستہ یا نادانستہ چند ایسے اشعار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدح کے قصیدے میں شامل کر دیئے جو ام زرع وغیرہ مشرکہ عورتوں کے بارے میں تھے، ان عورتوں کا ذکر حدیث کی کتابوں مسلم شریف، ترمذی شریف اور نسائی شریف وغیرہ میں موجود ہے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں سے چند ایک تسامح ہوئے:

(۱) چھپائی سے پہلے انہوں نے اپنی مصروفیات اور پریس والوں پر اعتماد کر کے چھپنے سے پہلے کتابت کو چیک نہ کیا۔

(۲) کتاب کا نام "حدائق بخشش حصہ سوم" رکھ دیا، حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ "باقیاتِ رضا" یا اسی قسم کا کوئی دوسرا نام رکھتے۔

(۳) ٹائیٹل پیج پر کتاب کے نام کے ساتھ ۱۳۲۵ھ بھی لکھ دیا، حالانکہ یہ سن پہلے دو حصوں کی ترتیب کا تھا جو مصنف کے سامنے ہی چھپ چکے تھے۔ تیسرا حصہ تو ۱۳۴۲ھ میں مرتب ہو کر شائع ہوا۔ اسی لئے ٹائیٹل پیج پر امام احمد رضا بریلوی کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھا ہوا ہے۔ اگر ان کی زندگی اور ۱۳۲۵ھ میں یہ کتاب چھپتی، تو ایسے دعائیہ کلمات ہرگز نہ درج ہوتے۔

(۴) یہ مجموعہ مرتب کر کے امام احمد رضا بریلوی کے صاحبزادے مولانا مصطفےٰ رضا خاں یا بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں کو دکھائے اور منظوری حاصل کیے بغیر چھاپ دیا۔

(۵) کتاب چھپنے کے بعد جیسے ہی صورتِ حال سامنے آئی تھی، اس غلطی کی تصحیح کا اعلان کر دیتے، تو صورتِ حال اتنی سنگین نہ ہوتی، لیکن یہ سوچ کر خاموش رہے کہ اہلِ علم خود ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ اشعار غلط جگہ چھپ گئے ہیں اور آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔

محدثِ اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی کے صاحبزادے حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں فرماتے ہیں:

---

[۱] محمد محبوب علی خاں، مولانا: حدائق بخشش (نابھہ سٹیم پریس، نابھہ) ص ۱۰

"مجھے محبوب الملت (مولانا محمد محبوب علی خاں) کے خلوص سے انکار نہیں اور نہ ہی میں یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم رنجش کی بنا پر ایسا کیا، لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے کو روک نہیں پا رہا ہوں کہ محبوب الملت نے کسی سے مشورہ کیے بغیر "حدائق بخشش" میں تیسری جلد کا اضافہ کر کے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے۔ ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ایسی فاش غلطی جس کی تنہا ذمہ داری محبوب الملت پر عائد ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے اتہام کی زد سے بچا نہ سکی۔ سوچ کر بتائیے کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی؟ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو، آنے والا مؤرخ اس طرح کی خوش عقیدگی کو ظلم ہی سے معنون کرے گا۔"[1]

ایک عرصہ بعد دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے پورے شد و مد سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ مولانا محمد محبوب علی خاں نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں گستاخی کی ہے، لہٰذا انہیں بمبئی کی سنی جامع مسجد سے نکال دیا جائے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور وہ کچھ کیا جو ایک سچے مسلمان کا کام ہے۔ انہوں نے مختلف جرائد اور اخبارات میں اپنا توبہ نامہ شائع کرایا۔ علامہ مشتاق احمد نظامی (مصنف خون کے آنسو) نے ایک ہفت روزہ کے ذریعے انہیں غلطی کی طرف متوجہ کیا تھا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> آج ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ کو بمبئی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی تحریر "حدائق بخشش" حصہ سوم کے متعلق دیکھی، جواباً پہلے فقیر حقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا ہے اور استغفار کرتا ہے، خدا تعالیٰ معافی بخشے، آمین! (ماہنامہ سنی دنیا شمارہ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ ص ۱۰)[2]

---

[1] شرکت حنفیہ، لاہور: انوارِ رضا ص ۲۱

[2] محمد مظہر اللہ دہلوی، مفتی: فتاویٰ مظہری (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ج ۲، ص ۳۹۳

اس کے باوجود مخالفین نے اطمینان کا سانس نہ لیا، بلکہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ توبہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس پر علمائے اہلِ سنت سے فتوے حاصل کیے گئے کہ ان کی توبہ یقیناً مقبول ہے، کیونکہ انہوں نے یہ اشعار نہ تو امّ المومنین کے بارے میں نہ کہے اور نہ لکھے ہیں، ان کی غلطی صرف اتنی تھی کہ کتابت کی دیکھ بھال نہ کر سکے۔ اس کی انہوں نے علی الاعلان اور بار بار توبہ کی ہے اور درِ توبہ کھلا ہوا ہے۔ پھر کسی کے یہ کہنے کا کیا جواز ہے کہ توبہ قبول نہیں۔ یہ فتاویٰ فیصلہ مقدسہ کے نام سے ۱۳۷۵ھ میں چھپ گئے اور تمام شور اور شر ختم ہو گیا، اس میں ایک سو انیس علماء کے فتوے اور تصدیقی دستخط ہیں۔ الحمدللہ! کہ فیصلہ مقدسہ، مرکزی مجلس رضا لاہور نے دوبارہ چھاپ دیا ہے۔ تفصیلات اس میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مقامِ غور ہے کہ جو کتاب امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد مرتب ہو کر چھپی ہو، اس میں پائی جانے والی غلطی کی ذمہ داری ان پر کیسے ڈالی جا سکتی ہے؟ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں بھی جب یہ ہنگامہ کھڑا کیا گیا تو تمام تر ذمہ داری مولانا محمد محبوب علی خاں مرتب کتاب پر ڈال دی گئی تھی۔ کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ امام احمد رضا بریلوی نے حضرت امّ المومنین کی شان میں گستاخی کی ہے، لیکن آج حقائق سے منہ موڑ کر گستاخی کا الزام انہیں دیا جا رہا ہے۔

آج تک امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء پر یہی الزام عائد کیا جاتا تھا کہ یہ لوگ انبیاء و اولیاء کی محبت و تعظیم میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ پھر یکایک یہ کایا پلٹ کیسے ہو گئی کہ انہیں گستاخی کا مرتکب قرار دیا جا رہا ہے؟ دراصل امام احمد رضا بریلوی نے بارگاہِ خداوندی اور حضرات انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا سخت علمی و قلمی محاسبہ کیا تھا، جس کا نہ تو جواب دیا جا سکا اور نہ ہی توبہ کی توفیق ہوئی، الٹا انہیں بے بنیاد الزام دیا جانے لگا کہ یہ گستاخی کے مرتکب ہیں۔

مولوی محمد اسماعیل دہلوی اپنے پیر و مرشد سید احمد (رائے بریلی) کے بارے میں کہتے ہیں کہ کمالاتِ طریقِ نبوت اجمالاً تو ان کی فطرت میں موجود تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ یہ کمالات

راہِ نبوت تفصیلاً کمال کو پہنچ گئے اور کمالاتِ طریقِ ولایت بطریقِ احسن جلوہ گر ہو گئے۔ ان کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”جناب علی مرتضیٰ نے حضرت کو اپنے دستِ مبارک سے غسل دیا اور اُن کے بدن کو خوب دھویا، جیسے باپ اپنے بچوں کو مل مل کر غسل دیتے ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا نے بیش قیمت لباس اپنے ہاتھ سے انہیں پہنایا۔ پھر اسی واقعہ کے سبب کمالاتِ طریقِ نبوت انتہائی جلوہ گر ہو گئے۔“[1]

یہ اگرچہ خواب کا واقعہ بتایا جا رہا ہے، لیکن ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ ایسے واقعات کا کتابوں میں درج کرنا اور پھر فارسی اور اُردو میں انہیں بار بار شائع کرنا حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں سوئے ادبی نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے توجہ دلانے کے باوجود علماء اہل حدیث نے اس کا تدارک نہ کیا اور نہ ہی توبہ کی۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مشکلے دارم زدانایانِ عالم باز پُرس !!
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

> **الزام ۳:** انہوں نے ایسے عقائد و افکار کو رواج دیا جو ان سے پہلے پاک و ہند کے اہل سنت میں رائج نہیں تھے اور وہ تمام شیعہ سے ماخوذ ہیں جیسے انبیاء و اولیاء کے لیے علم غیب، مسئلہ علم ماکان و مایکون اور اختیار و قدرت وغیرہ۔[1]

یہ تو آپ آئندہ ابواب میں دیکھیں گے کہ یہ عقائد قرآن و حدیث اور علماء اسلام کے اقوال سے ثابت ہیں اور وہ عقائد ہیں جو ابتداء اسلام ہی سے چلے آتے ہیں۔ اس وقت صرف چند حوالے درج کیے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہو گا کہ امام احمد رضا بریلوی نے قدیم سُنی حنفی

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۱

طریقے کی حمایت وحفاظت کی ہے اور دوسرے فرقوں نے سلف صالحین کے راستے سے انحراف کیا ہے۔

سید سلیمان ندوی جن کا میلانِ طبع اہل حدیث کی طرف تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد دو گروہ نمایاں ہوتے:

(۱) علماء دیوبند اور مولانا سخاوت علی جونپوری وغیرہ اس سلسلے میں توحید خالص کے جذبہ کے ساتھ حنفیت کی تقلید کا رنگ نمایاں رہا۔ (۲) میاں نذیر حسین دہلوی اس سلسلے میں توحیدِ خالص اور ردِ بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کی بجائے براہِ راست کتبِ حدیث سے بقدرِ فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا اور اسی سلسلے کا نام اہل حدیث مشہور ہوا۔ ان دو کے علاوہ ایک تیسرا سلسلہ بھی تھا، جس کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے کو اہل السنۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔[1]

اس اقتباس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ بریلی اور بدایوں کے علماء کسی نئے فرقے کے بانی نہ تھے، بلکہ اصلی سلفی حنفی تھے۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری مدیر اہل حدیث نے ۱۹۳۷ء میں لکھا تھا:

> "امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے، اسّی سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔[2]

چونکہ امام احمد رضا بریلوی نے مسلکِ اہل سنت اور مذہب حنفی کی زبردست حمایت وحفاظت کی تھی، اس لیے ان کی نسبت، اہل سنت کے لیے نشانِ امتیاز بن گئی ہے ورنہ بریلوی کوئی نیا فرقہ نہیں ہے۔

---

[1] سید سلیمان ندوی: حیاتِ شبلی، ص ۴۴ تا ۴۶ (بحوالہ تقریب تذکرہ اکابر اہل سنت)

[2] ثناء اللہ امرتسری: شمعِ توحید (مطبوعہ سرگودھا)، ص ۴۰

شیخ محمد اکرام جو سرسید کے مکتبِ فکر سے وابستہ اور اہلِ سنت و جماعت سے کھلم کھلا عناد رکھتے تھے، وہ بھی بریلوی پارٹی کے عنوان کے تحت امام احمد رضا بریلوی کے متعلق لکھ گئے:

"انہوں نے ...... نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔"[1]

ہندوستان کے معروف محقق اور ادیب مالک رام جو قادیانیت اور ندویت دونوں سے متاثر ہیں، امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جیساکہ سب کو معلوم ہے بریلی، مولانا احمد رضا خاں مرحوم کا وطن ہے، وہ بڑے سخت گیر قسم کے قدیم الخیال عالم تھے۔"[2]

اس کے باوجود کوئی شخص حقائق کا منہ چڑانے کی کوشش کرے، تو اسے کیا کہا جائے؟

ائمہ اہلِ سنّت اور فضائلِ اہلِ بیت

الزام ۴۷: وہ شیعی روایات و احادیث کی روایت کرتے تھے اور انہیں اہلِ سنّت میں رواج دیتے تھے، مثلاً ان علیاً قسیم النّار علی مرتضیٰ (دشمنوں کو آگ تقسیم کرنے والے ہیں۔ نیز یہ روایت کہ فاطمہ کا نام فاطمہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی ذرّیت کو آگ سے دُور کر دیا ہے"۔[3]

حضرت امام علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

وقد خرّج اهل الصحیح والائمّة ما اعلم به اصحابه صلی الله علیه وسلم ممّا وعدهم من الظهور علی اعدائه

---

[1] شیخ محمد اکرام: موجِ کوثر (طبع ہفتم ۱۹۶۶ء) ص ۷۰ (بحوالہ تقریب مذکور)

[2] مالک رام: نذرِ عرشی (مطبوعہ دہلی) ص ۱۳ (ایضاً)

[3] ظہیر: البریلویۃ، ص ۲۲-۲۱

(الیٰ ان قال) وقتل علیّ وأن اشقاها الذی یخضب هذه من هذه ای لحیته من رأسه وانه قسیم النار یدخل اولیائه الجنة واعداءه النار۔[1]

"اصحاب صحاح اور ائمۂ حدیث نے وہ حدیثیں روایت کیں، جن میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو غیب کی خبریں دیں، مثلاً یہ وعدہ کہ وہ دشمنوں پر غالب آئیں گے اور مولیٰ علی کی شہادت اور یہ کہ امت کا بدبخت ترین ان کے سر مبارک کے خون سے ریشِ مطہر کو رنگے گا اور یہ کہ مولیٰ علی قسیمِ دوزخ ہیں، اپنے دوستوں کو بہشت میں اور اپنے دشمنوں کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے"

کیا قاضی عیاض شیعہ تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں، وہ اہل سنّت کے مسلم بزرگ اور امام ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

کان امام وقته فی الحدیث وعلومه (الیٰ ان قال) وکان له عنایة کثیرة به والاهتمام بجمعه وتقییده وهو من اهل الیقین فی العلم والذکاء والفطنة والفهم۔[2]

"قاضی عیاض اپنے دور میں حدیث اور علومِ حدیث کے امام تھے۔ حدیث کی طرف ان کی توجہ بہت تھی۔ حدیث کے جمع کرنے اور ضبط کا اہتمام کرتے تھے، وہ علم وفہم اور ذکاوت وفطانت میں صاحبِ یقین تھے۔"

شافعیہ کے عظیم ترین عالم حضرت علامہ نووی مسلم شریف کی شرح میں اکثر وبیشتر علامہ قاضی عیاض کے حوالے بطورِ استشہاد نقل کرتے ہیں۔ اس خارجیت کا کیا کیا جائے کہ جسے محبِ اہل بیت دیکھا اُسے رافضی اور شیعہ کا لقب دے دیا، حالانکہ اہل سنّت کا امتیازی

---

[1] قاضی عیاض مالکی: الشفاء (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ج ۱، ص ۲۲۳

[2] نواب صدیق حسن خاں: ابجد العلوم ج ۳، ص ۱۴۸

نشان یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام واہل بیت عظام دونوں کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ امام شافعی کو بھی اہل بیت کی محبت پر رافضی ہونے کا الزام دیا گیا تھا۔ امام نے اس کے جواب میں فرمایا: ؎

لوکان رفضا حب آلِ محمد
فلیشھد الثقلان انی رافض[1]

"اگر آلِ محمد کی محبت رفض ہے، تو جن و انسان گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔"

یعنی یہ غلط ہے کہ اہل بیت کی محبّت رفض ہے، رافضی تو صحابہ کرام سے عداوت رکھتے ہیں، جیسے خارجی اہل بیت کے دشمن ہیں، اہل سنّت دونوں محبتوں کے جامع ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اہل سُنّت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

شفاء شریف کی شرح نسیم الریاض میں علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ ابن اثیر نے نہایہ میں بیان کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انا قسیم النار[2]

علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں:

"ابن اثیر ثقہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا ہے، وہ رائے سے نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا یہ حکماً حدیث مرفوع ہے، کیونکہ اس میں اجتہاد کا دخل نہیں ہے۔"[3]

---

[1] ابن حجر مکی ہیتمی: الصواعق المحرقة (مکتبة القاہرہ، مصر) ص ۳۳

[2] احمد شہاب الدین الخفاجی، علامہ: نسیم الریاض (مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ) ج ۳، ص ۱۶۳

[3] ایضاً:

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد حضرت شاذان فضلی نے "جزء ردّ الشمس" میں روایت کیا ہے۔ [1]

کیا اس کے باوجود بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ شیعی روایت ہے؟

کیا حضرت شاذان فضلی، قاضی عیاض، ابن اثیر اور علامہ شہاب الدین خفاجی سب ہی شیعہ ہیں؟

دوسری روایت کے بارے میں سنیے، حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فقد ورد مرفوعا "انما سمیت فاطمۃ لان اللہ قد فطمھا وذریتھا عن النار یوم القیامۃ" اخرجہ الحافظ الدمشقی، وروی النسائی مرفوعا "انما سمیت فاطمۃ لان اللہ تعالیٰ فطمھا ومحبیھا عن النار" [2]

"مرفوعاً وارد ہے (یعنی یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے) کہ فاطمہ، اس لیے نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی اولاد کو قیامت کے دن آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ روایت حافظ الحدیث ابن عساکر دمشقی نے بیان کی۔ امام نسائی حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ، اس لیے نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبین کو آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔"

اب بتایا جائے کہ اس روایت کے بیان کرنے پر صرف امام احمد رضا بریلوی کو شیعہ ہونے کا الزام دیا جائے گا یا اس الزام میں حافظ ابن عساکر دمشقی، امام نسائی اور ملا علی قاری کو بھی شریک کیا جائے گا؟ ان حضرات کو شیعہ قرار دینے والا کیا اپنا نام خوارج کی فہرست میں داخل نہیں کرائے گا؟

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: الامن والعلیٰ (کامیاب دار التبلیغ، لاہور) ص ۵۹

[2] علی بن سلطان محمد القاری: شرح فقہ اکبر (مصطفی البابی، مصر) ص ۱۱۰

الزام ۵: "وہ کہتے تھے کہ اغواث یعنی مخلوق کے مددگاروں اور وہ جن سے مدد طلب کی جاتی ہے، کی ترتیب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوکر حضرت حسن عسکری تک ہے۔ حضرت حسن عسکری شیعہ کے نزدیک بارھویں امام ہیں۔"[1]

یہ نقل، اصل کے بالکل خلاف ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"غوث اکبر و غوث ہر غوث حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے (اس سلطنت میں وزیر دستِ چپ وزیر دستِ راست سے اعلیٰ ہوتا ہے) اور فاروقِ اعظم وزیر دستِ راست، پھر امت میں سب سے پہلے درجۂ غوثیت پر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المؤمنین فاروق اعظم و عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزیر ہوئے۔

پھر مولیٰ علی کو (غوثیت عطا ہوئی) اور امامین محترمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے۔ پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب مستقل غوث ہوئے۔ امام حسن عسکری کے بعد حضور غوث اعظم تک جتنے حضرات ہوئے، سب ان کے نائب ہوئے۔ ان کے بعد سیّدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مستقل غوث، حضور تنہا غوثیت کبریٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔"[2]

---

[1] ظہیر: البریلویہ، ص ۲۲

[2] محمد مصطفےٰ رضا خاں، مولانا: ملفوظات (مطبوعہ لاہور) ص ۱۱۵

اس عبارت کے دو پیرے ہیں، الزام دینے کے لیے صرف دوسرے پیرے کا ایک حصّہ نقل کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے نزدیک پہلے غوث حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آخری غوث حضرت حسن عسکری ہیں یعنی ان کے نزدیک صرف وہی شیعوں کے بارہ امام ہی غوث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حاشیہ میں بہ طور حوالہ صرف "ملفوظات" لکھنے پر اکتفا کیا گیا، صفحہ نمبر نہیں لکھا گیا تاکہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت نہ کھُل جائے! انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا نے امت میں سب سے پہلا غوث حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرار دیا ہے اور آخر میں سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا ہے کیا شیعہ ان حضرات کو غوث مانتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

پھر یہ کہنا کہ یہی شیعہ کے بارہ امام ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حضرات اہل سنت کے نزدیک بھی مسلّم روحانی پیشوا ہیں، شیعہ سے فرق اس لحاظ سے ہے کہ اہل سُنّت کے نزدیک یہ حضرات معصوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظمِ مملکت کے لیے مقرر کردہ خلیفہ نہیں ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانتے ہیں، جبکہ شیعہ کا ان امور میں اختلاف ہے۔

علامہ سعد الدّین تفتازانی فرماتے ہیں:

والمشائخ فی علم السرّ وتصفیۃ الباطن فان المرجع فیہ الی العترۃ الطاھرۃ [1]

"مشائخ نے علم سرّ اور تصفیۂ باطن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استناد کیا ہے، کیونکہ اس علم کا سرچشمہ اہل بیت کرام ہیں۔"

علامہ نے نہ صرف یہ قول نقل کیا ہے، بلکہ اسے برقرار رکھا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا:

---

[1] سعد الدین مسعود التفتازانی، علامہ: شرح مقاصد (دار المعارف النعمانیہ، لاہور) ج ۲، ص ۳۰۰

جناب فخر المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب قدس سرہٗ در تفہیماتِ الٰہیہ وغیرہ صفاتِ اربعہ کہ عصمت وحکمت ووجاہت وقطبیت باطنہ است برائے حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام ثابت کردہ اند[1]

"فخر المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے تفہیماتِ الٰہیہ وغیرہ میں عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت چار صفتیں بارہ اماموں کے لیے ثابت کی ہیں۔"

کیا یہ عقیدہ خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کے خلاف نہیں ہے؟

اس کے جواب میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں،

"قطبیت باطنہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو مخصوص فرما دیتا ہے کہ فیض الٰہی اولاً و بالذات ان پر نازل ہوتا ہے، پھر ان سے دوسروں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اگرچہ بہ ظاہر کوئی ان سے کسب فیض نہ کرے جیسے سورج کی شعاعیں روشن دان کے ذریعے کسی گھر میں پہنچیں تو اولاً وہ روشندان، روشن ہوگا اور اس کے واسطہ سے گھر کی تمام چیزیں روشن ہوں گی۔ اس کو قطب ارشاد بھی کہتے ہیں، برخلاف قطب مدار کے۔

خلاصہ یہ کہ از روئے تحقیق ان چار صفات کا (بارہ اماموں کے لیے) ثابت کرنا نہ مذہب اہل سنت کے خلاف ہے، اگرچہ ظاہر بین حضرات ان الفاظ کے استعمال سے گھبرائیں گے اور نہ شیخین کی افضلیت کے خلاف ہے جس پر تمام اہلِ حق کا اتفاق ہے۔" (ترجمہ)[2]

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز

---

[1] عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی فارسی (مجتبائی، دہلی) ج ۱، ص ۱۲۷

[2] ایضاً: ص ۱۲۹

محدث دہلوی کے نزدیک بارہ امام نہ صرف روحانی پیشوا ہیں، بلکہ عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ چاروں صفات کے حامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فیض اولاً ان پر نازل ہوتا ہے اور ان کے واسطے سے دوسروں تک پہنچتا ہے۔ کیا علامہ تفتازانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سب کے سب شیعہ ہیں؟ یا یہ فتویٰ امام احمد رضا بریلوی ہی کے لیے مختص ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ ارشاد بھی توجہ طلب ہے:

و معنی امامت کہ در اولاد حضرت امیر باقی ماند و یکے مر دیگرے را وصی آں می ساخت ہمیں قطبیتِ ارشاد و منبعیتِ فیض ولایت بود و لہذا الزام ایں امر بر کافۂ خلائق از ائمۂ اطہار مروی نشدہ بلکہ یارانِ چیدہ و مصاحبانِ برگزیدہ خود را باآں فیض خاص مشرف می ساختند و ہر یکے را بقدر استعداد او بایں دولت می نواختند۔ [1]

"حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں جو امامت باقی رہی اور ان میں سے ایک، دوسرے کو وصی بناتا رہا۔ وہ یہی قطبیتِ ارشاد اور فیضِ ولایت کا منبع ہونا تھا، اسی لیے ائمۂ اطہار میں سے کسی سے مروی نہیں کہ انہوں نے امامت کا تسلیم کرنا تمام انسانوں پر لازم قرار دیا ہو، بلکہ اپنے چیدہ چیدہ دوستوں اور منتخب مصاحبوں کو اس فیضِ خاص سے مشرف فرماتے تھے، اور ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق اس دولت سے نوازتے تھے۔"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ایک اور فرمان ملاحظہ ہو جو چشمِ بصیرت کے لیے سرمہ ثابت ہوگا:

"نیز پچھلے امام مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا تمام اہل سنت

---

[1] عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تحفہ اثنا عشریہ، ص ۲۱۴

کے مقتدا اور پیشوا ہوئے ہیں کہ اہل سنّت کے علماء مثلاً زہری، امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے ان حضرات کی شاگردی اختیار کی ہے اور اس وقت کے صوفیاء مثلاً حضرت معروف کرخی وغیرہ نے ان حضرات سے کسبِ فیض کیا اور مشائخ طریقت نے ان حضرات کے سلسلہ کو سلسلۃ الذہب قرار دیا اور اہل سنّت کے محدثین نے ان بزرگوں سے ہر فن خصوصاً تفسیر و سلوک میں احادیث کے دفتروں کے دفتر روایت کیے ہیں۔" [1]

اب تو اہل سنّت کے ائمۂ مجتہدین، محدثین، مفسرین اور صوفیاء کو بھی شیعہ قرار دے دیجئے کہ وہ ائمۂ اہل بیت سے ہر قسم کا استفادہ اور استناد کرتے رہے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی تو بارہ اماموں کو غوث ہی مانتے ہیں، لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تو بارہ اماموں کو معصوم اور قطب ارشاد بھی مانتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کی تائید کر رہے ہیں، ان کے شیعہ ہونے پر تو بہت پختہ مُہر ثبت ہونی چاہیے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بارہ اماموں کو چار صفات، عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ کا حامل قرار دیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کے معصوم ہونے کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "عصمت کے دو معنی ہیں: (۱) گناہ پر قادر ہونے کے باوجود اس کا صدور محال ہو اور یہ معنی باجماع اہل سنّت، حضراتِ انبیاء اور ملائکہ علویہ کے ساتھ مخصوص ہے (۲) گناہ کا صادر ہونا جائز ہے، اس پر کوئی محال لازم نہیں آتا لیکن اس کے باوجود صادر نہ ہو اور اس معنی کو صوفیہ محفوظیت کہتے ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے صوفیہ کے کلام میں اپنے لیے عصمت کی دعا واقع ہے" (ترجمہ) [2]

---

[1] عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۳

[2] ایضاً: فتاویٰ عزیزی فارسی ج ۱، ص ۱۲۸

الزام ۱۶: انہوں نے کہا کہ علی مرتضیٰ اس شخص کی بلا کو دفع کرتے ہیں اور تکلیفوں کو دُور کرتے ہیں جو مشہور دُعا سیفی سات بار، تین بار، یا ایک بار پڑھے اور وہ دُعا یہ ہے:

نادِ علیاً مظہر العجائب والغرائب، تجدہ عوناً لك فی النوائب، كل همّ وغمّ سینجلی بولایتك یا علیّ یا علیّ یا علیّ۔[1]

امام احمد رضا بریلوی نے یہ دُعا ایک ایسی کتاب سے نقل کی ہے جس کی اجازتیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے اساتذۂ حدیث سے لیتے اور اپنے شاگردوں کو دیتے رہے، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

> "طرفہ تر یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے" انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" سے روشن کہ شاہ صاحب والامناقب اور ان کے بارہ اساتذۂ علمِ حدیث ومشائخِ طریقت جن میں مولانا طاہر مدنی اور ان کے والد و استاذ و پیر مولانا ابراہیم کردی اور ان کے استاذ مولانا احمد قشاشی اور ان کے استاذ مولانا احمد شناوی اور شاہ صاحب کے استاذ الاستاذ مولانا احمد نخلی وغیرہم اکابر داخل ہیں کہ شاہ صاحب کے اکثر سلاسلِ حدیث انہیں علماء سے ہیں۔ "جواہرِ خمسہ" حضرت شاہ محمد گوالیاری علیہ رحمۃ الباری وخاص "دُعائے سیفی" کی اجازتیں لیتے اور اپنے مریدین ومعتقدین کو اجازت دیتے۔"[2]

اب بجائے اس کے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے اساتذہ اور حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کو مشرک، بدعتی اور شیعہ قرار دیا جاتا، اُلٹا امام احمد رضا بریلوی پر

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۲

[2] احمد رضا خاں بریلوی، امام: الامن والعلیٰ (مطبوعہ لاہور) ص ۱۲

شیعہ ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اگر دعائے سیفی کو ماننے کی بناء پر امام احمد رضا بریلوی شیعہ قرار پاتے ہیں، تو مذکورہ بالا تمام حضرات سے دست بردار ہو کر اعلان کر دیجئے کہ وہ شیعہ اور مشرکانہ عقائد کے حامل تھے، آخر یہ تفریق کیوں؟

اسی الزام میں یہ بھی کہا گیا ہے:

یہ شعر دفع امراض کے لیے مفید اور حصول وسیلہ و ثواب کا سبب ہے ؎

لِیْ خَمْسَۃٌ اُطْفِیْ بِہَا حَرَّ الْوَبَاءَ الْحَاطِمَۃُ
اَلْمُصْطَفٰی وَالْمُرْتَضٰی وَابْنَاھُمَا وَالْفَاطِمَۃُ[1]

یہ شعر فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۸۷ کے حوالے سے نقل کیا گیا، حالانکہ اس صفحہ میں یہ شعر کہیں بھی موجود نہیں ہے ۔۔ اس شعر اور دُعائے سیفی میں اہل بیت کرام سے توسل کیا گیا ہے جو امّتِ مُسلمہ کا سلفاً و خلفاً معمول رہا ہے۔ اس کی تفصیل تو توسّل کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں۔ سر دست امام شافعی کا یہ شعر ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

آل النبی ذریعتی وھم الیہ وسیلتی
ارجو بھم اُعطیٰ غداً بید الیمین صحیفتی[2]

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی آل پاک، بارگاہِ الٰہی میں میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں امید ہے کہ قیامت کے دن اُن کے وسیلے سے مجھے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔"

الزام ۷: "وہ علمِ جفر اور جامعہ کو مانتے ہیں، جفر وہ جلد تھی جس میں جعفر صادق نے ہر وہ چیز لکھ دی تھی جو قیامت تک ہونے والی تھی اور جس کی معرفت کی اہل بیت کو ضرورت ہو سکتی تھی، نیز جفر و جامعہ حضرت علی کی دو کتابیں ہیں

---

[1] ظہیر: البریلویۃ، ص ۲۲

[2] ابن حجر مکی ہیتمی: الصواعق المحرقہ، ص ۱۸۰

جن میں انتہائے دنیا تک کے ہونے والے حوادث علم الحروف کے طریقہ پر لکھ دیئے تھے اور آپ کی اولاد میں سے ائمہ معروفین ان کو جانتے تھے۔"[1]

(ترجمہ ملخصاً)

علمی دنیا میں ایسی باتوں کی کیا وقعت ہے؟ علم جفر کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہے۔ اس علم کے شروع کرنے سے پہلے چند اسماء الٰہیہ کا ورد کیا جاتا ہے۔ خواب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اگر حضور اجازت دیں، تو اس فن کو شروع کرے، ورنہ چھوڑ دے[2] کیا جو علوم قدیم زمانے سے چلے آرہے ہوں، جن کو حضور اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے شروع کیا جاتا ہو اور جو ائمۂ اہل بیت کا خصوصی علم ہو، کیا اسے جان لینے یا اس کے مان لینے سے انسان شیعہ ہو جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمۂ اہل بیت، اہل سنت کے محدثین، مفسرین، فقہاء، وصوفیاء کے مقتدا و پیشوا ہیں، کیا ان سب پر تشیّع کا حکم لگایا جائے گا؟ پھر یہ بھی قابلِ غور حقیقت ہے کہ شریعتِ مبارکہ نے جن علوم سے منع نہ کیا ہو، ان پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی۔ نحو اور بلاغت کے بڑے بڑے ائمہ معتزلی ہوتے ہیں۔ کیا ان علوم میں مہارت حاصل کرنے والا معتزلی ہو جائے گا۔

الزام ع۸: انہوں نے یہ جھوٹی روایت نقل کی، اسے برقرار رکھا، اور اہل سنت کو اس کی تلقین کی:

رضا سے کہا گیا ——— جو امام ثامن اور شیعہ کے نزدیک معصوم ہیں ——— (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مجھے ایک کلام تعلیم فرمائیے کہ اہل بیت کرام کی زیارت میں عرض کیا کروں؟ فرمایا قبر سے نزدیک ہو کر چالیس بار تکبیر کہہ، پھر عرض کر،

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۲

[2] محمد مصطفےٰ رضا خاں، مفتئ اعظم: ملفوظات ص ۱۵۰-۱۴۹

سلام آپ پر اے اہل بیتِ رسالت! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کو اپنی طلب و خواہش و سوال و حاجت کے آگے کرتا ہوں، خدا گواہ ہے مجھے آپ کے باطنِ کریم و ظاہرِ طاہر پر سچے دل سے اعتقاد ہے اور میں اللہ کی طرف بری ہوتا ہوں۔ ان سب جنّ و انس سے جو محمد اور آلِ محمد کے دشمن ہوں۔"[1]

اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے؟ امام احمد رضا بریلوی، حضرت علی موسیٰ رضا کا یہ فرمان خواجہ حافظی واسطی کی تصنیف فصل الخطاب اور شیخِ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف جذب القلوب سے نقل فرما رہے ہیں۔[2]

شیخ محقق کی عظمت و ثقاہت کو نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ان لفظوں میں خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں:

اعلم ان الهند لم يكن بها علم الحديث منذ فتحها اهل الاسلام (الی ان قال) حتّٰی منّ اللہ تعالیٰ علی الهند بافاضة هذا العلم علیٰ بعض علمائها کالشیخ عبدالحق بن سیف الدین الترك الدهلوی المتوفی سنة اثنتین وخمسین والالف وامثالهم وهو اول من جاء به هذا الاقلیم وافاضه علی سکانه فی احسن تقویم[3]

جب سے مسلمانوں نے ہندوستان فتح کیا، یہاں علمِ حدیث کا چرچا نہیں تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان پر احسان فرمایا اور یہ علم وہاں کے علماء کو

---

[1] ظہیر؛ البریلویۃ ص ۲۳

[2] احمد رضا بریلوی، امام؛ فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ مبارکپور، انڈیا) ج ۴، ص ۲۹۹

[3] صدیق حسن خاں، نواب؛ الحطۃ (اسلامی اکادمی۔ لاہور) ص ۱ ـ ۱۶۰

عطا فرمایا، جیسے شیخ محقق عبد الحق ابن سیف الدین ترک دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) وغیرہ علماء اور وہ اس علم کو اس خطے میں لانے اور یہاں کے باشندوں میں بہترین طریقوں پر پھیلانے والے پہلے بزرگ ہیں۔“

رہا یہ اعتراض کہ امام علی رضا شیعہ کے آٹھویں امام ہیں، تو اُس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی تصنیف تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۳ کے حوالہ سے اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت امام رضا اہل سنت کے محدثین، مفسرین، فقہاء اور صوفیاء کے مقتداء ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

(علی الرضا) وھو انبھھم ذکرا واجلھم قدرا.....
ومن موالیه معروف الکرخی استاذ السرّی السقطی
لانه اسلم علی یدیه۔[1]

”علی رضا ائمۂ اہل بیت میں سے جلیل القدر عظیم المرتبہ ہیں۔ سرّی سقطی کے استاذ معروف کرخی ان کے موالی میں سے ہیں، کیونکہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔

اس کے بعد امام رضا کی متعدد کرامتیں بیان کی ہیں۔ اہل بیت اور ان کے ائمہ سے عداوت اہل سُنّت کا نہیں، خوارج کا شیوہ ہے...... اہل سنّت وجماعت جس طرح صحابۂ کرام کے دشمنوں سے بری ہیں، اسی طرح اہل بیت کے دشمنوں سے بھی بری ہیں۔

الزام ۹: ”انہوں نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ امام حسین کے مزار کی تصویر، گھر میں بہ طورِ تبرک رکھنا جائز ہے۔“[2]

بے شک بے جان چیز کی تصویر اپنے پاس رکھنا اور بنانا جائز ہے اور ایسی چیزیں

---

[1] احمد بن حجر المکی الہیتمی: الصواعق المحرقۃ (مکتبۃ القاہرہ) ص ۲۰۴

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۳

معظمان دین کی طرف منسوب ہو کر تقدس حاصل کر لیتی ہیں، کعبہ شریف اور روضہ مبارکہ کی تصویریں بہ طور تبرک اپنے پاس رکھنے کو کون سا مسلمان پسند نہیں کرے گا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک کے نقشے صدہا سال سے ائمۂ دین بناتے رہے ہیں اور ان کے فوائد و برکات میں مستقل رسالے تحریر فرماتے رہے جسے شوق ہو علامہ تلمسانی کے رسالہ فتح المتعال اور امام احمد رضا بریلوی کا رسالہ شفاء الوالہ کا مطالعہ کرے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ مبارکہ کا ماڈل (تعزیہ) جو تیار کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

> "اوّل تو نفسِ تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی۔ ہر جگہ نئی تراش، نئی گڑھت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ، دشت بدشت اشاعتِ غم کے لیے اُن کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شور افگنی، کوئی ان تصویروں کو جُھک جُھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغولِ طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہوا ہے، کوئی ان مایۂ بدعات کو معاذ اللہ معاذ اللہ! جلوہ گاہ حضرت امام، علی جدہٖ و علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا، منتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے . . . . اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے . . . . . . روضۂ اقدس حضور سیّد الشہداء کی ایسی تصویر (ماڈل) بھی نہ بنائے، بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے (فوٹو) پر قناعت کرے۔"[1]

کیا ہے کوئی شیعہ جو اس قسم کا فتویٰ دے؟

ابو الحسن علی ندوی، اہل حدیث لکھتے ہیں:

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: رسالہ تعزیہ داری (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ص ۴-۳

ویحرم صنع الضرائح منسوبة الی الحسین علیه و علی آبائه السلام، التی یصنعها اهل الهند بالقرطاس ویسمونها "تعزیة"[1]

"امام حسین علیہ وعلی آبائہ السلام کی طرف منسوب قبروں کے بنانے کو حرام قرار دیتے تھے جو اہل ہند کاغذ سے بناتے ہیں اور جسے تعزیہ کہتے ہیں۔"

الزام ۱۰: "ان کا سلسلۂ بیعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ائمۂ شیعہ کے ذریعے پہنچتا ہے جیسا کہ انہوں نے خود اپنی عربی عبارت میں ذکر کیا ہے:

اللّٰھم صل و بارك علی سیّدنا ومولانا محمّدن المصطفٰی رفیع المکان، المرتضٰی علیّ الشان، الّذی رُجَیْلٌ من امّته خیر من الرّجال السالفین وحُسَینٌ من ترمرته احسن من کذا وکذا حَسَنًا من السابقین، السیّد السّجاد زین العابدین، باقر علوم الانبیاء والمرسلین، ساقی الکوثر ومالك تسنیم وجعفر الذی یطلب موسیٰ الکلیم رضا ربه بالصّلوٰة علیه[1]

جن ائمۂ اہل بیت کے ذریعے امام احمد رضا بریلوی کا سلسلۂ بیعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، ان ائمہ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی معصوم مانتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی انہیں اہل سنت کے پیشوا ومقتدیٰ قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ سید احمد بریلوی پیر ومرشد شاہ اسمعیل دہلوی کا سلسلۂ طریقت بھی انہی ائمہ بیت کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تک پہنچتا ہے۔[2]

---

[1] ظہیر: البریلویة ص ۲۳

[2] محمد علی، سید: مخزنِ احمدی (مطبع مفید عام، آگرہ)، ص ۱۲ - ۱۱

اگر اسی بنا پر کسی کو شیعہ قرار دیا جا سکتا ہے، تو ماننا پڑے گا کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیز اور سیّد صاحب بھی شیعہ تھے اور ان کے دامن سے وابستہ علماء اہل حدیث بھی لازماً شیعہ ٹھہریں گے

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، پیشوائے اہل حدیث شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

مسند الوقت الشیخ الاجل[1]

نیز کہتے ہیں:

"علمِ حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول اور ان سے متعلق علوم، صرف اسی خانوادے میں تھے۔ اس بارے میں کوئی موافق یا مخالف اختلاف نہیں کر سکتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے انصاف سے اندھا کر دیا ہو۔"[2]

عربی شجرہ طریقت

مارہرہ شریف کے بزرگ سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے عرس کے موقع پر مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی تشریف فرما تھے۔ میں نے مولانا عبد المجید بدایونی کا شجرہ عربی بصورتِ درود شریف دکھایا اور کہا کہ ہمارا شجرہ بھی عربی؛ درود شریف کی صورت میں لکھ دیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اُسی وقت میاں صاحب بھائی مرحوم کے قلمدان سے قلم لے کر قلم برداشتہ بغیر کوئی مسودہ کئے ہوئے ہمارے وظیفہ کی کتاب پر نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے مرصع و مسجع صیغہ درود شریف میں شجرۂ قادریہ برکاتیہ جدیدہ تحریر فرمایا۔"[3]

---

[1] صدیق حسن خاں، نواب: ابجد العلوم، ج ۳، ص ۲۴۱

[2] ایضاً " ص ۲۴۴

[3] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۱۳۱

امام احمد رضا کے قلم سے لکھے ہوئے اس شجرہ کا عکس انوارِ رضا (ص ۲۸ تا ۳۰) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ شجرہ مارہرہ شریف میں ۱۲ محرم بروزِ جمعہ ۱۳۰۶ھ کو تحریر فرمایا۔[1] بلاشبہ عربی زبان پر امام احمد رضا کی دسترس کا بہترین گواہ اور عربی ادب کا شہ پارہ ہے — لسانِ عربی کا ماہر اسے دیکھے تو پھڑک اُٹھے، لیکن جسے اس کا مطلب ہی سمجھ نہ آئے، وہ اعتراض کے سوا کیا کرسکتا ہے؟ اور اعتراض بھی ایسے کمزور کہ جنہیں دیکھ کر اہلِ علم مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں، لکھا ہے:

> "اس عبارت سے عربی میں ان کا نابغہ اور ماہر ہونا ظاہر ہوجاتا ہے، وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تین سال کی عمر میں عربی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔"[2]

جب کہ اُن کی اپنی حالت یہ ہے کہ عربی عبارت صحیح نقل بھی نہ کرسکے، اصل عبارت یہ تھی "خَیْرٌ مِنْ رِجَالٍ مِنَ السَّالِفِیْنَ" اسے یوں نقل کردیا: "خیر من الرجال السالفین" یعنی رجالٍ پر الف لام زیادہ کردیا اور اس کے بعد "مِنْ" حذف کردیا۔ رِجَالٍ پر تنوین تعظیم کے لیے تھی، اس کے حذف کرنے سے اصل مفہوم برقرار نہیں رہا۔ پھر کئی جگہ قومہ (،) بے موقع اپنے پاس سے لگادیا، مثلاً "کذا وکذا، حسناً" کے درمیان اسی طرح تسنیم اور جعفر کے درمیان اور یَطْلُبُ اور مُوسی الکلیم کے درمیان جعفر کے بعد قومہ ہونا چاہیے تھا، جو نہیں دیا گیا۔ اگر عبارت کا مطلب سمجھ میں آجاتا تو یہ تبدیلیاں رونما نہ ہوتیں۔

دراصل شجرۂ طریقت میں جتنے بزرگوں کے نام تھے، اُن کو امام احمد رضا بریلوی نے یا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بنادیا ہے یا کسی طور پر آپ کے وصف میں ذکر لے آئے ہیں اور اس درود شریف کا ترجمہ

---

[1] شرکتِ حنفیہ، لاہور : انوارِ رضا ص ۳۰

[2] ظہیر : البریلویۃ ص ۲۳

ملاحظہ ہو، تردّد جاتا رہے گا۔

> "اے اللہ! صلوٰۃ و سلام اور برکت نازل فرما، ہمارے آقا و مولا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، منتخب بلند مرتبے والے، پسندیدہ عالی شان والے پر، جن کی امت کا ایک چھوٹا مرد پہلے بڑے بڑے مردوں سے بہتر ہے اور جن کے گروہ کا چھوٹا سا حسین گزشتہ بڑے بڑے حسینوں سے زیادہ حسن والا ہے، سر دار بہت سجدے کرنے والے عابدوں کی زینت، انبیاء و مرسلین کے علوم کے کھولنے والے کوثر کے ساقی، تسنیم اور جعفر (جنت کی نہر) کے مالک، وہ کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ان پر درود بھیج کر ان کے رب کی رضا طلب کرتے ہیں۔"

یہ تمام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں، شجرہ میں امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی تھا اور حُسَین تصغیر کا صیغہ ہے، جس کا استعمال حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بے ادبی تھا اس لیے اسے انتہائی حسین اور لطیف طریقے پر لائے ہیں:

> "جن کے گروہ کا چھوٹا سا حسین، گزشتہ بڑے بڑے حسینوں سے زیادہ حُسن والا ہے۔"

سبحان اللہ! کیا پاس ادب ہے اور کیا حُسنِ بیان! چونکہ یہ اس عبارت کا مطلب نہیں سمجھے، اس لیے بڑے بھولپن سے کہتے ہیں:

> "پتا نہیں یہ کونسی ترکیب ہے اور کیسی عبارت ہے؟"

مطلب سمجھ میں آجاتا، تو اس سوال کی نوبت ہی نہ آتی — پھر کہتے ہیں:

> "باقر علوم الانبیاء کا کیا معنی ہے؟"

اتنی واضح عبارت کا معنی بھی سمجھ میں نہیں آتا، اس کے باوجود امام احمد رضا کی عربی دانی پر نکتہ چینی، گزشتہ سطور پر ترجمہ دیا جا چکا ہے، اسے دیکھنے سے معنی سمجھ میں آجائے گا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر کو باقر اس لیے کہتے ہیں:

لانہ بقر العلم ای شقہ و فتحہ فعرف اصلہ و تمکن فیہ ۔[1]

"کہ انہوں نے علم کو کھول دیا، اس کی اصل کو پہچانا اور اس میں ماہر ہوئے۔"

"باقر علوم الانبیاء" کا معنی ہوگا، انبیاء کے علم کو کھولنے والے اور بیان فرمانے والے یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصف ہے۔ پھر کہتے ہیں:

وما معنی "بالصلٰوۃ علیہ"؟

"بالصلاۃ علیہ" کا معنی کیا ہے؟

پورے جملہ کا ترجمہ دیکھئے معنی سمجھ میں آجائے گا۔

"وہ کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ان پر درود بھیج کر ان کے رب کی رضا طلب کرتے ہیں۔"

الزام نمبر ۱۱: "انہوں نے پاک و ہند اور بیرونی ممالک کے اہل سنت کی تکفیر کی اور تصریح کی کہ ان کی مسجدیں، مسجدیں نہیں، ان کی ہم نشینی اور ان سے نکاح جائز نہیں، لیکن شیعہ کو اپنے فتووں کا ہدف نہیں بنایا، ان کے مراکز اور امام باڑوں کے بارے میں گفتگو نہیں کی۔ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ شیعہ نے ایک امام باڑہ بنایا، پھر بریلوی کے پاس گئے، تو انہوں نے اس کا تاریخی نام تجویز کر دیا۔"[2]

یہ بالکل خلافِ حقیقت ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے دنیا بھر کے اہل سنت کی تکفیر کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ابواب میں بیان کیا جائے گا کہ انہوں نے خدا اور رسول کی بارگاہ

---

[1] ابوزکریا یحییٰ بن شرف النواوی: شرح مسلم (نور محمد کراچی)، ج ۱، ص ۱۵

[2] ظہیر: البریلویۃ، ص ۲۴

[3] ایضاً: " ص ۲۴

میں گستاخی کرنے اور ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والوں کے بارے میں حکم شریعت بیان کیا ہے۔

رہا امام باڑہ کا تاریخی نام تجویز کرنا، تو وہ بھی ایک خاص لطیفہ ہے جس سے قارئین کرام لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ۱۲۸۶ھ میں جبکہ امام احمد رضا بریلوی کی عمر چودہ سال تھی، ایک صاحب نے درخواست کی کہ امام باڑہ تعمیر کیا گیا ہے، اس کا تاریخی نام تجویز کر دیجئے۔ آپ نے برجستہ فرمایا:

> "بدرِ رفض" (۱۲۸۶ھ) نام رکھ لیں، اُس نے کہا امام باڑہ گزشتہ سال تیار ہو چکا ہے، مقصد یہ تھا کہ نام میں رفض نہ آئے۔ آپ نے فرمایا: "دارِ رفض" (۱۲۸۵ھ) رکھ لیں۔ اس نے پھر کہا اس کی ابتداء ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی۔ فرمایا: "درِ رفض" مناسب رہے گا۔"[1]

یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے اُن کی خواہش کے مطابق فرمائش پوری نہیں کی اور ایسا نام تجویز کیا جو شیعہ کے لیے قابلِ قبول نہ تھا۔ حیرت ہے کہ اسی واقعہ کو ان کے شیعہ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

گزشتہ صفحات میں اختصار کے پیشِ نظر امام احمد رضا بریلوی کے چند رسائل کے نام پیش کیے گئے ہیں جو ردِ شیعہ میں ہے۔ احکامِ شریعت اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم کے چند صفحات کی نشان دہی کی گئی ہے، جن کے دیکھنے سے معلوم ہو جائے کہ امام احمد رضا نے شیعہ کے رد میں کیسے کیسے فتوے صادر فرماتے ہیں۔

۲۱؍ صفر ۱۳۳۹ھ کو قاضی فضل احمد لدھیانوی (مصنف انوار آفتابِ صداقت) نے ایک استفتاء بھیجا کہ ایک رافضی نے کہا ہے کہ آیۂ کریمہ: "اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ" کے اعداد (۱۲۰۲) ہیں اور یہی عدد ابوبکر، عمر، عثمان" کے ہیں، یہ کیا بات ہے؟

اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۱۴۱

رُوافض لعنہم اللہ تعالیٰ کی بنائے مذہب ایسے ہی اوہام بے سروپا و پا در ہوا پر ہے:

اولاً: ہر آیتِ عذاب کے عدد اسماء اخیار سے مطابقت کر سکتے ہیں اور ہر آیتِ ثواب کے عدد، اسماء کفار سے کہ اسماء میں وسعتِ وسیعہ ہے۔

ثانیاً: امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان ہیں، رافضی نے آیت کو اُدھر پھیرا، ناصبی اِدھر پھیر دے گا اور دونوں ملعون ہیں۔

ثالثاً: رافضی نے اعداد غلط بتائے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامِ پاک میں الف نہیں لکھا جاتا، تو عدد بارہ سو ایک ہیں نہ کہ دو۔

ہاں او رافضی! بارہ سو دو عدد ہیں کا ہے کے؟ ابن سبا رافضہ (۱۲۰۲) کے۔

ہاں او رافضی! بارہ سو دو عدد ہیں اُن کے۔

ابلیس یزید ابن زیاد شیطان الطاق کلینی
ابن بابویہ قمی طوسی حلی (۱۲۰۲)

ہاں او رافضی! اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست
منھم فی شیئ

"بیشک جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے، اے نبی! تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں"

اس آیۂ کریمہ کے عدد ۲۸ ۲۸ ہیں اور یہی عدد ہیں۔

رُوافض اثنا عشریہ شیطنیہ اسمٰعیلیہ کے (۲۸ ۲۸

ہاں او رافضی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لهم اللعنة ولهم سوء الدار

اُن کے لئے لعنت ہے اور اُن کے لیے ہے بُرا گھر

اس کے عدد ہیں ۶۴۴ اور یہی عدد ہیں:

"شیطان الطاق طوسی حلی" کے (۶۴۴) [1]

اس کے بعد متعدد آیات بیان فرمائیں جن میں اجر و ثواب کا ذکر ہے اور ان کے اعداد صحابۂ کرام کے اسماءِ مبارکہ کے اعداد کے برابر ہیں۔ کیا کوئی شیعہ ایسا جواب دے سکتا ہے؟ یقیناً نہیں، تو پھر یہ کہنے دیجئے کہ اہل سنت کے ایسے امام کو کوئی خارجی ہی الزام دے سکتا ہے۔

الزام ۱۲: "انہوں نے بعض قصائد میں ائمۂ شیعہ کی مدح و منقبت میں مبالغہ کیا ہے۔" [2]

اس کے لیے کسی صفحہ نمبر کا حوالہ نہیں دیا، صرف حدائق بخشش کا نام لکھ دیا ہے، کیونکہ اگر صفحہ نمبر لکھ دیا جاتا، تو معلوم ہو جاتا کہ جن حضرات کی منقبت ہے، وہ اہل سنت ہی کے مسلّم پیشوا و مقتداء ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے۔

اہل حدیث کا خود شیعہ ہونے کا اقرار

امام احمد رضا بریلوی پر شیعہ ہونے کے الزامات بلکہ اتہامات کا تجزیہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ الزام دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان کا سلسلۂ بیعت ائمۂ شیعہ کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ انہوں نے ائمۂ شیعہ کی تعریف کی ہے۔ ان

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۹ - ۱۴۸

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۴

الزامات کی حقیقت اس سے پہلے منکشف ہو چکی ہے۔ اس طرزِ استدلال کے مطابق اہل حدیث کے مشہور پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کو بھی شیعہ قرار دینا چاہیے کہ ان کا سلسلۂ نسب ہی اُن ائمہ سے وابستہ ہے — جنہیں ائمۂ شیعہ کہا گیا ہے۔

نواب صاحب اپنے والد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ونسبه الاقصى ينتهى الىٰ سيّدنا زين العابدين على اصغر بن حسين الشهيد بكربلا رضى الله تعالىٰ عنه [1]

"ان کا بالائی سلسلۂ نسب سیدنا زین العابدین علی اصغر ابن حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔"

میاں نذیر حسین دہلوی جو غیر مقلدین کے شیخ الکل ہیں اور جن کے بارے میں کہا جاتا ہے:

من سلالة الرسول الشريف نذير حسين الدهلوى [2]

"خاندانِ رسول میں سے سید نذیر حُسین دہلوی۔"

ان کا شجرۂ نسب، حضرت حسن عسکری سے ملتا ہے اور ان کے سلسلۂ نسب میں وہ تمام حضرات موجود ہیں، جنہیں شیعہ کے بارہ امام کہا گیا ہے۔ [3]

اس سے بھی بڑھ کر نواب وحید الزّماں کا اعتراف سنیے، جو کتبِ حدیث کے مترجم اور اہل حدیث ہیں، لکھتے ہیں:

اهل الحديث هم شيعة على يحبّون اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ويتولونهم ويحفظون فيهم وصيته رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذكركم الله فى اهل بيتى

---

[1] صدیق حسن خاں، نواب: ابجد العلوم ج ۳، ص ۲۶۷

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۱۶۳

[3] فضل حسین بہاری الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب کراچی) ص ۱۱-۱۰

وانی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهل بیتی ویقدمون قول اهل البیت فی المسائل القاسیة علی اقوال الاٰخرین ...... واهل البیت علی والحسن والحسین وفاطمة واولاد فاطمة واولاد اولاد هم الی یوم القیامة[1]

"اہل حدیث، شیعۂ علی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت وموالات رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس وصیت کا پاس رکھتے ہیں کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں:

(۱) کتاب اللہ (۲) میری عترت اور اہل بیت — اور اہل حدیث قیاسی مسائل میں اہل بیت کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر مقدم رکھتے ہیں۔ اہل بیت یہ ہیں: حضرت علی، حسن وحسین، فاطمہ، اولادِ فاطمہ اور قیامت تک ہونے والی ان کی اولاد۔"

ان میں وہ تمام حضرات بھی شامل ہیں جنہیں شیعہ کے بارہ امام کہا گیا ہے۔ اب بتایا جائے کہ اقراری شیعہ کون ہے؟ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک یا نواب وحید الزمان اور ان کے ہم خیال غیر مقلدین؟

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خود ظہیر صاحب کو اُن کے ایک غیر مقلد بھائی مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی طرح الشیعہ والسنۃ لکھنے کے باوجود، شیعہ علماء کے لیے عرب ممالک کے ویزے کے لیے کوششیں کرنے .... کو بھی موضوع مباہلہ بنا لیجیے۔"[2]

شیعہ علماء کو ویزے دلانے کی کوشش ربط معنوی کے بغیر تو نہیں ہوسکتی —

---

[1] وحید الزمان، نواب: ہدیۃ المہدی (مطبوعہ سیالکوٹ) ص ۱۰۰

[2] حافظ عبد الرحمٰن مدنی: ہفت روزہ اہل حدیث لاہور (شمارہ ۳ راگست ۱۹۸۴ء) ص ۷

دُنیا سے بے نیازی اور سخاوت

امام احمد رضا بریلوی خاندانی رئیس تھے، ان کے آباؤ اجداد نادر شاہ کے ساتھ قندھار سے آکر دہلی میں بلند مناصب پر فائز رہے ۔[1]

ڈاکٹر مختار الدین آرزو (علی گڑھ) لکھتے ہیں ؛

"آپ نے امورِ دنیا سے کبھی تعلق نہ رکھا، آپ کے آباؤ اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو گرد و پیش امارت و ثروت کی فضا پائی۔ خود زمیندار تھے، لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا، انہیں کتابوں کی خریداری، سادات کی مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لیے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی، چونکہ داد و دہش کے عادی نہ تھے، اس لیے کبھی ایسا ہوا کہ قلمدان میں ۳½ آنہ سے زیادہ موجود نہیں رہے، لیکن انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔"[2]

ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں ؛

"کاشانۂ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا۔ اس کے علاوہ بیوگان کی امداد و ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکلاً علی اللہ

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا : حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۱۳-۱۴

[2] مختار الدین آرزو، ڈاکٹر : انوارِ رضا ص ۳۶۰

مہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی نہ تھی، بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر رقوم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔" [1]

استغناء نفس کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے طلب نہ فرماتے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> "گاؤں سے رقم آئی نہیں تھی اور ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا ہوں۔" [2]

ان کی اسی ادا کو مخالف کس نظر سے دیکھتا ہے، آپ بھی دیکھیں اور داد دیں، لکھا ہے:

> "بعض اوقات سالانہ ملنے والی رقم کافی نہ ہوتی اور وہ دوسروں سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے، کیونکہ ان کے پاس ڈاک کے ٹکٹ خریدنے کے لیے رقم موجود نہ ہوتی تھی۔" [3] (ترجمہ)

حالانکہ حیاتِ اعلیٰ حضرت کے اسی صفحہ پر امام احمد رضا بریلوی کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ "ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا ہوں" قرض لینے کا کیا معنی؟ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں ہوتا، اس کے باوجود کسی سے طلب نہیں کرتا۔

یہ اعتراض بھی دیدۂ حیرت سے دیکھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں:

> "(ایک طرف تو یہ تنگ دستی کہ ٹکٹ کے لیے پیسے نہیں) دوسری طرف یہ کہ انہیں دستِ غیب سے بکثرت مال و دولت ملتا تھا۔ بہاری رضوی (مولانا ظفر الدین بہاری) راوی ہیں کہ بریلوی کے پاس ایک مقفل صندوقچی تھی، جسے وہ بوقتِ ضرورت ہی کھولتے تھے اور جب اُسے کھولتے تو مکمل طور پر نہیں کھولتے تھے، اس میں ہاتھ ڈالتے اور مال، زیور اور کپڑے جو چاہتے نکال لیتے تھے۔"

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ص ۵۲

[2] ایضاً: ص ۵۸

[3] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۴

وکان یخرج منہا ما شاء من المال والحلی والثیاب[1]

یہ واقعہ مولانا نسیم بستوی کی کتاب اعلیٰ حضرت بریلوی کے حوالہ سے بیان کیا۔ پھر حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۷۵ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

"بریلوی کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اپنے احباب اور دوسرے لوگوں میں کثیر زیورات تقسیم کیا کرتے تھے۔"

(کان یوزع علی النّاس)[2]

اس جگہ چند امور لائقِ توجّہ ہیں:

(۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت بریلوی دونوں کتابوں میں ایک ہی واقعہ جبل پور کا بیان کیا گیا ہے۔ نیز راوی بھی ایک ہیں سیّد ایوب علی رضوی، لیکن تاثّر یہ دیا جا رہا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں، بلکہ کان یخرج اور کان یوزّع کے الفاظ سے تو یہ تاثّر دیا جا رہا ہے کہ یہ واقعہ عام طور پر پیش آتا رہتا تھا، حالانکہ دونوں کتابوں میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

(۲) حیاتِ اعلیٰ حضرت میں اسی واقعہ کے دوسرے راوی مولانا حسنین رضا خاں، امام احمد رضا خاں بریلوی کے بھتیجے ہیں، انہیں بیٹا قرار دینا تسامح سے خالی نہیں

(۳) ممکن ہے یہ چیزیں پہلے سے صندوقچی میں رکھی ہوئی ہوں، بیان کرنے والے کا یہ تاثر ہے کہ یہ کرامت تھی اور کرامت کا انکار معتزلہ کا شیوہ ہے۔

حضرت ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وخالفهم المعتزلة حیث لم یشاهدوا فیما بینهم هذه المنزلة[3]

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۵—۲۴

[2] ایضاً: " " ص ۲۵

[3] علی بن سلطان محمد القاری، علامہ: شرح فقہ اکبر (مصطفی البابی، مصر) ص ۷۹

"معتزلہ نے اس مسئلہ میں اہلِ سنّت سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ انہیں اپنے افراد میں یہ مرتبہ (کرامت) دکھائی نہیں دیا۔"

(۴) اللہ تعالیٰ بہ طورِ کرامت کسی کے ہاتھ پر ظاہر فرما دے۔ یہ الگ چیز ہے اور دستِ غیب ایک الگ چیز ہے کہ مثلاً ہر روز تکیے کے نیچے سے مخصوص رقم ملتی رہے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"دستِ غیب کے لیے دُعا کرنا محال عادی کے لیے دُعا کرنا ہے جو مثل محال عقلی وذاتی کے حرام ہے۔"[1]

ایک بے سروپا الزام یہ بھی لگاتے ہیں:

"اُن کے مخالفین یہ تہمت لگاتے ہیں کہ دستِ غیب کا صندوقچی وغیرہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ انگریزی استعمار کا ہاتھ تھا جو انہیں اپنے اغراض و مقاصد میں استعمال کرنے کے لیے امداد دیتا تھا۔"[2]

یہ تو آئندہ کسی مقام پر تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ انگریزی امداد کیسے ملتی تھی؟ اس مقام پر تو صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ اس الزام کو مخالفین کی تہمت تسلیم کیا گیا ہے اور البریلویۃ کے ص ۲۶ پر خود اس الزام کی تردید کر دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی آمدن کا ذریعہ مریدین کے تحائف اور امامت کی تنخواہ تھی۔ باقی سب باتیں من گھڑت ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے:

ان ما ذکرناہ و اثبتناہ آخرا ھو الاصح فی دخلہ ومعاشہ والباقی کلھا مختلقات۔[3]

"ان کی آمدن اور ذریعۂ معاش کے سلسلے میں صحیح ترین بات وہی جو ہم نے آخر میں بیان کی، باقی سب ڈھکوسلے ہیں۔"

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: احکامِ شریعت (مدینہ پبلشنگ کراچی) ص ۲۳۰

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۵

[3] ایضاً: 〃 〃 ص ۲۶

قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے الزام کی حقیقت، ڈھکوسلے سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؛ جو ایک صفحے پر مخالفین کی تہمت کے طور پر بیان کیا گیا ہو اور اگلے صفحہ پر خود ہی اس کی تردید کر دی گئی ہو۔

امام احمد رضا بریلوی کی آمدن اور ذریعۂ معاش کے بارے میں اس طرح خیال آرائی کی گئی ہے:

> "ان کی آمدن کا بڑا حصہ، مریدین کی نذروں اور تحائف پر مشتمل تھا یا پھر مسجد کی تنخواہ پر گزر بسر ہوتی تھی، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ بریلوی کے والد یا دادا، زراعت صناعت یا تجارت و حرفت میں مصروف رہے ہوں، یہی حالت بریلوی کی اپنی تھی۔" (ملخصاً)[۱]

علمی دنیا میں اس قسم کے استدلالات کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی، خاندانی رئیس اور زمیندار تھے۔ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت دوسرے لوگوں کے سپرد تھی۔ وہاں سے ہونے والی آمدن بھی آپ کے عزیزوں کے سپرد تھی، جس میں سے وہ کتابوں کی خریداری، ساداتِ کرام کی خدمت اور گھریلو اخراجات کے لیے رقم پیش کر دیا کرتے تھے۔

جناب سید الطاف علی بریلوی جنہوں نے بچپن میں امام احمد رضا بریلوی کی زیارت کی تھی، فرماتے ہیں:

> "مولانا مالی اعتبار سے بہت ذی حیثیت تھے، معقول زمینداری تھی جس کا تمام تر انتظام اُن کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں صاحب کرتے تھے۔ مولانا اور ان کے اہل خاندان کے محلہ سوداگران میں بڑے بڑے مکانات تھے، بلکہ پورا محلہ ایک طرح سے ان کا تھا۔"[۲]

---

[۲] مرید احمد چشتی: جہانِ رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۱۱۷

[۱] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۵

جناب منور حسین سیف الاسلام جو نوعمری میں امام احمد رضا بریلوی کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے، ان کا بیان ہے:

"یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اور اس خاندان کے جتنے بھی حضرات تھے، سب پرانے خاندانی زمیندار تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت بڑے باغات تھے۔ شہر بریلی میں بہت سی دکانیں اور محلوں میں بہت سے مکانات تھے، جن کا کرایہ آتا تھا، مگر مجھ کو کرایہ وصول کرنے والوں سے معلوم ہوا کہ غریبوں، بیواؤں سے کرایہ نہیں لیتے تھے۔" [1]

مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی لکھتے ہیں:

"اُس خاندان سے دکی، دیہات زمینداری سے امیرانہ بسر ہوتی تھی۔"[2]

امام احمد رضا بریلوی کی للّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ہزاروں فتوے تحریر کیے، مگر کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے کسی فتوے پر فیس لی ہو، نماز وہ خود پڑھاتے تھے، لیکن یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے کبھی تنخواہ لی ہو، ان کے شب و روز دین متین اور اُمتِ مُسلمہ کی فی سبیل اللہ خدمت اور راہنمائی میں صرف ہوتے تھے، باقی رہے تحفے تحائف، تو ان کا احباب اور صالحین کو پیش کرنا اور قبول کرنا سنّت سے ثابت ہے۔ بزرگوں کو پیش کیے جانے والے تحائف، عرفی نذر ہیں جس کا معنیٰ ہدیہ اور تحفہ ہے، شرعی نذر نہیں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

ایک شخص نے امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں مٹھائی لا کر پیش کی آپ نے فرمایا: یہ تکلیف کیوں کی؟ اُس نے کہا یہ تحفہ ہے اور بس! کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک تعویذ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا: میں عموماً خود تعویذ نہیں لکھا کرتا، البتہ میرے عزیز جو

---

[1] مرید احمد چشتی: جہانِ رضا ص ۱۵۳

[2] عبدالعزیز خاں بریلوی، مولوی: تاریخ روہیل کھنڈ، مع تاریخ بریلی (مکتبہ علم و فکر کراچی) ص ۲۵۶

تعویذ لکھا کرتے ہیں، ان سے منگوائے دیتا ہوں۔ تعویذ منگوا کر دے دیا اور ساتھ ہی خادم کو فرمایا کہ "مٹھائی واپس کردی جائے۔" اس شخص نے عرض کیا کہ یہ مٹھائی تعویذ کے لیے نہیں، محض تحفے کے طور پر لایا تھا۔ آپ نے فرمایا: ہمارے ہاں تعویذ بکا نہیں کرتے اور مٹھائی واپس کردی۔[1]

ایسی سراپا خلوص شخصیت کے بارے میں یہ کہنے کا کیا جواز ہے کہ ان کی گزر بسر امامت کی تنخواہ پر ہوتی تھی؟ امام احمد رضا بریلوی کے خلوص اور للّٰہیت کا اندازہ ان کی تحریرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

> "یہاں بحمدہٖ تعالیٰ نہ کبھی خدمتِ دینی کو کسبِ معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احبابِ علمائے شریعت، یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعتِ دین و حمایتِ سنّت میں جلبِ منفعتِ مالی کا خیال دل میں نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو، اگر بلا طلب اہلِ محبت سے کچھ نذر (تحفہ) پائیں، رد نہ فرمائیں کہ اس کا قبول کرنا سُنّت ہے۔"[2]

اہلِ مدینہ طیّبہ کے لیے ہدیہ

ایک نیاز مند نے مدینہ طیبہ سے خط لکھ کر امام احمد رضا بریلوی سے پچاس روپے طلب فرمائے۔ آپ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ سائل کا سوال رد نہیں کرتے تھے۔ اتوار کو یہ خط ملا، بدھ کو ڈاک جاتی تھی۔ پیر کا دن ایسے ہی گزر گیا، منگل کو خیال آیا، لیکن اتفاق کی بات کہ پاس کچھ نہ تھا، مغرب کے بعد تشویش ہوئی، خود فرماتے ہیں:

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ص

[2] ریاست علی قادری، سیّد: معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء) ص ۳۲۳

"میں نے سرکار میں عرض کیا کہ حضور ہی میں بھیجنا ہیں، عطا فرماتے جائیں کہ باہر سے حسنین رضا خاں، (اعلیٰ حضرت کے بھتیجے) نے آواز دی کہ سیٹھ ابراہیم، بمبئی سے ملنے آئے ہیں۔ میں باہر آیا اور ملاقات کی، چلتے وقت اکیاون روپے انہوں نے دیئے، حالانکہ ضرورت پچاس روپے کی تھی۔ یہ اکیاون یوں تھے کہ ایک روپیہ فیس منی آرڈر کا بھی تو دینا پڑتا، غرض صبح کو فوراً ہی منی آرڈر کر دیا۔"[1]

یہ تھی اہلِ مدینہ کے ساتھ ان کی محبت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے کی برکت۔

پان اور حُقّہ

روزۂ رمضان کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ گیارہ مہینے بلا روک ٹوک کھانے پینے والا، کھانے پینے پر شرعی پابندی کو قبول کرتے ہوئے دن میں کچھ کھائے پیئے نہیں۔ افطاری کے بعد بھی اس قدر پیٹ بھر کر نہ کھائے کہ دن بھر کی خوراک شام کو کھا لے۔ امام احمد رضا کی قناعت پسندی اور روزے کے مقاصد کا اس قدر پاس تھا کہ

"افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے۔"[2]

بعض لوگوں کو ان کی یہ فضیلت بھی کھٹکتی ہے اور پان کھانا بھی وجہ اعتراض نظر آتا ہے[3]۔ حالانکہ کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا کہ کسی عالم نے پان کھانے کو بھی قابلِ اعتراض قرار دیا ہو۔ اسی طرح امام احمد رضا بریلوی کے بعض اوقات حُقّہ پینے پر بھی اعتراض کیا گیا ہے، لکھا ہے:

عجیب ترین بات یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کی تکفیر کرتا ہے اور معمولی اشیائ

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام : احکامِ شریعت (مطبوعہ کراچی) ص ۲۳۰-۱

[2] عبدالمبین نعمانی، مولانا : انوارِ رضا ص ۲۵۶

[3] ظہیر : البریلویۃ ص ۲۶

کی بناء پر دوسروں پر فسق و فجور کا حکم لگاتا ہے، وہ حقہ کیسے پیتا ہے؟ حالانکہ بہت سے علماء متقدمین اور متاخرین نے اس کی حرمت کا فتوی دیا ہے، کم از کم مکروہ تو ضرور قرار دیا ہے۔"[1]

امام احمد رضا بریلوی حُقّہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"حق یہ ہے کہ معمولی حُقّہ جس طرح تمام دنیا کے عامہ بلاد کے عوام و خواص یہاں تک کہ علماء و عظمائے حرمین محترمین زادہما اللہ شرفا و تکریما میں رائج ہے، شرعاً مباح و جائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں"[2]

اس کے بعد علامہ سیّد احمد حموی، علامہ نابلسی، علامہ علاء الدین دمشقی، علامہ طحطاوی اور شامی کے ارشادات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"الحاصل معمولی حُقّہ کے حق میں تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز و مباح و صرف مکروہ تنزیہی ہے، یعنی جو نہیں پیتے، بہت اچھا کرتے ہیں، جو پیتے ہیں کچھ بُرا نہیں کرتے۔ . . . . .

البتہ وہ حقہ جو بعض جہال بعض بلادِ ہند، ماہِ رمضان مبارک شریف میں وقت افطار پیتے اور دَم لگاتے اور حواس و دماغ میں فتور لاتے اور دیدۂ و دل کی عجب حالت بناتے ہیں، بے شک ممنوع و ناجائز و گناہ ہے اور وہ بھی معاذ اللہ ماہِ مبارک میں۔[3]

علامہ عبد الغنی نابلسی فرماتے ہیں:

وبھذا یظھر ان شرب التتن لیس بحرام کما یزعمه

---

[1] ظہیر: البریلویۃ (حاشیہ) ص ۲۶

[2] احمد رضا بریلوی: احکامِ شریعت (مطبوعہ کراچی) ص ۲۵۶

[3] ایضاً: " " " ص ۲۶۵

بعضهم بالقياس على اكل الثوم بجامع الخبث وهو بعد تسليم الخبث فيه والقياس تبطل حرمته ببطلان حرمة اكل الثوم . . . . . . فان كانت رائحة التتن كريهة عند قوم مجتمعين فى المسجد او غيره تكون كرائحة الثوم والبصل وان لم تكن كريهة فلا وقد اجمع الناس اليوم على استعمال التتن فى غالب المجالس بين العلماء والعوام من غير استكراه لرائحته وانما يستكرهه القليل الذين لا يشربونه فلا يكون كالبصل والثوم لان المعتبر فى المقيس عليهما ما يستكرهه غالب الناس وهٰذا لا يستكرهه غالب الناس اليوم فليس هو من قبيل ذالك۔ [1]

"اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ تمباکو نوشی حرام نہیں ہے جیسا کہ بعض علمائ نے خبث کو علتِ مشترکہ قرار دیتے ہوتے لہسن پر قیاس کر کے کہا ہے (اوّل تو یہ خبث اور قیاس مسلّم ہی نہیں ہے) اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو جب کہ لہسن کا کھانا حرام نہیں ہے، تو تمباکو نوشی بھی حرام نہ ہو گی۔ اگر مسجد وغیرہ میں مجتمع افراد کو تمباکو کی بُو پسند نہ ہو، تو یہ بُو، لہسن اور پیاز کی بو کی طرح ہو گی اور اگر انہیں ناپسند نہ ہو تو یہ بُو، لہسن اور پیاز کی بُو کی طرح بھی نہ ہو گی۔ آج لوگوں کی اکثریت، علمائ و عوام کی مجالس میں عموماً تمباکو نوشی کرتی ہے اور اس کی بُو کو ناپسند نہیں کیا جاتا، ہاں بہت کم لوگ اس بُو کو ناپسند کرتے ہیں، جو خود تمباکو استعمال نہیں کرتے، لہذا تمباکو، پیاز اور لہسن کی طرح نہ ہو گا، کیونکہ پیاز اور لہسن کی بُو کو اکثر لوگ ناپسند

---

[1] عبد الغنی النابلسی، علامہ، الحدیقۃ الندیہ (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد) ج ۱، ص ۵۹۶

کرتے ہیں، جبکہ تمباکو کی بُو کو اکثریت ناپسند نہیں کرتی، لہٰذا یہ قیاس درست نہ ہوگا۔"

علامہ ابن عابدین شامی طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں:

فاثبات حرمتہ امر عسیر لا یکاد یوجد لہ نصیر نعم لو اضر ببعض الطبائع فھو علیہ حرام ولو نفع ببعض و قصد بہ التداوی فھو مرغوب ولو لم ینفع ولم یضر فھو مباح

"تمباکو نوشی کی حرمت ثابت کرنا دشوار ہے۔ اس دعوے کا کوئی امدادی نہیں ملے گا، ہاں اگر کچھ طبیعتوں کو نقصان دے، تو اس کے لیے حرام ہے اور اگر کسی شخص کو فائدہ دے اور وہ بطورِ دوا استعمال کرے، تو اُس کے لیے پسندیدہ ہے اور اگر نہ فائدہ دے اور نہ نقصان د تو مباح ہے"[1]

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

"حقہ پینا مباح ہے، مگر اس کی بدبو سے مسجد میں آنا درست ہے۔"[2]

ایک اور سوال و جواب ملاحظہ ہو:

"سوال: حُقّہ پینا کیسا ہے؟ اور پان میں تمباکو کھانا کیسا ہے؟

جواب: حُقّہ پینا و تمباکو کھانا درست ہے، مگر بدبو سے مسجد میں آنا حرام ہے۔"[3]

نہ معلوم وہ اکثر علماء کون سے ہیں جو مطلقاً حقہ کو حرام کہتے ہیں۔ رہا امام احمد رضا کا کفر یا فسق کا حکم لگانا، تو انہوں نے دلائل شرعیہ کی روشنی میں وہ حکم لگا کر مفتی شریعت کی ذمہ داری پوری کی ہے، بلاوجہ کسی پر کفر یا فسق کا حکم نہیں لگایا۔

امام احمد رضا بریلوی بسم اللہ شریف کے فوائد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

[1] ابن عابدین الشامی، علامہ: تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (عبدالغفار قندھار) ج ۲، ص ۳۶۶

[2] رشید احمد گنگوہی: فتاویٰ رشیدیہ (محمد سعید، کراچی) ص ۴۸۱

[3] ایضاً: " " " " ص ۴۹۰

"اور بفضلہ میں شیطان کو بھوکا ہی مارتا ہوں، یہاں تک کہ پان کھاتے وقت بسم اللہ اور چھالیہ منہ میں ڈالی، تو بسم اللہ شریف ——— ہاں حقہ پیتے وقت نہیں پڑھتا۔ طحطاوی میں اس سے ممانعت لکھی ہے ——— وہ خبیث اگر اس میں شریک ہوتا ہو تو ضرر ہی پاتا ہوگا کہ عمر بھر کا بھوکا پیاسا، اس پر دھوئیں سے کلیجہ جلنا ——— بھوک پیاس میں حقہ بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔"[1]

اس عبارت کا ایک ایک جملہ شیطان کی دشمنی اور عداوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تعجب ہے اسی واقعہ کو اس انداز میں بیان کیا جاتا ہے جیسے شیطان کے ساتھ دوستانہ ہو، ملاحظہ ہو:

"لطیفہ یہ ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ حقہ پینے میں شیطان ان کا ساتھی ہوتا ہے، وہ اور شیطان باری باری پیتے ہیں۔"[2] (ترجمہ)

چونکہ شیطان کی دشمنی کو دوستی کے روپ میں پیش کرتے ہوئے دل میں چور چھپا ہوا تھا، اس لیے اس واقعے کا حوالہ دیتے ہوئے صرف "ملفوظاتِ بریلوی" لکھنے پر اکتفا کیا گیا، صفحہ نمبر نہیں لکھا تاکہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت فوراً ہی نہ کھل جائے۔

ہاتھ اور پاؤں کا چومنا

کسی بزرگ شخصیت کی دینی عظمت و جلالت کے پیشِ نظر ہاتھ اور پاؤں کا چومنا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں ریاکاری یا اور کوئی غرضِ فاسد شامل نہ ہو۔

حضرت زراع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے والے وفدِ عبدالقیس میں شامل تھے، وہ فرماتے ہیں:

---

[1] محمد مصطفےٰ رضا بریلوی، مولانا: ملفوظات (مطبوعہ لاہور) ص ۲۲۱

[2] ظہیر: البریلویہ ص ۲۶

لما قدمنا المدینة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ورجلہ

رواہ ابوداؤد۔ [1]

"جب ہم مدینہ منورہ پہنچے، تو اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اُتر کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس اور پائے مبارک کو بوسہ دینے لگے۔ یہ حدیث امام ابوداؤد نے روایت کی۔"

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ دو یہودی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، انہوں نے آیاتِ بیّنات کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے بیان فرمائیں:

فقبّلا یدیہ ورجلیہ وقالا نشھد انك نبی

رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی۔ [2]

"تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔"

امام حاکم راوی ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز دکھائیں جس سے میرا یقین زیادہ قوی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اس درخت کو کہو کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ اُس شخص نے ایسا ہی کہا، درخت نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور آپ کے فرمانے پر واپس چلا گیا۔

علامہ ابن عابدین شامی نے یہ روایت نقل فرمائی ہے اور اس کے آخر میں ہے:

ثم اذن لہ فقبل رأسہ ورجلیہ [3]

---

[1] ولی الدین الخطیب، شیخ: مشکوٰۃ شریف، باب المعانقة والمصافحة، فصل ثانی، ص ۴۰۲

[2] ایضاً: مشکوٰۃ، باب الکبائر وعلامات النفاق (ایچ ایم سعید کراچی) ص ۱۷

[3] ابن عابدین شامی، علامہ: ردالمحتار (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۵، ص ۲۴۵

"آپ کی اجازت سے اس نے آپ کے سرِ اقدس اور پاؤں انور کو بوسہ دیا۔"

تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے:

طلب من عالم او زاهد ان يدفع اليه قدمه ويمكنه من قدمه ليقبله اجابه وقيل لا۔[1]

"کوئی شخص کسی عالم یا زاہد سے درخواست کرے کہ وہ اپنا پاؤں آگے بڑھائیں تاکہ اسے بوسہ دے سکے تو اس کی درخواست پوری کر دے، بعض حضرات نے کہا نہیں۔"

امام احمد رضا بریلوی کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا اعتراف اپنوں بیگانوں سب ہی کو ہے، اسی تعلقِ خاطر کی بناء پر وہ ہر اس شخص اور ہر اس چیز کا احترام کرتے تھے، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حبیبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہو، چنانچہ سادات کرام اور خصوصاً اہلِ علم وتقویٰ حضرات کی تعظیم وتکریم دل وجان سے کرتے تھے اور صحیح العقیدہ حجاج کرام کی پذیرائی جس انداز میں کرتے، وہ انہی کا حصّہ تھی۔

حضرت شاہ علی حسین اشرفی

آپ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ/ ۱۸۵۰ء کو کچھوچھہ شریف (ضلع فیض آباد، انڈیا) میں پیدا ہوئے اور ۱۱ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔ علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور تبلیغِ اسلام میں اپنی مثال آپ تھے۔ خاندانی اعتبار سے سیّد تھے اور شکل وصورت کے لحاظ سے شبیہ سیّدنا غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ہزاروں علماء آپ کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے۔ امام احمد رضا بریلوی آپ کا بہت ہی احترام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دیا کرتے تھے۔[2]

---

[1] علاء الدین الحصکفی، علامہ: درِمختار بر حاشیہ شامی ج ۵، ص ۲۴۵

[2] عارف اللہ شاہ قادری، مولانا، اذکارِ حبیبِ رضا (مجلسِ رضا، لاہور) ص ۲۴

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے:

"جب کوئی حج بیت اللہ شریف سے واپس آتا، آپ اس سے دریافت فرماتے کہ حضور سرورِ کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضری دی وہ ہاں کہہ دیتا، تو فوراً اُس کے قدم چوم لیتے۔"[1]

یہ محبتِ رسول کی معراج تھی، کیونکہ علم وفضل کا ہمالہ، عبقری فقیہ اور ہزاروں افراد کا مرشدِ طریقت ہونے کے باوجود حج کعبہ اور زیارت روضۂ رسول کا شرف حاصل کرنے والے کے پاؤں چوم لینا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل محبت کے بغیر عادتاً ناممکن ہے۔ مدینہ طیبہ کی حاضری کے بارے میں سوال اس لیے کرتے کہ جو شخص حج کرکے مدینہ طیبہ حاضری دیئے بغیر واپس آجاتے، اُس کا عقیدہ اور اُس کی محبت، شک وشبہ سے خالی نہیں اور ایسا شخص کسی عاشقِ رسول کے نزدیک تعظیم وتکریم کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

شدّت کا الزام

امام احمد رضا بریلوی کی بڑی خوبی جو مخالفین کی نظر میں خامی کہلاتی ہے یہ تھی کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لیے رحمت وشفقت اور بے دینوں وبدمذہبوں کے لیے شمشیرِ بے نیام تھے، جس شخص کو صراطِ مستقیم اور مسلکِ اہلِ سنّت سے منحرف پاتے، اُسے محبت سے، نرمی سے سمجھاتے، وہ سمجھ جائے تو فبہا، ورنہ اس کی کج روی اور بے راہ روی کے مطابق زجر وتوبیخ فرماتے جس کی بے اعتدالی جتنی شدید ہوتی، اتنی ہی شدت کے ساتھ اسے ڈانٹ ڈپٹ فرماتے۔ کسی بھی صحیح ڈاکٹر اور سرجن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مریض تندرست ہوجائے اور اس کا مرض جاتا رہے، لیکن جب کوئی چارۂ کار نہیں رہتا، تو وہ مریض کا جسم چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے، ناکارہ اور نقصان دہ اعضاء کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے تاکہ مرض اور نہ پھیلے۔ امام احمد رضا بریلوی

---

[1] خواجہ محمد اویس، انوارِ رضا ص ۳۰۶

نے بھی ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک ہمدرد اور مخلص ڈاکٹر اور سرجن کا کردار ادا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ ان کے نشتر کی زد میں آئے، وہ انہیں سخت دل، رحمت و رأفت سے ناآشنا، اخلاقی حدود سے تجاوز کرنے والا اور نہ جانے کیا کیا القاب دیتے رہیں گے۔

۲۵ اگست ۱۸۸۹ء کو مولوی محمود حسن نے اخبار نظام الملک میں ایک بیان دیا:

> "چوری، شراب خوری، جہل، ظلم سے معارضہ کم فہمی، یہ کلیہ ہے کہ جو مقدور العبد ہے، مقدور اللہ ہے۔"[1]

بظاہر یہ مختصر سی بات ہے، لیکن اس کا احاطہ اتنا ہی وسیع ہے، جتنا کہ انسانی عیوب کا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس بیان پر رد کرتے ہوئے متعدد انسانی عیوب گنوائے کہ تمہارے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب سے متصف ہو سکتا ہے، ان میں سے ایک عیب یہ بیان کیا۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

> "عورت قادر ہے کہ زنا کرائے، تو تمہارے امام اور تمہارے پدر تعلیم کے کلیہ سے قطعاً واجب کہ تمہارا خدا بھی زنا کرا سکے، ورنہ دیوبند میں چکلہ والی فاحشات اس پر قہقہے اڑائیں گی کہ نکھٹو تو ہمارے برابر بھی نہ ہو سکا، پھر کاہے پر خدائی کا دم مارتا ہے، اب آپ کے خدا میں فرج بھی ہوئی، ورنہ زنا کاہے میں کرا سکے گا۔"[2]

امام احمد رضا بریلوی نے تقدیسِ الوہیت کے تحفظ کی خاطر مخالفین کو یہ الزام دیا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ "جو چیز بندے کی قدرت میں ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بھی ہے" تو اس سے لازم آئے گا کہ جو برا کام بندہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی کر سکے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ برے کاموں کے لوازم بھی اس کے لیے ثابت کرنے پڑیں گے۔ ذرا غور تو کرو کہ ایک چھوٹی سی بات پر کتنے بڑے بڑے مفاسد لازم آ رہے ہیں۔

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۷

[2] احمد رضا بریلوی، امام: سُبحان السبّوح (نوری کتب خانہ، لاہور) ص ۱۴۲-۲

امام احمد رضا بریلوی کی یہ ساری تقریر عظمتِ الٰہی کی حفاظت کے لیے تھی، لیکن مخالفین کو ان کی یہ ادا بھی پسند نہیں آئی اور اس طرح اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا:

> "وہ تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کر گئے، یہاں تک جرأت کی کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے اوصاف سے موصوف کیا کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے موصوف نہیں کر سکتا، اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ دیوبندیوں کا خدا ہے۔"[1]

قارئین خود انصاف کر سکتے ہیں کہ کیا امام احمد رضا بریلوی نے اللہ تعالیٰ کو ناشائستہ اوصاف سے موصوف کیا ہے؟ ہرگز نہیں، وہ تو ان لوگوں پر گرفت فرما رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو برا کام بندہ کر سکتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے اور انہیں متنبہ کر رہے ہیں کہ تمہارے اس قول پر کیا کیا قباحتیں لازم آئیں گی۔ امام احمد رضا بریلوی کی عبارت پر نکتہ چینی کا مطلب یہ ہوا کہ عظمتِ الٰہی کو داغدار کرنے والے سچے ہیں اور مجرم ہے تو امام احمد رضا، جو تقدیسِ الوہیت کے پاسبان ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کی شدت کے حوالے سے یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے:

> "بریلوی ہندوستان کے ایک مشہور عالم کے پاس پڑھنے کے لیے گئے، انہوں نے پوچھا آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں وہابیہ کا رد کرتا ہوں اور اُن کی گمراہی اور ان کا کفر بیان کرتا ہوں۔ اس پر شیخ نے کہا ایسا نہیں چاہیے، چنانچہ وہ وہاں سے لوٹ آئے اور ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا جو موحدین کی تفسیق اور تکفیر سے منع کرتا ہو۔"[2] (ترجمہ ملخصاً)

یہ واقعہ علامہ عبد الحق خیر آبادی کی ملاقات کا ہے، جس کا تذکرہ مولانا ظفر الدین بہاری نے حیاتِ اعلیٰ حضرت کے صفحہ ۳۲ — ۱۳۶ — ۶۷اپر کیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، اس جگہ چند اشارے کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بیان حقیقت سے

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۷

[2] ایضاً: ص ۲۸

کس قدر دُور ہے۔

۱۔ امام احمد رضا، نواب رامپور کے طلب کرنے پر ان سے ملاقات کے لیے گئے تھے، علامہ خیر آبادی سے پڑھنے نہیں گئے تھے۔

۲۔ اتفاقاً علامہ خیر آبادی بھی وہیں آ گئے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے مشاغل کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: تدریس، افتاء اور تصنیف، انہوں نے پوچھا: کس فن میں؟ فرمایا: مسائلِ دینیہ اور ردِّ وہابیہ[1] لیکن یہ صاحب اپنے پاس سے تکفیر کی پچر لگا رہے ہیں:

وابين ضلالهم وكفرهم[2]

جبکہ اس جگہ کفر کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی اپنی طرف سے اضافہ ہے کہ ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا جو موحدین کی تفسیق اور تکفیر سے منع کرتا ہو، حالانکہ اس جگہ بھی تکفیر کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ لطیفہ یہ کہ اس سے پہلے خود کہہ چکے ہیں کہ علامہ خیر آبادی انہیں پڑھانے پر راضی نہ ہوئے

ولكنه لم يرض بتعليمه اياه[3]

اور اس جگہ یہ کہا جا رہا ہے کہ بریلوی نے ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔

وابىٰ ان يتعلم من مثل هٰذا الشخص[4]

اصل بات یہ ہے کہ زیبِ داستان کے لیے غلط بیانی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور یہ گمان جاتا ہے کہ حقائق میں حُسن اور دلکشی کہاں؟

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا:	حیاتِ اعلیٰ حضرت	ج ۱، ص ۳۴
[2] ظہیر:	البریلویۃ	ص ۲۸
[3] ایضاً:	"	ص ۲۰
[4] ایضاً:	"	ص ۲۸

علمی شکوہ اور قدرتِ کلام

امام احمد رضا بریلوی چودھویں صدی کی وہ عظیم ترین شخصیت ہیں، جن کے علمی جاہ و جلال، وسعتِ نظر، قوتِ استدلال اور قدرتِ کلام کا ایک جہان معترف ہے، ان کے نظریات و معتقدات سے کئی لوگوں کو اختلاف ہوگا، لیکن ان کے جذبۂ عشقِ رسول اور ان کے کلام کے سوز و گداز سے کوئی صاحبِ علم اختلاف نہیں کر سکتا۔ ذیل میں چند معروف اصحابِ علم و فکر کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جن سے امام احمد رضا بریلوی کے مقام کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے:

حضرت علامہ اقبال کی رائے یہ تھی:

"وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے، ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔"[1]

ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔"[2]

ڈاکٹر محی الدین الوائی اہل حدیث، جامعہ ازہر، مصر لکھتے ہیں:

"پرانا مقولہ ہے کہ فردِ واحد میں دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں، تحقیقاتِ[1] علمیہ، اور نازک[2] خیالی ——— لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اس تقلیدی نظریہ کے برعکس

---

[1] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی (مطبوعہ سیالکوٹ) ص ۱۸

[2] ایضاً: ،، ،، ،، ،، ص ۲۲

ثابت کر کے دکھا دیا۔ آپ عالمِ محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے۔"[1] (ترجمہ عربی)

ڈاکٹر حامد علی خاں، ایم اے، پی۔ ایچ، ڈی، ریڈر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (انڈیا) لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا نہایت بلند مرتبہ صاحبِ قلم تھے اور بے شک و شبہ اپنے عہد کے لاثانی صاحبِ تصنیف و تالیف تھے —— آپ کی زود نویسی، برجستہ تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں میں اور مہینوں کا کام گھنٹوں میں بہ اسلوبِ احسن انجام دے کر فضلائے وقت کو انگشت بدنداں کر دیا۔"[2]

جناب شفیق بریلوی (کراچی) لکھتے ہیں:

"وہ ایک جید عالمِ دین اور بڑے نکتہ رس فقیہ ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ نعت گو شاعر بھی تھے۔ ان کو فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ وہ عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیں قرآن و حدیث کی تفسیر و ترجمہ ہیں ۔۔۔۔ ان کا قرآن مجید کا ترجمہ بھی بہت مشہور و مقبول ہے۔ قرآن مجید کے اس ترجمہ میں زبان و بیان کی شگفتگی موجود ہے اور عام فہم بھی ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت کے شاعرانہ ذوق، عالمانہ بصیرت، ایمان کی پختگی، محبتِ رسول اور ادب کے جوہر نمایاں ہیں۔"[3]

پروفیسر علی عباس جلالپوری، ایم اے فلسفہ (گولڈ میڈلسٹ) لکھتے ہیں:

---

[1] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں ص ۲۰

[2] ایضاً: " " ص ۲۱

[3] مرید احمد چشتی: جہانِ رضا (مجلسِ رضا، لاہور) ص ۱۷۲

"حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی نے فارسی اور اُردو میں بےمثال نعتیں لکھی ہیں، جن کے بغیر درود و سلام کی کوئی محفل گرمائی نہیں جا سکتی۔ ان کا ایک ایک لفظ عشقِ رسول میں بسا ہوا ہے اور انہیں سُن کر سامعین کے دل عشقِ رسول سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

ادبی لحاظ سے بھی یہ نعتیں حُسنِ بیان کے اچھوتے نمونے ہیں۔ ایک دن داغؔ دہلوی کے سامنے کسی شخص نے حضرت شاہ احمد رضا خاں کی ایک نعت کا شعر پڑھا:

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مرزا داغؔ پھڑک اُٹھے اور کہا:

ہیں! ایک مولوی اور ایسا شعر! واہ! واہ!

آپ کی اکثر نعتیں ہماری علمی و ادبی میراث کا بیش قیمت حصّہ بن چکی ہیں۔"[1]

جناب اصغر حسین خاں نظیرؔ لدھیانوی فرماتے ہیں:

"مولانا کو شیریں زبانی کے اعتبار سے اہلِ زبان پر سبقت حاصل ہے اور بیان میں ندرت ہے۔ اس دور میں داغؔ، امیرؔ، حالیؔ، اکبرؔ و داغؔ و امیرؔ کے تلامذہ کی زبان، سلاست، سادگی اور محاورہ کے اعتبار سے مسلّم تھی، مولانا کی زبان شگفتگی اور روانی میں ان اساتذہ کی زبان سے کسی طرح بھی کم نہیں۔"[2]

جناب رئیس امروہوی (کراچی) رقمطراز ہیں:

"ان کی تصانیفِ نثر اور ان کی شاعری کیف و سرور سے لبریز ہے جس سے عجب طرح کا انشراحِ صدر ہوتا ہے، رُوح پر اہتزازی کیفیت طاری ہو جاتی ہے

---

[1] مرید احمد چشتی: جہانِ رضا ص ١٠٩

[2] ایضاً: " ص ٢٢

وہ اک صوفیٔ باصفا اور عالمِ جلیل تھے۔ ایسی کمیاب شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں، عہد آفریں بھی!

سید شان الحق حقی لکھتے ہیں:

"بہترین تخلیقات وہی ہیں، جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے روحانی سرور اور اخلاقی بصیرت کا ذریعہ ہوں، میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے مبرّا ہے۔ اس پر کسی ادبی تنقید کی ضرورت نہیں، اس کی مقبولیّت اور دِل پذیری ہی اس کا سب سے بڑا ادبی کمال ہے اور مولانا کے شاعرانہ مرتبے پر دال ہے ؎

حُسنِ تاثیر کو صورت سے، نہ معنی سے غرض
شعر وہ ہے کہ لگے جھوم کے گانے، کوئی![1]

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، سابق صدر شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی لکھتے ہیں:

"میرا خیال یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب غالباً واحد عالمِ دین ہیں، جنہوں نے اُردو نظم و نثر، دونوں میں اُردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیت سے اُردو شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔"[2]

یہ تاثرات مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے اربابِ علم و دانش کے ہیں، جنہوں نے دل کھول کر امام احمد رضا کی مختلف ضیاء بار حیثیتوں پر اظہارِ خیال کیا ہے، لیکن اگر "مَیں نہ مانوں" کی پالیسی پیشِ نظر ہو تو اس قسم کے تبصرے بھی کیے جا سکتے ہیں:

"ان کی زبان مغلق اور مبہم ہے، بہت کم ان کا کلام سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ان کی عبارات گنجلک اور اندازِ بیان مبہم ہے اور بعض اوقات وہ قصداً ایسا کرتے تھے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ زبردست عالم اور گہری تحریر کے مالک ہیں۔" (ترجمہ)[3]

---

[1] مرید احمد چشتی: خیابانِ رضا، عظیم پبلی کیشنز، لاہور، ص ۶۸
[2] ایضاً: " " " ص ۷۷
[3] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۸

مذکورہ بالا تاثرات ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں، آپ کو خود احساس ہو جائے گا کہ تعصبِ بے جا حقائق سے کس قدر دُور لے جاتا ہے۔ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ جب گفتگو عام سطحی معیار سے گزر کر تحقیق و تدقیق اور علمی و فنی اصطلاحات تک پہنچ جائے، تو پھر اس کا سمجھنا عام آدمی کے بس میں نہیں رہتا، جب تک ان اصطلاحات سے واقفیت اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کی اہلیت نہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کی تصنیفات فیوض الحرمین، ہمعات اور تفہیماتِ الٰہیہ کا ایک نظر مطالعہ کیجئے، یہ حقیقت کھُل کر سامنے آجائے گی۔

تقریر و خطابت

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی بھی عالم کو تحریر و تقریر میں سے کسی ایک فن میں ہی کمال حاصل ہوتا ہے، لیکن امام احمد رضا بریلوی، دونوں میدانوں کے بے مثال شہسوار تھے، اگرچہ آپ تحریر کو تقریر پر ترجیح دیتے تھے، کیونکہ تقریر ایک وقتی چیز ہے، جبکہ تحریر، اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو دیر تک رہ سکتی ہے اور دُور تک پہنچ سکتی ہے۔

ایک دفعہ بدایوں کی جامع مسجد شمسی میں مولانا عبد القیوم بدایونی (والد ماجد مولانا عبد الحامد بدایونی) نے اعلان کروایا کہ جمعہ کے بعد مولانا احمد رضا خاں کی تقریر ہو گی۔ آپ نے بہت معذرت کی کہ میں وعظ نہیں کیا کرتا۔ نیز یہ فرمایا کہ مجھے پہلے سے اطلاع نہیں دی، مگر وہ نہیں مانے۔ آپ نے مسلسل دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد مولانا عبد القیوم بدایونی نے جو خود بھی بلند پایہ عالم اور خطیب تھے، فرمایا،

> "کوئی عالم، کتب دیکھ کر آنے کے بعد بھی ایسے پُر از معلومات، پُر اثر بیان سے حاضرین کو محظوظ نہیں کر سکتا، یہ وسعتِ معلومات جناب ہی کا حصہ ہے"[1]

۱۳۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ پٹنہ میں ندوہ کے رد میں ایک جلسہ کیا گیا جس میں علمائے اہل سنت

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۹۵

بکثرت موجود تھے۔ رات کو جب امام احمد رضا بریلوی کی تقریر شروع ہوئی، تو مولانا عبد القادر بدایونی نے سید اسمٰعیل حسن میاں مارہروی کو نیند سے بیدار کیا اور فرمایا:

> "مولانا احمد رضا خاں صاحب کا بیان ہو رہا ہے اور سُنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمارے پٹھان کے وار دیکھنے کے قابل ہیں۔"[1]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے اصحاب فضل و کمال کس شوق سے امام احمد رضا کی تقریر سنا کرتے تھے۔

ایک دفعہ بدایوں میں حضرت مولانا عبد القادر بدایونی کے عرس مبارک کے موقع پر ۹ بجے صبح سے تین بجے تک چھ گھنٹے تقریر فرمائی اور سورۂ والضحیٰ کی تفسیر بیان کی اور آخر میں فرمایا کہ اسی سورۂ مبارکہ کی چند آیاتِ مبارکہ کی تفسیر میں استی جُز لکھے تھے، پھر آگے نہ لکھ سکا۔ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے کلام پاک کی تفسیر لکھوں۔[2]

جناب سید ایوب علی رضوی فرماتے ہیں:

> ذکرِ میلاد مبارک میں ابتداء سے انتہا تک ادباً دو زانو رہا کرتے، یونہیں وعظ فرماتے، چار پانچ گھنٹے کامل دو زانو ہی منبر شریف پر رہتے۔"[3]

ماہِ رجب ۱۳۱۸ھ میں مجلسِ علماء اہل سنت و جماعت، پٹنہ کے سالانہ اجلاس میں چار گھنٹے تقریر فرمائی۔[4]

ڈاکٹر سید عبد اللہ، ایم۔ اے۔ ڈی لٹ، چیئرمین شعبہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور لکھتے ہیں:

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۹۵

[2] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۹۷

[3] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۲۸

[4] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۱۸۶-۷

"عالم اپنی قوم کا ذہن اور اُس کی زبان ہوتا ہے اور وہ عالم جس کی فکر و نظر کا محور، قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبوی ہو، وہ ترجمانِ علم و حکمت، نقیبِ حق و صداقت اور محسنِ انسانیت ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی بھی ایسے ہی عالمِ دین تھے، تو یہ مبالغہ نہ ہوگا، بلکہ حقیقت کا اعتراف ہوگا۔ وہ بلاشبہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحبِ نظر مفسرِ قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے۔" ۱؎

لیکن جو لوگ حقائق سے واقف نہیں یا واقف نہیں ہونا چاہتے، ان کا تاثر یہ ہے:

"وہ کلام میں فصیح نہ تھے، نہ تحریر میں، نہ تقریر میں، انہیں خود بھی اس کا احساس تھا، اسی لیے وہ جمعہ اور عیدین کے موقع پر تقریر نہیں کرتے تھے، البتہ تیسری عید جو ان کی اور ان کے ہمنواؤں کی خود ساختہ بدعت ہے جسے وہ عید میلاد النبی کہتے ہیں اور اپنے شیخ شاہ آلِ رسول کے یومِ وفات پر جسے وہ عرس کہتے ہیں، تقریر کرتے تھے۔" ۲؎

اس جگہ چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:

(۱) جس شخصیت کو اپنے غیر فصیح ہونے کا احساس تھا اور اسی احساس کے پیشِ نظر وہ (بقول کسے) جمعہ اور عیدین کے مواقع پر تقریر نہیں کرتے تھے، تو وہ مذکورہ بالا دو موقعوں پر کس طرح تقریر کر لیتے تھے۔ جو تقریر کر ہی نہ سکتا ہو، اُسے تو کسی موقع پر بھی یہ جرأت نہ کرنی چاہیئے، خصوصاً دو اہم مواقع پر۔

(۲) اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ جمعہ و عیدین کے موقع پر تقریر نہیں کرتے تھے؟

جناب ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری لاہور اپنے چشم دید واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱؎ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں ص ۱۴

۲؎ ایضاً: البریلویۃ ص ۲۸

"والد، نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے بریلی کی جامع مسجد نو محلّہ میں تشریف لے جاتے اور میں بھی اکثر آپ کے ساتھ ہوتا۔ اکثر و بیشتر ہمیں دوسری تیسری صف میں بیٹھنے کا موقع مل جاتا۔ اسی مسجد میں حضرت مولانا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا کرتے۔ منبر پر ان کے بیٹھنے اور ان کے حلیۂ مبارک کا منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ حضرتِ والا، بلند قامت، خوبرو اور سرخ و سفید رنگ کے مالک تھے۔ ڈاڑھی اس وقت سفید ہو چکی تھی، مگر نہایت خوبصورت تھی۔

آواز از حد شیریں اور گداز تھی۔ آپ کا وعظ نہایت موثر ہوتا تھا۔ میں اگرچہ بچّہ تھا، مگر اس کے باوجود آپ کے مواعظ میں میرے لیے کوئی کشش ضرور تھی۔ اکثر مجھ پر انہماک سا طاری ہو جاتا اور حاضرین کی کیفیت تو اس سے بڑھ کر ہوتی تھی۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوتا کہ طبیعت کے اعتبار سے آپ کا وعظ خاصا طویل اور مفصل ہوتا ہوگا، مگر وہاں خطبۂ جمعہ، حاضرین کی سہولت کے لیے اکثر مختصر فرما دیتے۔"[1]

ڈاکٹر صاحب امام احمد رضا بریلوی کے اندازِ تقریر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وعظ میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے آپ حکایاتِ ماثورہ بھی بیان فرماتے، مگر آپ کے مواعظ کی اصل بنیاد آیات اور احادیث پر قائم ہوتی تھی۔"[2]

(۳) صرف دو موقعوں پر تقریر کرنے کا حوالہ، صفحہ نمبر کی نشان دہی کے بغیر حیاتِ اعلیٰ حضرت کا دیا گیا ہے، حالانکہ اس کتاب میں صراحۃً لکھا ہے کہ دو نہیں، بلکہ زبردست تقریریں ہوتی تھیں، ان کے علاوہ اہلِ شہر (بریلی) کی درخواست پر دیگر محافل میں بھی تقریر فرما دیتے تھے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

---

[1] عابد احمد علی، ڈاکٹر: مقالاتِ یومِ رضا (رضا اکیڈمی، لاہور) حصہ ۳، ص ۸

[2] ایضاً، ″ ″ ″ ″ ص ۹-۸

"اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ سال میں تین وعظ بہت زبردست فرمایا کرتے تھے۔ ایک سالانہ جلسہ دستاربندی، طلبائے فارغ التحصیل مدرسہ اہل سنت و جماعت، مسجد بی بی جی، محلہ بہاری پور میں، دوسرا ربیع الاوّل شریف کو دونوں وقت صبح آٹھ بجے اور شب کو بعد نماز عشا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس میں شہر بھر کے عمائد و معززین مطبوعہ دعوت نامے کے ذریعے مدعو ہوتے اور اس مجلس کا اہتمام اور وعظ کی اہمیت شہر میں ایسی تھی کہ اُس تاریخ کو کسی دوسری جگہ اہتمام و انتظام کے ساتھ مجلس نہیں ہوتی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تیسرا وعظ ۱۸، ذی الحجۃ الحرام عرس سراپا قدس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جناب سید شاہ آلِ رسول صاحب مارہروی قدس سرہٗ کے موقع پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کے علاوہ کبھی کبھی اہلِ شہر کی دعوت اور عرض و تمنا پر بھی شہر کی بعض مجلسِ میلاد میں بیان فرما دیا کرتے تھے۔"[1]

---

[1] ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۹۶-۷

تصانیف امام احمد رضا

امام احمد رضا بریلوی ۱۴؍ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو پونے چودہ سال کی عمر میں علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور سند و دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلہ کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا، اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا[ل] اس دن سے آخر عمر تک آپ مسلسل لکھتے رہے اور اپنی تصنیفات کا عظیم انبار اور گراں قدر سرمایہ، امّتِ مسلمہ کو دے گئے۔ آج جب کہ آپ کے وصال کو ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ابھی تک آپ کی تمام تصانیف چھپ کر منظرِ عام پر نہ آسکیں ان کے قلم کی برق رفتاری اور اہل سنّت کی غفلت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اہلِ سنّت و جماعت اپنی تمام ترکثرت کے باوجود فردِ واحد کی نگارشات کو شائع کرنے سے قاصر رہے، جس نے پوری انجمن کا کام سرانجام دیا تھا۔

پھر یہ بھی نہیں ہے کہ ان کی تصانیف کی قدر و منزلت نہیں کی جاتی، بلکہ جس صاحبِ علم کے پاس ان کی تصانیف موجود ہوں، وہ انہیں قیمتی متاع سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ اس جگہ اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جمعہ کے روز انارکلی، لاہور میں جہاں پرانی کتابوں کے سٹال لگائے جاتے ہیں، بہت سی کتابیں بالکل نئی حالت میں، نصف یا اس سے بھی کم قیمت پر مل جاتی ہیں۔ ”البریلویۃ“ نامی کتاب بھی چار، پانچ روپے میں مل جاتی ہے لیکن امام احمد رضا کی اخباری کاغذ پر لیتھو کی چھپی ہوئی تصانیف میں سے کوئی رسالہ یا کتاب شاید ہی وہاں مل سکے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنّت و جماعت کو توفیق دے کہ وہ ایسا ادارہ قائم کریں جو امام احمد رضا بریلوی

[ل] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۳ - ۲۳

کی تمام تصانیف کو جدید انداز میں ایڈٹ کر کے شائع کرے۔ اس سلسلہ میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں کام کا آغاز ہو چکا ہے، جس کے شعبۂ تصنیف و تالیف و تحقیق کے رکن مولانا اظہار اللہ ہزاروی، امام احمد رضا کے متعدد رسائل پر تحقیقی کام کر چکے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور (انڈیا) اور مرکزی مجلسِ رضا، لاہور میں اس سلسلے کا قابلِ قدر کام ہو رہا ہے۔

تعداد تصانیف

الدولۃ المکیۃ، تالیف ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء میں خود امام احمد رضا نے اپنی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد بیان کی[1] آپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی نے حاشیہ میں وضاحت فرمائی:

> "یعنی وہابیہ کے رد میں، ورنہ بحمد اللہ تعالیٰ چار سو سے زائد ہیں۔"[2]

۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے ایک فہرست المجمل المعدد لتالیفات المجدد ترتیب دی جس میں ۳۵۰ تصانیف کا اجمالی تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ تصریح فرمادی:

> "میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں، بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقراء میں میرے پیشِ نظر ہیں۔ فضلِ خدا سے امید واثق کہ اگر تفحص تام اور تمام قدیم و جدید بستوں پر نظرِ عام کی جائے، تو کم و بیش پچاس رسالے اور نکلیں۔"[3]

۱۹۳۸ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے حیاتِ اعلیٰ حضرت[4] لکھی اس میں وہ فرماتے ہیں:

> "اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زائد ہیں۔"

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: الدولۃ المکیۃ (مکتبہ رضویہ، کراچی) ص ۱۱

[2] ایضاً: 〃 〃 〃 〃 ص ۱۱

[3] ظفر الدین بہاری، مولانا: المجمل المعدد (مجلسِ رضا، لاہور) ص ۴

[4] ایضاً: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۱۲

بعد میں تیار کی جانے والی فہرست کے مطابق ۵۴۸ تصانیف ہیں۔ [1]

مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام احمد رضا بریلوی کے قریبی رشتہ دار اور متبحر عالم تھے، انہوں نے یہ تعداد ایک ہزار بیان کی۔ [2]

حقیقتِ حال سے ناواقف ان بیانات سے الجھن میں مبتلا ہو سکتا ہے، اسی لیے لکھا گیا ہے:

> "مبالغہ اور غلو ان لوگوں کے رگ و پے میں رچا ہوا ہے، یہ سچی بات سے سیر نہیں ہوتے، مجبوراً جھوٹ بولتے ہیں، اسی لیے اس موضوع پر ان کے اقوال مختلف ہیں، چنانچہ تصانیف کی تعداد، دو سو، تین سو پچاس، چار سو، پانچ سو سے زیادہ، چھ سو سے زیادہ اور ایک ہزار، بلکہ اس سے زیادہ بیان کی ہے" [3] (ترجمہ)

یہ ایک ایسا اشکال ہے جسے ایک دفعہ بیان کرنے سے تسلی نہیں ہوئی، بلکہ ص ۲۹-۳۱-۳۳ پر تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حالانکہ یہ کوئی لاینحل اشکال نہیں ہے۔ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء میں امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا کہ اس وقت تک تصانیف دو سو سے زائد ہے (جس کا ترجمہ البریلویۃ میں دو سو کے قریب کیا گیا ہے۔ اصل اور ترجمہ میں کتنا فرق ہے؟) اسی جگہ مولانا حامد رضا خاں نے حاشیہ لکھا کہ یہ ان تصانیف کی تعداد ہے جو ردِّ وہابیہ میں ہیں، ورنہ کل تصانیف چار سو سے زائد ہیں۔ ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے فہرست تیار کی اور ان کی تعداد تین سو پچاس بیان کی اور ساتھ ہی تصریح کر دی کہ یہ تعداد حتمی نہیں ہے، مزید جستجو کی جائے تو چالیس پچاس رسائل مزید مل جائیں گے۔ مفتی اعجاز ولی خاں نے تعداد ایک ہزار بیان

---

[1] شرکتِ حنفیہ، لاہور: انوارِ رضا ص ۳۴۸-۳۲۶

[2] مفتی اعجاز ولی خاں، مولانا: ضمیمہ المعتقد المنتقد (مکتبہ ایشق، ترکی) ص ۲۶۶

[3] ظہیر: البریلویۃ ص ۹-۲۸

کی، یہ ان کا اندازہ اور ان کی رائے تھی، جو کچھ زیادہ بعید نہیں ہے۔

بمبئی سے ماہنامہ المیزان نے چھ سو صفحات پر مشتمل وقیع اور خوبصورت امام احمد رضا نمبر نکالا، تو اس میں جن کتب و رسائل کی فہرست دی گئی، ان کی تعداد پانچ سو اڑتالیس ہے۔ یہ بھی آخری فہرست نہیں ہے، مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

> "فاضل بریلوی کی تصانیف کی تفصیلی فہرست پوری تحقیق اور تلاش و جستجو کے بعد مولانا عبد المبین نعمانی صاحب نے مرتب فرمائی ہے جو عنقریب المجمع الرضوی کے زیر اہتمام منظر عام پر آئے گی۔"[1]

جناب سید ریاست علی قادری لکھتے ہیں:

> "پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، پرنسپل گورنمنٹ ڈگری سائنس کالج ٹھٹھ (سندھ) نے اپنی تصنیف "حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی" میں ۸۴۴ کتب و حواشی کا تذکرہ کیا ہے، موصوف "بلوگرافیکل انسائیکلو پیڈیا آف امام احمد رضا خاں" ترتیب دے رہے ہیں، جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔"[2]

مجھے یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ اہل سنت و جماعت نے تصنیف و اشاعت کے بارے میں جس قدر بے اعتنائی سے کام لیا ہے، کسی فرقے نے نہیں لیا۔ اس غفلت شعار قوم سے آج تک نہ تو امام احمد رضا کی تصانیف کی اشاعت کا اہتمام ہو سکا اور نہ ہی وہ گراں قدر ذخیرۂ کتب پوری طرح محفوظ رہ سکا، اس لیے کوئی محقق کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے، جامع اور مکمل فہرست تیار نہیں کر سکتا۔

ان حالات میں ہم دعوے سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کی تصنیفات و رسائل کی تعداد آٹھ سو چوالیس ہے، تاوقتیکہ اس سے زیادہ نگارشات کی فہرست سامنے نہ آ جائے،

---

[1] یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظر میں (رضا اکیڈمی، مبارکپور) ص ۴۲

[2] ریاست علی قادری، سید: امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری (مطبوعہ کراچی) ص ۷

بعض حضرات نے جو تعداد ایک ہزار بتائی ہے، تو ممکن ہے وہ ظن و تخمین پر مبنی ہو۔

فتاویٰ رضویہ

امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف میں سرِ فہرست فتاویٰ رضویہ ہے۔ اس کا پورا نام العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ہے۔ اس فتاویٰ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے درج ذیل چند تاثرات کافی ہیں۔

ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، علی گڑھ کی ایک مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ایک بار استاذِ محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طبّاع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبیعت کی شدت اور بعض علماء کے بارے میں، ان کی طرف منسوب سخت گیر رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ الجھن درمیان میں نہ آپڑتی، تو اُن کا وقت اور علم و فضل، ملت کے دیگر مسائل کے لیے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور یقیناً وہ اس دور کے ابو حنیفہ کہلا سکتے تھے۔“ [1]

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

---

[1] عابد احمد علی، ڈاکٹر: مقالات یوم رضا (رضا اکیڈمی۔ لاہور) حصہ ۳ ص ۱۰

یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہ یشہد بذالک مجموع فتاواہ وکتابہ "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" الذی الفہ فی مکۃ سنۃ ثلاث وعشرین وثلاث مائۃ والف[1]۔

"ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ثانی ہو؛ اس پر ان کا فتاوٰی اور ان کی کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" شاہد ہے جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ مکرمہ میں لکھی تھی۔"

مولانا مودودی کے نائب ملک غلام علی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاوٰی کے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی، وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے، اور عشقِ خدا و رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔"[2]

شاہ معین الدین ندوی، دار المصنفین اعظم گڈھ لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں مرحوم صاحبِ علم و نظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی، مولانا نے جس دقتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں، اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ان کے عالمانہ محققانہ فتاوٰی مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔"[3]

---

[1] ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی)، جلد ۸، ص ۴۱

[2] یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں ص ۱۳۴

[3] ایضاً: " " " " " ص ۱۳۵-۶

یہ تاثرات امام احمد رضا بریلوی کے حلقۂ معتقدین کے نہیں، بلکہ علامہ اقبال کے علاوہ باقی اہلِ علم مسلکاً ان سے متفق نہیں ہیں، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ان تاثرات کو غلو اور مبالغہ پر محمول کیا جائے۔

اس وقت (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء) تک فتاویٰ کی بارہ جلدوں میں سے ساڑھے سات جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ ہندوستان سے شائع ہونے والی زیادہ تر جلدیں بڑے سائز میں چھپی ہیں جبکہ پہلی پانچ جلدیں پاکستان میں شائع ہوئی ہیں۔ پاکستانی ایڈیشن میں سائز چھوٹا کر دیا گیا ہے، لیکن اس میں قباحت یہ پیدا ہوگئی کہ خط اتنا باریک کر دیا گیا کہ پڑھنا مشکل ہے۔ ہندوستانی ایڈیشن میں سائز اور خط مناسب ہے، اگر فتاویٰ کو جدید انداز میں مرتب کیا جائے، پیرا بندی کی جائے، عربی عبارات کا اُردو ترجمہ شامل کر دیا جائے اور حواشی میں حوالوں کی تخریج کر دی جائے، تو اس کی کم از کم تیس جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

ذیل میں فتاویٰ رضویہ کی آٹھ جلدوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

جلد اول: مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ جہازی سائز تقطیع (۱/۲ ۹″ × ۱۲″)
صفحات ۸۸۰

اس جلد میں ایک سو چودہ فتوے اور اٹھائیس رسائل ہیں۔

جلد دوم: مطبوعہ کتب خانہ سمنانی، میرٹھ (انڈیا) سالِ طباعت (۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء)
تقطیع (۳/۴ ۶″ × ۱/۲ ۹″) صفحات ۵۱۲

اس جلد میں ۳۸۸ فتوے اور سات رسائل ہیں:

جلد سوم: مطبوعہ سُنّی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڈھ، (انڈیا)
سالِ طباعت (۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء) تقطیع (۳/۴ ۸″ × ۱۱″) صفحات ۸۱۵

اس جلد میں چار سو بیالیس مسائل ہیں اور پندرہ رسائل ہیں۔

جلد چہارم: مطبوعہ سُنّی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڈھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) تقطیع (۸ ۳/۴ × ۱۱) صفحات ۷۲۴

اس جلد میں چار سو بیالیس مسائل اور ستائیس رسائل ہیں۔

جلد پنجم: سُنّی دار الاشاعت، مبارکپور، اعظم گڈھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء) تقطیع ۸ ۳/۴″ × ۱۱″) صفحات ۷۹۹

اس جلد میں نو سو چوّن فتاویٰ اور نو رسالے ہیں۔

جلد ششم: سنّی دار الاشاعت، مبارکپور، اعظم گڈھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء) تقطیع (۸ ۳/۴″ × ۱۱″) صفحات ۵۳۶

اس جلد میں چار سو ستانوے مسائل اور آٹھ رسائل ہیں۔

جلد دہم: (نصف) مطبوعہ مکتبہ رضا، بیسلپور، پیلی بھیت (انڈیا) صفحات ۲۶۴

سالِ طباعت (ندارد) تقطیع (۹ ۱/۴ × ۱۲″)

جلد یازدہم: مطبوعہ ادارۂ اشاعت تصنیفاتِ رضا، بریلی (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) تقطیع (۷″ × ۹ ۱/۲″) صفحات ۳۲۵

اس جلد میں ایک سو ستاون مسائل اور چار رسائل ہیں۔

یہ آٹھ جلدیں چار ہزار آٹھ سو پچپن صفحات پر مشتمل ہیں اور اگر جدید انداز میں مرتب کر کے شائع کی جائیں، تو دو تین گنا زائد ہو جائیں۔

اعتراضات

امام احمد رضا کی تصانیف کے بارے میں چند شکوک و شبہات اٹھائے گئے ہیں، درج ذیل سطور میں ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ تصانیف کی تعداد کے بیان میں اختلافِ شدید پایا جاتا ہے اور اپنے امام کی عظمت کو جھوٹا سہارا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔[۱]

---

[۱] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۹-۲۸

، یہ اعتراض مختلف صفحات میں تین بار ذکر کیا گیا ہے، گویا ایک بار ذکر کرنے سے تسلی نہیں ہوئی، اس کا جواب گزشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے۔

۲۔ بریلوی نے کوئی کتاب نہیں لکھی، صرف استفتاءات کے جواب میں فتوے لکھے ہیں، اس کے لیے بھی متعدد تنخواہ دار ملازم رکھے ہوئے تھے۔ بعض استفتاء دوسرے شہروں میں بھیج دیئے جاتے تھے، ان کے معاونین جواب تحریر کرتے۔ یہ جوابات، سوال کرنے والوں کو ارسال کر دیئے جاتے۔ بعض معاونین مختلف کتابوں سے عبارات نقل کر کے بھیج دیتے، جنہیں تحقیق و تنقیح کے بعد اپنی عبارت میں درج کر دیتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے فتووں میں شدید ابہام پایا جاتا ہے[1] (ترجمہ ملخصاً)

دلائل کے بغیر آدمی جو چاہے کہہ سکتا ہے، لیکن اہلِ علم کے ہاں اس کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی۔ امام احمد رضا کے پاس علماء کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ کچھ حضرات دار العلوم منظرِ اسلام کے مدرس ہوتے تھے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ ان میں سے چند حضرات کو تربیت کے لیے مختلف کتابوں سے حوالے تلاش کرنے پر مامور فرما دیتے، تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے فتویٰ نویسی کے لیے ملازم رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی گزر بسر امامت کی تنخواہ اور نذرانوں پر تھی۔ دوسری طرف یہ کہ متعدد ملازم فتویٰ نویسی کے لیے رکھے ہوتے تھے، ان میں سے کس بات میں صداقت ہے؟ ہمارے نزدیک کسی میں بھی نہیں۔ بعض اوقات علامہ ظفر الدین بہاری کو کسی موضوع پر عبارات تلاش کرنے پر مامور فرما دیتے، یہ بھی ان کی تربیت کا حصہ تھا۔

اس جگہ حافظ عبد الرحمٰن مدنی (اہل حدیث) کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

> میرے گواہ میرے اپنے شاگرد ہیں، جو خود احسان الٰہی ظہیر کے لیے عربی اُردو میں کتابیں لکھتے ہیں اور پھر احسان الٰہی ظہیر ان کا نام دیئے بغیر اپنے نام سے

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۹

یہ کتابیں شائع کر کے اپنی شہرت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص انگریزی زبان نہ بول سکتا ہو، نہ پڑھ اور سمجھ سکتا ہو، اُس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اُس کے نام سے شائع ہوں؟"[1]

امام احمد رضا بریلوی کی فقہی بصیرت، ژرف نگاہی اور وسعتِ معلومات کے بیگانے بھی قائل ہیں۔ ابو الحسن علی ندوی اور شاہ معین الدین کے اقتباسات اس سے پہلے پیش کیے جا چکے ہیں۔ امام احمد رضا اس بات سے مستغنی تھے کہ کسی سے کتاب لکھوا کر اپنے نام سے شائع کر دیں۔

یہ تو اہلِ علم ہی جان سکتے ہیں کہ امام احمد رضا جو فتوے دیتے ہیں، وہ فیصلہ کن انداز میں دیتے ہیں، اس میں نہ تو ابہام ہوتا ہے نہ تعقید، بلکہ قدرت نے انہیں ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ وہ مختلف اقوال و عبارات کو ان کے صحیح محمل پر محمول فرماتے اور احادیثِ مختلفہ میں اس طرح تطبیق دیتے کہ کوئی اشکال ہی باقی نہ رہتا۔

۳۔ "بریلویوں کا یہ کہنا کہ ان کی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں، دلیل سے ثابت نہیں، کیونکہ کتاب صرف فتاوٰی رضویہ کو کہا جا سکتا ہے جو چھوٹے بڑے حجم میں آٹھ جلدوں میں چھپا ہے۔ باقی چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں جنہیں کتاب نہیں کہا جا سکتا۔"[2]

گویا کتاب اسی تصنیف کو کہا جا سکتا ہے جو بارہ ضخیم جلدوں میں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہو، ذیل میں چند کتابوں کے نام دیئے جاتے ہیں جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں:

الفقہ الاکبر: امامِ اعظم ابو حنیفہ کی اہم تصنیف ہمارے سامنے ہے۔ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کا مطبوعہ نسخہ ہے جس میں عربی عبارت چھوٹے سائز کے پچیس صفحات سے زائد نہیں ہے

---

[1] عبد الرحمٰن مدنی، حافظ: ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور (۳۱ اگست ۱۹۸۴ء) ص ۶

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۰

اربعین ، چالیس احادیث کا مجموعہ مختلف حضرات نے جمع کیا ہے۔ ایسا ہی ایک مجموعہ امام نووی کی تصنیفات میں شمار کیا گیا ہے۔[۱] حالانکہ یہ مجموعہ بہ مشکل پندرہ صفحات پر مشتمل ہوگا۔

یک روزہ : مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ چھوٹے سائز کے صرف بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ شاہ رفیع الدین، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، صرف نو رسائل چالیس صفحات پر مشتمل ہیں حساب لگا لیجئے کہ فی رسالہ اوسطاً کتنے صفحات پر مشتمل ہوگا۔

الفتح الخبیر : حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا چند صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جو الفوز الکبیر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود تصانیف میں الگ شمار کیا گیا ہے۔

رسالہ اشارۃ المسجہ : حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ساڑھے تین صفحے پر مشتمل رسالہ جو فتاویٰ عزیزی میں مندرج ہے۔

اصل میں کسی موضوع پر لکھی جانے والی علمی اور تحقیقی تحریر، رسائل اور تصانیف میں شمار کی جاتی ہے، اگرچہ چند صفحات پر مشتمل ہو، اس کے لیے متعدد جلدوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونا ضروری نہیں۔

۴ - فتاویٰ رضویہ چھوٹے بڑے رسائل پر مشتمل ہے، اس کے باوجود ان رسائل کو تصانیف کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔[۲]

فتاویٰ رضویہ میں شامل رسائل کو الگ کر دیا جائے تو بھی اُس کی ضخامت غیر معمولی ہوگی، رسائل کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر انہیں الگ کیا جاتا ہے۔ ابھی رسالہ الفتح الخبیر کا ذکر ہوا ہے جو چند صفحات پر مشتمل ہے اور الفوز الکبیر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود الگ شمار کیا جاتا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصانیف شمار کرتے ہوئے سب سے پہلے ابجد العلوم کو شمار کیا گیا ہے جو تین جلدوں میں ہے، پھر اس کی پہلی جلد الوشی المرقوم، دوسری جلد السحاب

---

[۲] ظہیر : البریلویة ص ۱ - ۳۰

[۱] عبدالرشید عراقی : امام نووی اور اُن کی تصنیفات، ترجمان الحدیث لاہور (شمارہ جون ۱۹۸۱ء) ص ۴۵

المرکوم کو الگ بھی شمار کیا گیا ہے۔ [1]

۵۔ بعض رسائل چھ صفحات پر مشتمل ہیں، مثلاً تنویر القندیل بعض سات صفحات پر مثلاً تبیان الوضوء اور بعض آٹھ صفحات پر مثلاً لمع الاحکام ۔۔ یہ رسائل بھی ان کی تالیفات میں شمار کیے گئے ہیں۔ [2]

غالباً یہ خیال نہیں رہا کہ یہ صفحات جہازی سائز کے ہیں۔ یہ رسائل عام کتابی سائز پر شائع کیے جائیں، تو صفحات تین چار گنا بڑھ جائیں گے، اس سے قبل متعدد رسائل کی نشان دہی کی جا چکی ہے، جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کے باوجود تصانیف میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۶۔ "لطیفہ یہ ہے کہ صحیح بخاری، نسائی، التقریب وغیرہ کتب جو بریلوی کے کتب خانہ میں موجود تھیں اور وہ ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور ایک دو صفحات پر کہیں حاشیہ بھی لکھ دیا۔ ان تمام حواشی کو بھی اپنے مجدد کی تصنیف میں شمار کر دیا، حالانکہ ان حواشی میں سے بڑی کتاب تو کجا، چھوٹی کتاب بھی نہیں چھپی" [3] (ترجمہ ملخصاً)

یہ درست ہے کہ ان کتابوں پر امام احمد رضا بریلوی نے مستقل حواشی نہیں لکھے، لیکن اکثر و بیشتر کتابوں پر لکھے ہوئے علمی اور تحقیقی نوٹس اتنی مقدار میں ہیں کہ انہیں الگ کتاب اور کتابچے کی صورت میں شائع کیا جا سکتا ہے۔

۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء میں طحطاوی علی الدر المختار پر امام احمد رضا کے حواشی تعلیقاتِ رضا کے نام سے مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کیے تھے۔ تحقیق و ترجمہ کا کام مولانا محمد صدیق ہزاروی نے انجام دیا۔ یہ تعلیقات ۲۷۲ پر مشتمل ہیں، جن میں صرف عربی حواشی چھیاسی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، ابجد العلوم ج ۳، ص ۲۷۵-۹

[2] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۱

[3] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۲-۳

اسی طرح اسی سال میں معالم التنزیل پر امام احمد رضا کے حواشی، مولانا محمد صدیق ہزاروی کے ترجمہ کے ساتھ چھپے ہیں، جو چوالیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

البریلویۃ نامی کتاب ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء کے بعد چھپی، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ تعلیقات رضا کے دونوں حصے ان کی نظر سے نہ گزرے ہوں۔

جدّ الممتار، حاشیۂ شامی

لطف یہ کہ ۱۹۸۲ء ہی میں شامی پر امام احمد رضا بریلوی کے مبسوط حاشیہ کی پہلی جلد حیدر آباد، دکن سے چھپ گئی تھی جو ۳۲۴ صفحات پر مشتمل اور نفیس عربی ٹائپ پر چھپی ہے، غالباً یہ جلد بھی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔ یہ حاشیہ پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۷۔ "اس گروہ کا صریح جھوٹ یہ کہنا ہے کہ فتاویٰ رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، حالانکہ اب تک اس کی صرف آٹھ جلدیں ہی چھپی ہیں۔ نیز ان آٹھ جلدوں میں سے صرف ایک جلد بڑے سائز پر چھپی ہے۔ باقی تمام جلدیں چھوٹے سائز پر چھپی ہیں۔" [1]

ایک طفلِ مکتب بھی جانتا ہے کہ ہر کتاب کا چھپا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بے شمار کتابیں ایسی ہیں کہ جن کی ایک جلد بھی نہیں چھپی، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس کتاب کی ایک جلد بھی نہیں ہے کیونکہ کوئی جلد چھپی جو نہیں ہے — واقعہ یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں لکھی گئی تھیں، جن میں سے سات جلدیں مکمل اور دسویں جلد نصف چھپ چکی ہے۔

اسی طرح اگر آپ نے تاج محل نہیں دیکھا، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ موجود ہی نہیں ہے، ہمارے پاس فتاویٰ رضویہ کی دوسری جلد کے علاوہ باقی تمام جلدیں بڑے سائز پر انڈیا کی چھپی ہوئی موجود ہیں، جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۴

۸۔ "بڑے سائز پر چھپی ہوئی جلد اول ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔"[۱]
ممکن ہے یہ طباعت کی غلطی ہو، ورنہ پاکستانی ایڈیشن میں پہلی جلد آٹھ سو اسی صفحات پر مشتمل اور جہازی سائز پر چھپی ہوئی ہے۔

حاشیہ فواتح الرحموت

مسلّم الثبوت تصنیف علامہ محب اللہ بہاری اصولِ فقہ کی دقیق ترین کتاب ہے۔ حضرت علامہ بحر العلوم لکھنوی نے اس پر فواتح الرحموت کے نام سے شرح لکھی۔ بحر العلوم کا دقیق اندازِ تحریر کسی صاحب علم پر مخفی نہیں ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس پر حاشیہ تحریر فرمایا جو چار سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے اور راقم کے پاس محفوظ ہے۔

---

[۱] ظہیر: البریلویۃ ص ۳۴

اسلامی سیاست

متحدہ پاک و ہند کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا وجود ہندوؤں کے لیے کبھی قابلِ برداشت نہیں رہا، ان کی سوچ ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اسلام سرزمینِ عرب سے آیا ہوا غیر ملکی مذہب ہے، لہٰذا یہاں کے باشندوں کو پھر سے اپنے آبائی مذہب کو اختیار کر لینا چاہیئے، کبھی یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ہندوستان کے تمام باشندے ایک قوم ہیں، سلاطینِ مغلیہ میں سے اکبر کے دربار میں ان لوگوں کا اثر ونفوذ حد سے زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ اس نے ایک نئے دین، دینِ الٰہی کی داغ بیل ڈالنا چاہی جو ہندو مت ہی کا چربہ تھا، اس سے ہندوؤں کو تو کیا نقصان پہنچتا، مسلمان اپنے دین وایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

ایسے میں امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات نے وہ کام کیا کہ بڑے بڑے بادشاہ اور اُن کے لشکر بھی نہ کر سکے۔ آپ کی مساعیٔ جمیلہ لادینیت اور الحاد کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہوئیں اور ملتِ اسلامیہ کی کشتی گنگا اور جمنا کے منجدھار میں غرق ہونے سے محفوظ رہ گئی۔

اسی دور میں شیخِ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف کے ذریعے دین متین کی تعلیمات کو فروغ دیا اور کفر کے منہ زور سیلاب کا رُخ موڑ دیا۔

ان کے بعد علمی وفکری قیادت شاہ عبدالرحیم محدّث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ آئی اور ان حضرات نے کمال حُسن وخوبی سے اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی فرمائی۔ ان کے بعد علامہ فضلِ حق خیرآبادی، شاہ فضلِ رسول بدایونی

شاہ احمد سعید مجددی اور مولانا ارشاد حسین رامپوری وغیرہم اسلامی عقائد اور روایات کی حفاظت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں ایک ایسی شخصیت کو پیدا فرمایا جو غیرتِ اسلامی اور ملتِ اسلامیہ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا پیکر اور ان حضرات کی صحیح جانشین تھی جسے دنیا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے نام سے جانتی ہے۔

تحریک ترکِ موالات

پہلی جنگِ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف، ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک طوفان کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور بچہ بچہ انگریز حکمرانوں کے خلاف نفرت و عداوت کا شعلۂ جوالہ بن گیا، اس ہمہ گیر نفرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں کانگریس کی طرف سے نان کوآپریشن یعنی ترکِ موالات کا اعلان کر دیا، جسے ترکِ موالات کا نام دیا گیا۔

موالات کا معنی ہے دوستی اور محبت، ترکِ موالات کا معنی ہوا کہ محبت اور دوستی چھوڑ دی جائے، کس سے؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کے دل میں کسی کافر کی محبت نہیں سما سکتی، خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو، البتہ معاملہ یعنی لین دین، خرید و فروخت، مرتد کے علاوہ کسی بھی کافر سے کیا جا سکتا ہے۔ قرآن و حدیث اور ائمۂ فقہا کے ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے، تو موالات اور معاملہ دو الگ الگ چیزیں دکھائی دیں گی۔

کسی تحریک کی رَو جب چل نکلتی ہے، تو عوام و خواص، جوش و خروش اور نعروں کی گونج میں جذبات کی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ عقل و دانائی کی باتیں سننے کے بھی روادار نہیں رہتے اور جو انہیں بھلائی اور خیر خواہی کا مشورہ دے، اُسے بھی شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہی کچھ اس تحریک میں بھی ہوا۔

اسلامی تشخّص تک قربان

کسی قوم کے زندہ رہنے کے لیے اس کے قومی تشخّص کا باقی رہنا ازبس ضروری ہوتا ہے۔ ہندؤوں کے لیڈر مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ایسا چکر دیا کہ عوام تو عوام تعلیم یافتہ لوگ بھی اس کے گرویدہ ہو گئے یہاں تک کہ اسلامی تشخّص بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

امام احمد رضا بریلوی اس قومی خودکشی کی لرزہ خیز صورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

(آیتِ کریمہ " لَا یَنْھٰکُمُ " نے کچھ نیک برتاؤ، مالی مواسات ہی کی تو رخصت دی، یا یہ فرمایا[1] کہ انہیں اپنا انصار بناؤ —— اُن[2] کے گہرے یار غار ہو جاؤ —— اُن[3] کے طاغوت (گاندھی) کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ —— اُن[4] کی جے پکارو —— اُن[5] کی حمد کے نعرے مارو —— انہیں[6] مساجدِ مسلمین میں باادب و تعظیم پہنچا کر —— مسندِ[7] مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لے جا کر —— مسلمانوں[8] سے اونچا اُٹھا کر واعظ و ہادیٔ مسلمین بناؤ —— اُن[9] کا مُردار جیفہ اُٹھاؤ —— کندھے[10] پر ٹکٹکی (میت) زبان پر جے یوں مرگھٹ میں پہنچاؤ —— مساجد[11] کو ان کا ماتم گاہ بناؤ —— اُن[12] کے لیے دعائے مغفرت و نمازِ[13] جنازہ کے اعلان کراؤ —— اُن[14] کی موت پر بازار بند کرو، سوگ مناؤ —— اُن[15] سے اپنے ماتھے پر قشقے (تلک) لگواؤ —— اُن[16] کی خوشی کو شعارِ اسلام (گائے کی قربانی) بند کراؤ —— گائے[17] کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ —— کھانے[18] والوں کو کمینہ بتاؤ —— اسے[19] مثل سوٴر کے گناؤ —— خدا[20] کی قسم کی جگہ رام دوہائی گاؤ —— واحد[21] قہار کے اسماء میں الحاد رچاؤ —— اسے[22] معاذ اللہ! رام یعنی ہر چیز میں رما ہوا، ہر شے میں حلول کیے ہوئے ٹھہراؤ —— قرآن[23] مجید کو رامائن کے ساتھ

ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ ـــــ دوکوں[۲۴] کی پوجا کراؤ ـــــ ان کے سرغنہ (گاندھی) کو کہو کہ خدا نے ان کو تمہارے پاس مُذکّر بنا کر بھیجا ہے یُوں معنیٔ نبوّت جماؤ ـــــ اللہ عزّ و جل نے سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے یہی تو فرمایا: اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ہ تم تو نہیں، مگر مذکّر ـــــ اور "خُدا نے مذکر بنا کر بھیجا ہے۔" اس نے معنیٔ رسالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ ہاں لفظ بچایا، اُسے[۲۶] یُوں دکھایا: "نبوّت ختم نہ ہوتی، تو گاندھی جی نبی ہوتے" ـــــ اور امام و پیشوا و بجائے مہدیٔ موعود تو صاف کہہ دیا ـــــ بلکہ اُس[۲۸] کی حمد میں یہاں تک اونچے اڑے کہ "خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست"۔ صاف[۲۹] کہہ دیا کہ "آج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کر لیا، تو اپنے خدا کو راضی کر لیا" ـــــ صاف کہہ دیا کہ "ہم ایسا فکر بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو و مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا" ـــــ صاف کہہ دیا کہ "ایسا مذہب چاہتے ہیں جو سنگم و پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا" ـــــ صاف[۳۲] کہہ دیا کہ "ہم قرآن و حدیث کی تمام عمر بُت پرستی پر نثار کر دی" ـــــ کیا کریمہ لَا يَنْهٰكُمُ میں ان ملعونات و کفریات کی اجازت دی تھی؟" لہ

تحریکِ ترکِ موالات اگر کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی تو سیدھے سادے مسلمانوں کا دین و ایمان تباہ ہو جاتا اور وہ ہندوؤں میں مدغم ہو کر رہ جاتے، اس کے علاوہ علمی اور معاشی طور پر مسلمانوں کا دیوالیہ نکل جاتا۔ اس وقت ہندوؤں کی تعداد ۲۳ کروڑ اور مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ تھی، اس لیے ضروری تھا کہ ایک مسلمان کے مقابل تین ہندو ملازمت چھوڑتے، جبکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ پھر ہندوؤں کے مقابل مسلمان گورنمنٹ کے عہدوں پر پانچ فیصد تھے، مسلمانوں کے ملازمت چھوڑنے کی صورت میں ان

لہ احمد رضا بریلوی، امام: المحجۃ المؤتمنۃ (مطبع حسنی، بریلی) ص ۴۵

عہدوں پر بھی ہندو آجاتے اور مسلمان اقتصادی لحاظ سے مزید کمزور پڑ جاتے۔[1]

گاندھی اور اس کے ہم خیال علماء نے اسلامیہ کالج لاہور اور علی گڑھ کالج کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، جبکہ ڈی۔ اے۔ وی کالج اور بنارس ہندو یونیورسٹی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ دراصل کچھ ہندو لیڈر خود اس تحریک کے خلاف تھے، ان کی چال یہ تھی کہ مسلمانوں کے کالج تباہ ہو جائیں، اُن کے عہدے ختم ہو جائیں، ہمارے کالج بھی بدستور چلتے رہیں اور عہدے بھی بحال رہیں۔ ان کی کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کا معاشی اور علمی لحاظ سے جو نقصان ہوتا اس کی کبھی تلافی نہ ہو سکتی۔

پنڈت مدن مالوی، اس بات کے سخت خلاف تھے کہ طالب علم حکومت کی امداد سے چلنے والے کالجوں کا بائیکاٹ کریں، جبکہ مسٹر گاندھی اس بائیکاٹ کے زبردست مؤید اور محرک تھے۔ اس کے باوجود بنارس ہندو یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے کہا:

> "میں پنڈت مالوی کا ہم خیال ہوں کہ طالب علموں کو اپنے ضمیر کے مطابق کارروائی کرنی چاہیئے۔ میں آپ لوگوں سے بڑے زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر آپ میری دلیلوں سے قائل نہ ہوں تو ہرگز ہرگز قطع تعلق کی پالیسی اختیار نہ کریں۔"[2]

مقامِ غور ہے کہ گاندھی نے اس قدر ڈھیلا ڈھالا انداز اختیار کیوں کیا؟ اس لیے کہ مخاطب ہندو طلبہ تھے اور اگر مسلمان طلبہ مخاطب ہوتے تو انہیں پُرزور انداز میں بائیکاٹ کی تلقین کی جاتی، تاکہ مسلمان بچوں کا علمی مستقبل تباہ ہو جائے اور ہندو طلبہ بدستور علمی لحاظ سے ترقی کرتے رہیں۔

قائدِ اعظم اور ترکِ موالات

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریکِ ترکِ موالات طوفان کی طرح پورے ملک پر چھا گئی تھی۔

---

[1] تاج الدین احمد تاج، منشی، ہندؤوں سے ترکِ موالات (مطبوعہ لاہور ۱۹۲۰ء) ص ۲۰

[2] ایضاً: ״ ״ ״ ״

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی دل و جان سے اس تحریک میں شریک تھے۔ انہوں نے نہ صرف گاندھی کی قیادت قبول کرلی تھی، بلکہ اُسے باپو تک کہتے تھے، لیکن قوم کے غیر جذباتی اور دُور رس نگاہ رکھنے والے لیڈر اس تحریک کے حق میں نہیں تھے۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں؛

> "آخر یہ کیا بات تھی، جناح کے کیمپ میں خاموشی کیوں تھی؟ سناٹا کیوں چھایا ہوا تھا؟ چہل پہل اور گہما گہمی اور ہنگامہ آرائی کیوں ناپید تھی؟ کیا ان کے قُوائے عمل شلّ ہوگئے تھے؟ کیا ان کی زبان گنگ ہوگئی تھی؟ کیا ان کا دماغ ناکارہ ہوگیا تھا؟ نہیں یہ بات نہیں تھی، جناح کی نظریں حال کے آئینہ میں مستقبل کا جلوہ دیکھ رہی تھیں، وہ جذبات کے طوفان میں بہنے کا عادی نہیں تھا۔ طوفان کا رُخ موڑ دینا اس کی عادت تھی۔"[1]

محمد علی جناح نے بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

> "میں یہ کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا کہ گاندھی جی نے ——— جن کی میں عزت کرتا ہوں ——— جو پروگرام اختیار کیا ہے، وہ قوم کو غلط راستے پر لیے جا رہا ہے ...... ان کا پروگرام قوم کو صراطِ مستقیم کے بجائے ایک گڑھے کی طرف لے جا رہا ہے۔"[2]

علامہ اقبال اور دو قومی نظریہ

علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ الہ آباد کے اجلاس کی صدارت کی اور اپنے صدارتی خطبہ میں نظریہ پاکستان پیش کیا۔[3] اُس وقت اُن کی ہنسی

---

[1] رئیس احمد جعفری؛ حیات محمد علی جناح (کتب خانہ تاج آفس، بمبئی) ص ۱۰۱

[2] ایضاً؛ 〃 〃 〃 〃 ص ۱۰۲-۳

[3] اعجاز الحق قدوسی؛ اقبال اور علمائے پاک و ہند (اقبال اکادمی، لاہور) ص ۸۱

اُڑائی گئی، ان کی باتوں کو مجذوب کی بڑ کہا گیا، لیکن علامہ نہ صرف اپنے نظریئے پر قائم رہے، بلکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے ہموار کرتے رہے۔ ۱۱؍ جون ۱۹۳۸ء کو قائدِ اعظم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "صدر کانگریس (نہرو) نے مسلمانوں کے سیاسی وجود سے صریحاً انکار کر دیا ہے۔ ان حالات کے تحت ہندوستان میں قیامِ امن کی واحد راہ یہی ہے کہ نسلی، مذہبی اور لسانی مماثلت کے لحاظ سے ہندوستان کی دوبارہ تقسیم عمل میں آئے
>
> مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے مراجعت سے قبل لارڈ لوتھین نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری سکیم (یعنی اسکیمِ پاکستان ——— مؤلف) ہی ہندوستان کے درد کا واحد درماں ہے۔" [1]

مسلمان اور ہندو، دو الگ الگ قومیں ہیں۔ یہ اعلان امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے دور میں پوری قوت سے کیا۔ یہی نعرۂ حق امام احمد رضا بریلوی نے ۱۹۲۰ء میں اتنی قوت سے بلند کیا کہ ہندو مسلم اتحاد کا پردہ چاک ہو گیا۔ یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جو ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کی بنیاد بنا اور جسے ۱۹۳۸ء میں قائدِ اعظم نے قبول کیا۔ قائدِ اعظم کی طرح علامہ اقبال بھی تحریکِ خلافت کے حق میں نہیں تھے۔

میاں عبدالرشید، کالم نگار "نورِ بصیرت"، "نوائے وقت" لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال تحریکِ خلافت کے مخالف تھے، چنانچہ انہوں نے یہ اشعار لکھے:

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ وہ جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی

---

[1] رئیس احمد جعفری: حیاتِ محمد علی جناح ص ۳۳۴

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی (بانگِ درا)

قائدِ اعظم بھی اس تحریک اور اس کی ضمنی تحریکوں کو مسلمانوں کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے تھے، مگر ان دنوں کسی نے ان کی ایک نہ سُنی۔ چنانچہ وہ اس آندھی کے دوران، میدانِ سیاست سے ہٹ آئے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ جن لوگوں نے میدان میں آکر خلافت، ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں کی مخالفت کی اور ان کے حامیوں اور لیڈروں کا زور توڑا، وہ حضرت احمد رضا خاں اور ان کے احبّاء، رفقاء اور عقیدت مند ہی تھے ع

جُز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار"[1]

مسٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

"اقبال مسئلہ تحفظِ خلافت پر مسلمانوں کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر عدمِ تعاون کی تحریک میں شرکت کے خلاف تھے، کیونکہ کسی قابلِ قبول ہندو مسلم معاہدے کے بغیر محض انگریز دشمنی کی بنا پر قومیتِ متحدہ کی تعمیر ممکن نہ تھی، علاوہ اس کے انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر قومیتِ متحدہ کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت کو ختم نہ کر دیں جس کے سبب بعد میں انہیں پشیمان ہونا پڑے، انہی اختلافات کی بنا پر اقبال نے صوبائی خلافت کمیٹی سے استعفا دے دیا۔"[2]

خود علامہ اقبال کا بیان ہے:

"خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبر ہر جگہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتے، وہ بظاہر جوشیلے

---

[1] میاں عبدالرشید، پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر (ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، لاہور) ص ۱۱۶

[2] جاوید اقبال زندہ رود (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۲، ص ۲۴۸

مسلمان معلوم ہوتے ہیں، لیکن درباطن اخوان الشیاطین ہیں، اسی وجہ سے میں نے خلافت کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے استعفا دے دیا تھا۔"[1]

ابتداءً علامہ اقبال بھی متحدہ قومیت کے قائل تھے، لیکن گہرے غور و فکر نے ان کی رائے تبدیل کر دی۔ ۱۴ر نومبر ۱۹۲۳ء کو سیّد محمد سعید الدین جعفری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"ابتداء میں، مَیں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متّحدہ قومیت کا خواب شاید سب سے پہلے مَیں نے دیکھا تھا، لیکن تجربہ اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی کر دی اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی نظام ہے، جس کو ہم ایک ناگزیر زشتی سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔"[2]

سیّد سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا، افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دُور جا پڑے، وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں، جس کو کوئی مخلص ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔[3]

اسی لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ:

"تحریکِ ترکِ موالات میں بریلویوں کے علاوہ مسلمانوں کے تمام گروہ، ان کے زعماء، قائدین اور علماء شامل تھے۔"[4]

اگر مسلمانوں کے تمام گروہ ترکِ موالات کے دور میں ہندو مسلم اتحاد کا شکار ہو گئے ہوتے، تو پاکستان کی حمایت میں مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت کبھی ووٹ نہ دیتی اور پاکستان بھی معرضِ

---

[1] جاوید اقبال، ڈاکٹر: زندہ رود (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۲، ص ۲۴۹

[2] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۲۷۳

[3] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۲۶۳

[4] ظہیر: البریلویۃ ص ۴۲

وجود میں نہ آتا۔ یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ ایک طبقہ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی پاکستان کی بنیادوں کو محفوظ کرنے والوں کے خلاف زبان طعن دراز کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

امام احمد رضا بریلوی اور ترکِ موالات

تحریک ترکِ موالات ایک طوفان کی طرح پورے متحدہ پاک و ہند پر چھا چکی تھی، اس کے خلاف آواز اُٹھانا، اپنے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے کے مترادف تھا ملّتِ اسلامیہ کا دشمن اور انگریز کا ایجنٹ قرار دینا عام سی بات تھی۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں،

> "اس تحریک کی جس نے مخالفت کی، اس کا رُخ جس نے موڑنا چاہا، اس کی پگڑی سلامت نہ رہ سکی ۔۔۔۔۔۔ اکابر علماء، صلحاء، اخیار، ابرار میں سے جس نے بھی اس تحریک کی مخالفت کی، اسے مسلمانوں کے قومی پلیٹ فارم سے ہٹ جانا پڑا۔"[1]

ایسے عالم میں امام احمد رضا بریلوی نے کسی مخالفت اور الزام کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بصیرتِ ایمانی کا فیصلہ صادر فرمایا اور طوفانوں کی زد پر دین و ایمان کا چراغ فروزاں رکھا تاریخ شاہد ہے اور مؤرخین اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ زمانے کا بڑے سے بڑا طوفان اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہ لا سکا، بلکہ ان کی ایمانی جرأت و استقامت نے طوفانوں کا رُخ موڑ دیا۔ اس وقت اُن پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے گئے، لیکن طوفانی دور گزر جانے کے بعد بھی دیانت دار مؤرخین ان کی ایمانی بصیرت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

گائے کی قربانی

مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہی ہندوؤں کی کوشش تھی کہ مسلمانوں سے گائے کی

---

[1] رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح ص ۱۵۸

قربانی رُکوا دی جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ کہیں تو جبر و تشدد سے اس اسلامی شعار کو بند کرنے کی کوشش کی اور کہیں دجل و فریب سے۔

"علاقۂ بہار میں ہندوؤں نے محض قربانی گاؤ کو روکنے، یعنی مسلمانوں کے ایک مذہبی اور دینی شعار کو قطعاً بند کرنے کے لیے ہزارہا کی تعداد میں اور لشکروں کی صورت میں مجتمع ہو کر اور ہر طرح کے اسلحہ جات سے مسلح ہو کر اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر ہزارہا مسلمانوں کو زخمی اور قتل کیا۔ ایک نہیں، دو نہیں، مسلمانوں کے ایک سو چالیس گاؤں اور دو ہزار سات سو مکانات اس بے دردی کے ساتھ لوٹے کہ جن کی تفصیل سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مسلمانوں کے مکانات کا لوٹا ہوا مال ظالم ہندو ہاتھیوں پر لاد کر لے گئے... آپ کے ہندو دوستوں نے لاتعداد مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی۔ آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کی پانچ عالی شان مسجدیں شہید کر دیں...... آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کے قرآن مجید پھاڑ پھاڑ کر ایسے پُرزے اُڑائے کہ مسلمانوں کے پاس پڑھنے کے لیے قرآن مجید کا ایک نسخہ بھی نہ رہا۔"[1]

کبھی اس مقصد کے لیے فریب کا سہارا لیا اور زید و عمر کے نام سے علماء کے پاس استفتاء بھیجے کہ گائے کی قربانی اسلام میں واجب نہیں ہے، البتہ اس سے فتنہ و فساد کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر مسلمان گائے کی قربانی نہ کریں، تو اس میں کیا حرج ہے؟ بعض جیّد علماء کی اس طرف توجہ نہ ہو سکی، انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء میں اسی قسم کا ایک استفتاء امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے پہلی نظر میں ہی سوال کا چھپا ہوا مقصد معلوم کر لیا اور جواباً تحریر فرمایا کہ

---

[1] تاج الدین احمد تاج، منشی، ہندوؤں سے ترکِ موالات، ص ۶

شریعتِ مبارکہ میں بعض چیزیں نفس ذات کے لحاظ سے واجب یا حرام ہوتی ہیں اور بعض اشیاء امورِ خارجہ اور عوارض کی بناء پر واجب یا حرام ہوتی ہیں۔ گائے کی قربانی اپنی ذات کے اعتبار سے واجب نہیں ہے، لیکن اگر اسے جبرًا بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو تو اس کا جاری رکھنا واجب ہوگا۔

> ”ہم ہر مذہب و ملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بزورِ مخالفین گاؤکشی قطعاً بند کر دی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع مطہر ہرگز اس سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلتِ اسلام متصور نہ ہوگی؟
>
> —— کیا اس میں خواریٔ و مغلوبیٔ مسلمین نہ سمجھی جائے گی؟
>
> —— کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کرکے ہمارے مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا؟
>
> —— کیا بلا وجہ وجیہ اپنے لیے ایسی دناءت و ذلت اختیار کرنا اور دوسروں کو دین کی مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا ہماری شرع مطہر جائز فرماتی ہے؟
>
> —— حاشا و کلّا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں —— ہماری شرع مطہر ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی، نہ یہ متوقع کہ حکامِ وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں اور دوسری طرف کی توہین و تذلیل روا رکھیں۔“ [1]

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء کو مسلم لیگ ضلع بریلی کے جائنٹ سیکرٹری سید عبدالودود نے ایک استفتاء پیش کیا کہ آج کل ہندو، گائے کی قربانی موقوف کرانے کے لیے زبردست کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے حکومت کو پیش کرنے کے لیے ایک درخواست تیار کی ہے

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام؛ رسائلِ رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج ۲، ص ۲۱۸

جس پر کروڑوں افراد کے دستخط ہیں، ایسے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا بریلوی نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

> "گائے کی قربانی شعائرِ اسلام سے ہے۔ قال اللہ تعالٰی وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰہَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ" اور اونٹ، گائے، بیل ہم نے ان کو کیا تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے۔"
>
> مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ اس معاملہ کے انسداد میں شرکت ناجائز و حرام ہے۔"[1]

امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت کے فتاویٰ کا یہ اثر ہے کہ بحمدہٖ تعالٰی آج بھی ہندوستان کے سبھی مسلمان تمام تر دہشت گردی کو برداشت کر کے گائے کی قربانی ایسے شعائرِ اسلام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اگر علماء اسلام بر وقت اس سازش کا سدِ باب نہ کرتے، تو آج ہندوستان میں اس شعارِ اسلام کا نام و نشان تک مٹ چکا ہوتا۔

اسلامیہ کالج لاہور

ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ، اسی لیے وہ ملازمتوں اور عہدوں میں بھی ہندوؤں سے خطرناک حد تک پیچھے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اپنی مشہور کتاب "النور" میں اعداد و شمار کی روشنی میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس ہے — تین مسلمانوں کے (علی گڈھ، لاہور، اور پشاور) اور ایک سو بائیس ہندوؤں کے —— سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: رسائلِ رضویہ ج ۲، ص ۲۳۴

> چھیالیس ہزار چار سو سینتیس (۴۶۴۳۷) ہے، جن میں سے مسلمان چار ہزار آٹھ سو پچھتر (۴۸۷۵) ہیں، ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس ہزار پانچ سو باسٹھ (۴۱۵۶۲) ہے۔
>
> جس قوم کی تعلیمی حالت یہ ہو کہ سات کروڑ میں سے صرف چار ہزار مشغول تعلیم ہوں، اُس قوم کا یہ ادعاء اور ہنگامہ کہ اب ہمیں تعلیم کی حاجت نہیں، اگر خبط و سودا نہیں تو اور کیا ہے؟“ [1]

تحریکِ ترکِ موالات کے لیڈر ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی وغیرہ گاندھی کے ایماء پر علی گڑھ کالج کو تباہی سے ہمکنار کر کے لاہور پہنچے اور ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ایک جلسہ میں مطالبہ کیا گیا کہ اسلامیہ کالج، لاہور کو یونیورسٹی سے الحاق ختم کر دینا چاہیئے اور حکومت کی طرف سے بصورتِ گرانٹ ملنے والی رقم، تیس ہزار روپے سالانہ سے دستبردار ہونا چاہیئے۔ [2]

مسٹر گاندھی جو بنارس یونیورسٹی کے ہندو طلبہ کو اس انداز میں تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

> ”میں پنڈت، مالوی کا ہم خیال ہوں کہ طالب علموں کو اپنے ضمیر کے مطابق کارروائی کرنی چاہیے۔ میں آپ لوگوں سے بڑے زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر آپ میری دلیلوں سے قائل نہ ہوں، تو ہرگز ہرگز قطع تعلق کی پالیسی اختیار نہ کریں“ [3]

وہی گاندھی جب مسلمان طلبہ سے خطاب کرتے ہیں، تو انداز قطعاً مختلف ہے۔ ابوالکلام آزاد کے کندھے پر بندوق رکھ مسلمان طلبہ کو نشانہ کی زد پر لیتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] محمد صدیق، پروفیسر: پروفیسر مولوی حاکم علی (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۱۱۳

[2] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۹۹

[3] تاج الدین احمد تاج، منشی: ہندوؤں سے ترکِ موالات ص ۲۰

"آپ میں سے بہت سے آدمی ہوں گے، جن کے کالجوں اور مدرسوں میں لڑکے پڑھتے ہیں۔ مولانا (آزاد) نے کہا ہے کہ ان کی تعلیم حرام ہے۔ اگر آپ چاہیں، تو صبح ہی سے لڑکوں کو مدرسوں میں نہ بھیجو۔" [1]

علامہ اقبال، انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے جنرل سیکرٹری تھے جس کے ماتحت اسلامیہ کالج چل رہا تھا اور مولانا حاکم علی وائس پرنسپل، کالج ہنگامے کی نذر ہوا، تو مولانا حاکم علی نے نے ایک استفتاء امام احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ یونیورسٹی کے ساتھ کالج کے الحاق کے برقرار رکھنے اور حکومت سے امداد لینے کے بارے میں حکمِ شرعی کیا ہے؟

امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا:

"وہ الحاق و اخذِ امداد اگر نہ کسی امرِ خلافِ اسلام و مخالفِ شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں، ورنہ ضرور ناجائز اور حرام ہوگا۔" [2]

پھر مخالفین کے غلط رویّے کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خود مانعین کا طرزِ عمل ان کے کذبِ دعوٰی پر شاہد، ریل، ڈاک، تار سے تمتع کیا معاملت نہیں؟ فرق یہ ہے کہ اخذِ امداد میں مال لینا ہے اور اُن کے استعمال میں دینا، عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہو اور لینا حرام، اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی مِلک ہیں۔ ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی یہیں کا ہے، تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع، اس اُلٹی عقل کا کیا علاج؟" [3]

---

[1] محمد صدیق، پروفیسر: پروفیسر حاکم علی، ص ۶۸ (بحوالہ روزنامہ زمیندار، لاہور)

[2] احمد رضا بریلوی، امام: رسائلِ رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج ۲، ص ۸۵

[3] ایضاً: ،، ،، ،، ج ۲، ص ۸۵-۶

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء کو چودھری عزیز الرحمٰن نے لاہور سے ایک استفتاء ارسال کیا، جس کے لہجے میں تلخی تھی، انہوں نے لکھا:

> "کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیّت وغیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہو جائیں اور مسلمان تباہ ہو جائیں۔"[1]

امام احمد رضا بریلوی نے بسترِ مرگ سے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلا ہوا تفصیلی جواب دیا جس کی ایک ایک سطر سے ملّتِ اسلامیہ کا درد پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ جواب المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ کے نام سے پہلے بریلی اور پھر لاہور سے چھپ چکا ہے۔ یہ کتاب دو قومی نظریہ کے سمجھنے کے لیے اہم مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ، سندھ نے ایک مقالہ فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات میں اس کتاب کا تفصیلی اور جامع تعارف پیش کیا ہے، جو لائقِ مطالعہ ہے۔

سر سیّد کے دور میں جب نہ صرف انگریزی وضع قطع اور تعلیم بلکہ انگریزی فکر کو بھی بطورِ فیشن اپنایا جا رہا تھا۔ امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء اہل سنّت نے ان پر سخت تنقید کی تھی۔ پھر جب رُخ بدلا اور انگریز کی بجائے ہندو کو اپنا ملجا و مأویٰ اور امام بنایا جانے لگا، تو علماء اہل سنّت نے اس کا بھی سختی سے نوٹس لیا۔ دونوں زمانوں میں ان کا مقصد و مدّعا رضائے الٰہی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہیے، ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتاویٰ اہل سنّت نے دیئے کلامِ الٰہی و احکامِ الٰہی بیان کیے، تو یہ اُن (لیڈروں) کے دھرم میں انگریزوں کو خوش کرنے کو ہوئے وہ جو بیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اپچی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رونے بیٹھے ہیں کیا اُس کا

---

[1] احمد رضا بریلوی؛ امام: رسائل رضویہ، ج ۲، ص ۸۸

رد علمائے اہل سنت نے نہ کیا، وہ کس کے خوش کرنے کو تھا؟"[۱]

پھر انگریز نوازی کے الزام کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بات یہ ہے کہ

ع اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ

(آدمی اپنے ہی احوال پر کرتا ہے قیاس)

لیڈروں اور اُن کی پارٹی نے آج تک نصرانیت کی تقلید و غلامی، خوشنودیٔ نصاریٰ کو کی' اب کہ اُن سے بگڑی ان سے بدرجہا بڑھ کر خوشنودیٔ ہنود کو اُن کی غلامی لی۔ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ، خادمانِ شرع بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے، حالانکہ اللہ و رسول جانتے ہیں کہ اظہارِ مسائل سے خادمانِ شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا، صرف اللہ عزّ و جل کی رضا اور اُس کے بندوں کو اُس کے احکام پہنچانا، وللہ الحمد!

سُنیے! ہم کہیں واحدِ قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں، جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہیٔ مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو' نہیں نہیں، بلکہ اس پر بھی جس نے (کوئی) حق مسئلہ نہ رضائے خدا و رسول' نہ تنبیہ و آگاہیٔ مسلمین کے لیے بتایا' بلکہ اُس سے خوشنودیٔ نصاریٰ اس کا مقصد و مدعا ہو' اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجیے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں' سب کی ہزار در ہزار لعنتیں ان پر جنہوں نے خوشنودیٔ مشرکین (ہنود) کے لیے تباہیٔ اسلام کے مسائل دل سے نکالے، اللہ عزّ و جل کے کلام و احکام' تحریف و تغیر سے کایا پلٹ کر ڈالے، شعائرِ اسلام بند کیے، شعائرِ کفر پسند کیے، مشرکوں کو امام و ہادی بنایا' ان سے وداد و اتحاد منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آمین"[۲]

---

[۱] احمد رضا بریلوی، امام: رسائلِ رضویہ ج ۲، ص ۱۴۲

[۲] ایضاً: " " " ص ۴۲-۱۴۳

بالآخر ۱۱ر دسمبر ۱۹۲۰ء کو علامہ اقبال کی ذاتی کوششوں سے اسلامیہ کالج دوبارہ کھل گیا۔[1] اور اس طرح طلبہ بہت بڑے تعلیمی نقصان سے بچ گئے۔

تحریکِ ہجرت

تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں ایک تحریک یہ بھی اٹھی کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر جانا چاہیے۔ علمائے اہلِ سنت نے اس کی سختی سے مخالفت کی، جو لوگ ہندوؤں کی چال کو نہ سمجھ سکے، ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

"ہاں دار الاسلام، اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی، و بے حرمتی، قبورِ مسلمین کی بربادی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہو گی۔"[2]

ہندوؤں کی مہلک سازشوں کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے:

اوّل، اُس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم، یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم، یہ بھی نہ ہو سکے، تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف (ہندو) نے یہ تینوں درجے ان پر طے کر دیئے اور اُن کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔

اوّلاً، جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا (کیونکہ ان میں طاقت نہ تھی ۱۲ قادری)

---

[1] محمد صدیق، پروفیسر: پروفیسر مولوی حاکم علی ص ۱۱۲

[2] احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ مبارک پور انڈیا) ج ۶، ص ۲

ثانیاً، جب یہ نہ بنی ہجرت کا ابھرا (فریب) دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں، ان کی مساجد و مزاراتِ اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

ثالثاً، جب یہ بھی نہ نبھی، تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر اُبھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری، ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ، ہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔ جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے — حقوقِ اسلام پر جو گزرتی ہے ظاہر ہے، جب تنہا وہی رہ جائیں گے، تو اُس وقت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔" [1]

ہجرت کر کے جانے والوں کا جو حشر ہوا، اس کا ہلکا سا نقشہ رئیس احمد جعفری کی تحریر میں دیکھا جا سکتا ہے:

"پھر ہجرت کی تحریک اُٹھی، ۱۸ ہزار مسلمان اپنا گھر بار، جائیداد، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر ـــــ خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔ افغانستان ہجرت کر گئے، وہاں جگہ نہ ملی، واپس کئے گئے، کچھ مر کھپ گئے، جو واپس آئے تباہ حال، خستہ، درماندہ، مفلس قلاش، تہی دست، بے نوا، بے یار و مددگار، اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے ہیں، تو کیا کہتے ہیں؟ اور اگر جناح نے اسے ہلاکت خیز کہا تھا، تو کیا غلط کہا تھا؟" [2]

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: رسائلِ رضویہ ج ۲، ص ۲۰۳

[2] رئیس احمد جعفری حیاتِ محمد علی جناح ص ۱۰۸

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی دُور رس نگاہوں نے جو کچھ محسوس کیا تھا، وہ کس قدر صحیح اور بروقت تھا۔

جہاد

اسلامی فرائض میں جہاد اہم ترین فریضہ ہے، لیکن یہ اُسی وقت فرض ہوگا، جب اس کی شرائط پائی جائیں، اس کی اہم شرائط میں سے سلطانِ اسلام اور قوت کا موجود ہونا ہے، اسی لیے امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا تھا:

"مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست و پا پر اعانتِ اعمال نہیں، و لہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔"[1]

ایک دوسری جگہ قوت و طاقت کے شرط ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"سلطان اسلام جس پر اقامتِ جہاد فرض ہے، اُسے بھی کافروں سے پہل حرام ہے جبکہ ان کے مقابلہ کے قابل نہ ہو۔ مجتبیٰ و شرح نقایہ و رد المحتار کی عبارت گزشتہ:

ھٰذا اذا غلب علیٰ ظنہ انہ یکافئھم والا فلا یباح قتالھم

(یہ اس وقت ہے جب گمان غالب ہو کہ ان کے مقابلہ کے قابل ہے، ورنہ ان سے لڑنا حلال نہیں)"[2]

ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوستان میں نہ تو سلطان اسلام موجود تھا اور نہ ہی طاقت، پھر جہاد کس برتے پر کیا جاتا؟

امام احمد رضا بریلوی کے ان فتاویٰ کی بناء پر کہا جاتا ہے:

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۱۰۸

[2] ایضاً: رسائل رضویہ ج ۲، ص ۲۱۰

> "اسی لیے مسلمانوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ انگریز کے ایجنٹ ہیں اور ان کے لیے کام کر رہے ہیں۔" (ترجمہ)[1]

امام احمد رضا بریلوی نے ایک حکم شرعی بیان کیا تھا، جس میں نہ تو انگریز کی طرفداری مقصود تھی اور نہ ہی چاپلوسی اور خوشامد، جبکہ علماء اہل حدیث نے نہ صرف حرمتِ جہاد کا فتویٰ دیا، بلکہ خوشامد اور تملق کے تمام درجے طے کر گئے، تفصیل کے لیے اسی کتاب کا دوسرا باب ملاحظہ کیا جائے، سرِ دست صرف ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی، اہل حدیث کے وکیل اور صفِ اوّل کے راہنما تھے۔ انہوں نے ۱۸۷۶ء میں ایک رسالہ الاقتصاد لکھا، جس کا مقصد ایک طرف تو مسلمانوں سے جہاد کے جذبے کو ختم کرنا تھا اور دوسری طرف برٹش گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا تھا، یہ ان کی انفرادی رائے نہ تھی، بلکہ لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کر کے بڑے بڑے علماء کو یہ رسالہ حرف بحرف سنایا اور ان کی تائید حاصل کی۔ ہندوستان اور پنجاب کے جن شہروں تک وہ نہ پہنچ سکے، وہاں اس رسالہ کی کاپیاں بھجوا کر علماء کی تصدیق حاصل کی۔ پھر ۱۸۷۹ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ کی جلد ۲، نمبر ۱۱ کے ضمیمہ میں شائع کیا، جس پر صدہا عوام و خواص (اہل حدیث) نے ان مسائل پر اتفاق کا اظہار کیا۔[2] اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ رسالہ علماء اہل حدیث کا متفقہ فیصلہ تھا۔

اس رسالہ میں بٹالوی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں شرعی جہاد کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "ان دو نتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے ...... ہم جب کبھی بعض اخبارات میں یہ خبر

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۴۳

[2] محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد فی مسائل الجہاد (وکٹوریہ پریس، لاہور) ۲-۳

دیکھتے ہیں کہ سلطنتِ روم یا ریاستِ افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہیں آتا کہ اس وقت روئے زمین پر امام کہاں ہیں، جس کی پناہ میں اور اس کے امر و اجازت سے مسلمان جہاد کر سکیں . . . . یہ خوف فریقین کا اس وقت بجا تھا، جبکہ جہادِ اسلام کا اصلی فرض ہوتا اور تقررِ امام کے سوا مسلمانوں کا اسلام صحیح یا کامل نہ ہوتا۔"[1]

اس عبارت سے صراحۃً چند امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ امام کا تقرر ضروری نہیں، اس کے بغیر کمالِ ایمان میں بھی فرق نہیں آتا۔

۲۔ چونکہ امام کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا، اس لیے ہندوستان میں نہ تو جہاد شرعی ضروری ہے اور نہ ہی اس کا جواز ہے۔

۳۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ دُنیا کے کسی خطے پر بھی جہاد نہیں ہو سکتا۔

۴۔ جہاد اسلام کا فرض اصلی نہیں ہے۔

اب اگر کوئی شخص مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہم نوا علماء اہل حدیث کو انگریز کے ساختہ پرداختہ قرار دے، تو اسے قوی دلائل میسر آجائیں گے۔ امام احمد رضا بریلوی کا موقف یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کے پاس قوتِ جہاد نہیں ہے، اس لیے ان پر جہاد واجب نہیں ہے۔ یہ موقف ہرگز نہیں تھا کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جہاد فرض نہیں ہے اور نہ ہی ان کا یہ موقف تھا کہ جہاد فرض اصلی نہیں ہے۔

تحریکِ خلافت و ترکِ موالات

" امام احمد رضا پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک کافر اور غاصب

---

[1] محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد فی مسائل الجہاد (وکٹوریہ پریس، لاہور) ص ۳- ۲،

انگریزی استعمار سے ترکِ موالات حرام ہے۔"[1]

اس بے بنیاد الزام کا حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ موالات ہر کافر سے حرام ہے، خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو، انہیں لیڈروں کے اس رویے سے اختلاف تھا کہ وہ انگریزوں سے نہ صرف موالات بلکہ معاملات بھی حرام قرار دیتے تھے اور ہندوؤں سے موالات چھوڑ اتحاد تک جائز قرار دیتے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"موالات ہر کافر سے حرام ہے" اوپر واضح ہو چکا ہے کہ رب عزّوجل نے عام کفار کے نسبت یہ احکام فرمائے، تو بزورِ زبان ان میں سے کسی کافر کا استثناء ماننا اللہ عزوجل پر افترائے بعید اور قرآن کریم کی تحریف شدید ہے۔"[2]

اس سے زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں:

"قرآنِ عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی، مجوس ہوں، خواہ یہود و نصارٰی ہوں، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدان عنود، اور یہ مدعیانِ ترکِ موالات، مشرکین مرتدین سے یہ کچھ موالات برت رہے ہیں۔ پھر ترکِ موالات کا دعوٰی"[3]

مشہور ماہرِ تعلیم اور بین الاقوامی سکالر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

"انہوں نے اپنے پیروکاروں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ برصغیر کا ان کا کوئی ہم عصر ماہرِ الٰہیات اپنے پیروکاروں پر مرتب نہ کر سکا۔ تحریکِ خلافت کے آغاز میں عدم تعاون کے فتوے پر دستخط لینے کے لیے علی برادران ان کی خدمت میں حاضر

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۴۲

[2] احمد رضا بریلوی، امام: فتاوٰی رضویہ (مبارک پور)، ج ۶، ص ۱۲

[3] ایضاً: ″ ″ ″ ″ ص ۱۹۲

ہوئے، انہوں نے جواب دیا:

مولانا! آپ کی اور میری سیاست میں فرق ہے، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف۔

جب مولانا نے دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہو گئے ہیں، تو انہوں نے کہا:

مولانا! میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں، میں تو ہندو مُسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔" [1]

محمد جعفر شاہ پھلواری ترکِ موالات کے زبردست حامی تھے، اسی حمایت کے سبب انگریزی تعلیم چھوڑ کر عربی شروع کر دی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

"ترکِ موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی، مجھے فاضل بریلوی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ترکِ موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ! وہ سرکارِ برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ہیں . . . . . تحریک ترک موالات کے جوش میں تحقیق کا ہوش نہ تھا، اس لیے ایسی افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، لیکن جیسے جیسے شعور آتا گیا، مذہبی تعصب اور تنگ دلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا چلا گیا۔" [2]

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں کو اگرچہ انگریزوں سے شدید نفرت تھی، لیکن اُن کی دُوررس نگاہیں مستقبل میں اس تحریک کے انجام کو دیکھ رہی تھیں، وہ جانتے تھے کہ اس برصغیر میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وقتی طور پر یہ ایک فریب ہے،

---

[1] سید محمد ریاست علی قادری: معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۷

[2] محمد مرید احمد چشتی: جہانِ رضا (مجلس رضا، لاہور)، ص ۱۲۵

جو اکثریت اقلیت کو دے رہی ہے۔ نتیجتہً اگر یہ تحریک کامیاب بھی ہو جائے تو ہندوؤں کی اکثریت ہر شعبۂ زندگی میں اقلیت پر اثر انداز ہو گی اور عجب نہیں کہ یہ تحریک اکثریت میں ادغام کی صورت اختیار کر لے۔"[1]

دارالاسلام

ہندوستان پر سات سو سال تک مسلمانوں کا اقتدار رہا۔ انگریز تاجر بن کر آئے اور اپنی فطری عیاری سے حکمران بن بیٹھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں پنجاب، کشمیر، سرحد اور ملتان کے علاوہ تمام ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہو گئی[2] اب علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فقہائے احناف کے تین اقوال بیان فرماتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب کب ہوتا ہے؟ پھر تیسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

"وہمیں قول ثالث را محققین ترجیح دادہ اند و بریں تقدیر معمولہ انگریزاں واشباہ ایشاں لاشبہ دارالحرب است۔"[3]

اور جب ہندوستان دارالحرب قرار پایا تو اُن سے سُود لینا بھی جائز ٹھہرا، البتہ جبراً مال نہیں چھین سکتا۔

وانما حرم تعرضہ لاموالهم لما فیہ من نقض العهد واذا بذلوها بالرضا فلا وجہ للحرمۃ۔[4]

مسلمان کے لیے حربیوں کے مال سے تعرض کرنا حرام ہے کہ اس میں عہد کی خلاف ورزی ہے اور اگر بخوشی دیں، تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔"

---

[1] اعجاز الحق قدوسی؛ اقبال اور علمائے پاک و ہند (اقبال اکادمی، لاہور) ص ۲۰۸

[2] ایضاً ؛ " " " " ص ۱۵۲

[3] عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ ؛ فتاویٰ عزیزی (مطبع مجتبائی) ج ۱، ص ۱۱۰

[4] ایضاً " " " " ص ۱۰۹

بعد کے علماء میں یہ مسئلہ شدید اضطراب کا باعث بنا رہا۔ دیوبندی مکتبِ فکر کے مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس موضوع پر مختلف فتاویٰ موجود ہیں۔ سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں:

> "ان تینوں تحریروں کو سامنے رکھا جائے، تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مولانا گنگوہی نے ہندوستان کی نسبت فرمایا:
>
> (الف) ہند دارالحرب ہے۔
>
> (ب) ہند کے متعلق بندہ کو خوب تحقیق نہیں۔
>
> (ج) ہند دارالامان ہے۔
>
> اب کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟ [1]

مولوی محمد قاسم نانوتوی کا فتویٰ بھی گومگو کی کیفیت پیش کرتا ہے، کہیں وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں شبہ ہے اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ دارالحرب ہے[2] کہیں کہتے ہیں کہ ہجرت کے معاملے میں دارالحرب اور سود کے معاملے میں دارالاسلام قرار دینا چاہیے۔[3]

مولوی محمود حسن کہتے ہیں کہ دونوں فریق صحیح کہتے ہیں۔[4]

علامہ انور شاہ کشمیری، ہندوستان کو دارالامان قرار دیتے ہیں[5] دارالعلوم دیوبند کے ٹرسٹی سعید احمد اکبر آبادی دار کی چار قسمیں بیان کرتے ہیں: دارالاسلام، دارالحرب، دارالعہد اور دارالامان اور آخر میں کہتے ہیں:

---

[1] سعید احمد اکبر آبادی: ہندوستان کی شرعی حیثیت (علی گڑھ) ص ۶ - ۳۵

[2] محمد قاسم نانوتوی: قاسم العلوم، مکتوبات (ناشران قرآن، لاہور) ص ۳۷۱

[3] ایضاً: 〃 〃 〃 ص ۳۶۱

[4] حسین احمد مدنی: سفر نامہ شیخ الہند (مکتبہ محمودیہ، لاہور) ص ۱۶۹

[5] سعید احمد اکبر آبادی: ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۱۷

"یہ ملک (ہندوستان) دار کی چاروں قسموں میں سے کوئی قسم نہیں ہے۔"[1]

امام احمد رضا بریلوی کا فتویٰ یہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں:

"دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکامِ شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلامیہ کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے، مگر یہ بات بحمداللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔"[2]

دارالحرب قرار دینے والوں پر لطیف طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عجب ان سے جو تحلیل ربا (سود) کے لیے جس کی حرمت نصوصِ قاطعۂ قرآنیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت و استطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، گویا یہ بلاد اسی دن کے لیے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اڑائیے اور بآرام تمام وطن مالوف میں بسر فرمائیے۔"[3]

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام احمد رضا اس فتوے میں منفرد ہیں؟ تحقیق کی جائے تو بہت سے علماء کے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔ سر دست چند فتوے ملاحظہ ہوں:

مولانا کرامت علی جونپوری، خلیفہ سید احمد بریلوی نے ۲۳، نومبر ۱۸۷۰ء کو کلکتہ کے ایک مذاکرۂ علمیہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

---

[1] سعید احمد اکبر آبادی: ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۹۶

[2] احمد رضا بریلوی، امام: اعلام الاعلام (حسنی پریس، بریلی) ص ۲

[3] ایضاً: ״ ״ ״ ״ ص ۷

"مملکتِ ہندوستان جو بالفعل پادشاہ عیسائی مذہب کے قبضۂ اقتدار میں ہے، مطابق فقہ مذہبِ حنفی کے دارالاسلام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔" [1]

ان کی تقریر کے بعد مولوی فضل علی، مولوی ابوالقاسم عبدالحکیم، مولوی عبداللطیف سیکرٹری مجلس، شیخ احمد آفندی انصاری مدنی، سیّد ابراہیم بغدادی نے اپنی تقاریر میں مولانا کرامت علی جونپوری کی تائید کی۔

اس کے علاوہ اس رسالہ میں حضرت شیخ جمال بن عبداللہ حنفی، مفتیٔ مکۂ معظمہ، علامہ سید احمد دحلان مفتیٔ شافعیہ، مکۂ مکرمہ، شیخ حسین بن ابراہیم، مفتیٔ مالکیہ مکۂ معظمہ، علاّمہ عبدالحق خیرآبادی اور مفتی سعداللہ کے فتاوٰی موجود ہیں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ [2]

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"بلادِ ہند جو قبضۂ نصارٰی میں ہیں، دارالحرب نہیں ہیں۔" [3]

مولوی اشرف علی تھانوی بھی دارالاسلام ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ [4]

رسالہ اعلام الاعلام اور تھانوی صاحب کا یہ رسالہ دو اہم فتوے کے نام سے مکتبہ قادریہ، لاہور سے چھپ چکا ہے۔

اہل حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرماں روا ہیں، اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا پڑا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ

---

[1] کرامت علی جونپوری، مولانا: اسلامی مجلسِ مذاکرۂ علمیہ کلکتہ (نول کشور، لکھنؤ) ص ۳

[2] ایضاً: 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۲۴-۲۶

[3] عبدالحی لکھنوی، مولانا: مجموعہ فتاوٰی (مطبع یوسفی لکھنؤ) ج ۱، ص ۳۰۲

[4] اشرف علی تھانوی: تحذیر الاخوان (تھانہ بھون) ص ۹

ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔"[1]

نواب صاحب کا رجحانِ طبع بھی دارالاسلام کی طرف ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اس مقام میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان دارالحرب ہی ہو (یعنی ہے تو دارالاسلام ۱۲ قادری) تو بھی حکامِ انگلشیہ کے ساتھ جو یہاں کے رئیسوں کا عہد اور صلح ہے اس کا توڑنا بڑا گناہ ہے۔"[2]

اہل حدیث کے وکیل محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی ہو، وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو اقوامِ غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پا لیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی ہے، وہ بحکمِ حالتِ قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔"[3]

میاں نذیر حسین دہلوی کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

"ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا۔"[4]

ڈپٹی نذیر احمد، اہل حدیث لکھتے ہیں:

"خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ہندوستان باوجودیکہ نصاریٰ کی عملداری ہے،

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب؛ ترجمانِ وہابیہ (مطبع محمدی، لاہور) ص ۱۵

[2] ایضاً؛ 〃 〃 〃 〃 ص ۲۶

[3] محمد حسین بٹالوی؛ الاقتصاد ص ۱۹

[4] فضل حسین بہاری؛ الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۱۲۴

دارالحرب نہیں ہے" (حاشیہ سورۂ نساء رکوع ۱۴) [۱]

امام احمد رضا پر بے اصل الزام لگایا جاتا ہے:

"وہ ہر تحریکِ آزادی کے مخالف تھے، انہوں نے حرمتِ جہاد کا فتویٰ دیا۔ دلیل یہ دی کہ ہند دارالحرب نہیں ہے اور اعلانِ جہاد دارالحرب ہی میں ہوتا ہے، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دوسروں کو راضی کرنے کے لیے کہا کہ ہند دارالاسلام ہے اور اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا۔" (ترجمہ ملخصاً) [۲]

مخالفت کا یہ انداز اور اتہام پردازی کا یہ اسلوب قطعاً محمود نہیں ہے —— مولانا کرامت علی جونپوری خلیفہ سید صاحب، نواب بھوپالی، بٹالوی صاحب، میاں نذیر حسین صاحب ڈپٹی نذیر احمد، تھانوی صاحب اور مولانا عبدالحی لکھنوی سب ہی تو دارالحرب کی نفی کر رہے ہیں۔ کیا ان سب ہی کو دشمنِ آزادی قرار دیا جائے گا؟ نواب صاحب، بٹالوی صاحب اور مولانا جونپوری تو دارالاسلام قرار دے رہے ہیں، کیا ان پر بھی انگریز کو خوش کرنے کا الزام لگایا جائے گا؟ اور اگر نہیں تو ترجمانِ وہابیہ اور اشاعۃ السنۃ کی فائلوں کو دیکھیے، انگریزوں کو راضی کرنے کے ایسے ایسے منظر سامنے آئیں گے کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ پیشِ نظر کتاب کے دوسرے باب کا مطالعہ بھی سودمند رہے گا۔

ہندوؤں کا تعصّب

ہندوؤں کی تنگ نظری کا عالم آشکار ہے، مسلمانوں کی دشمنی تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی:

"ہندوؤں کے باورچی خانہ میں اگر کتا چلا جائے، تو باورچی خانہ ناپاک نہیں

---

[۱] سعید احمد اکبر آبادی: ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۵۳

[۲] ظہیر البریلویۃ ص ۴۰

ہوتا، لیکن اگر مسلمان کا سایہ بھی پڑجائے، تو باورچی خانہ ناپاک ہوجاتا ہے، کیونکہ مسلمان ملیچھ جو ٹھہرے۔ ایک ہندو حلوائی کی دوکان پر جاکر مسلمان ایک ذلیل بھنگی کی طرح سودا خریدتا ہے اور کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ ہندو کی کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے۔" [1]

امام احمد رضا، تحریک ترک موالات کے لیڈروں کی ہندو دوستی (موالات) پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب ہندؤوں کی غلامی ٹھہری، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری ——؟ وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں —— تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہوجائے —— سودا بیچیں تو دُور سے ہاتھ میں ڈال دیں —— پیسے لیں، تو دُور سے یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اُس پر رکھوالیں —— حالانکہ بحکمِ قرآنی خود وہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ (مسجد) میں لے جاؤ جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے —— وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ —— مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے اندھا کردیا۔" [2]

گاندھی کی ملاقات سے انکار

تحریک کا وہ دور، طوفان بلاخیز تھا، ہند کے سامری، گاندھی نے ایسا جادو پھونکا کہ بڑے بڑے لیڈر، دست بستہ اس کے پیچھے چلتے تھے اور اس کی ملاقات کو وجہ سعادت جانتے تھے۔ امام احمد رضا غیرتِ اسلامی کا وہ پیکرِ مجسم تھے کہ کسی بھی کافر کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

---

[1] تاج الدین احمد تاج، منشی: ہندوؤں سے ترکِ موالات ص ۱۸

[2] احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ ج ۲، ص ۱۹۳

تحریکِ خلافت کے دور میں انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے گاندھی نے ملاقات کا پروگرام بنایا، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔

ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ لکھتے ہیں:

> "ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا، فرمایا:
>
> گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے؟ اور دنیاوی معاملہ میں، میں کیا حصہ لوں گا، جبکہ میں نے اپنی دُنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی غرض نہیں رکھی۔"[1]

یاد رہے کہ امام احمد رضا، بریلی کے جس محلّے میں رہتے تھے، وہاں سب ہندو رہتے تھے، مسلمانوں میں سے آپ کا خاندان رہتا تھا۔ اس کے باوجود آپ کے جذبۂ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ بے خوف و خطر اسلامی تعلیمات کا پرچار کرتے تھے اور اُن کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔

تحریکِ خلافت

اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تُرکی پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں نے غم و غصّہ کا اظہار اور احتجاج کرنے کے لیے تحریک چلائی تھی۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی، مجلسِ خلافت کی رُوحِ رواں تھے۔ امن اور عدم تشدد کے حامی مسٹر گاندھی نے اس اشتعال سے فائدہ اُٹھایا، وہ اپنی فسوں کاری سے اس تحریک کا لیڈر اور امام بن گیا۔ مسلم لیڈروں نے اس کے فریب میں آکر وہ وہ ناکردنی کام

---

[1] مختار الدین آرزو، ڈاکٹر: انوارِ رضا (شرکت حنفیہ۔ لاہور) ص ٣٦١

کئے کہ اسلامی سوچ اور فکر رکھنے والے علماء تڑپ اُٹھے۔ گاندھی جو کٹر ہندو تھا، وہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کے جذبات سے کھیل رہا تھا، ورنہ اسے مسلمانوں کے مصائب اور مقاصد سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی؟

> "وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں، تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے، یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا؟ کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے، تو ہم تلوار سے چھڑا دیں گے۔"[1]

علماء اہل سنّت نے گاندھی کا پیس رو بننے سے انکار کر دیا، اگرچہ وہ خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کا نام ہی کیوں نہ لیتا ہو، وہ کسی صورت میں بھی اسے امام بنانے پر تیار نہ ہوئے۔

ماہ شوال ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء کو صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی نے السواد الاعظم، مرادآباد میں "خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں اور علماء اہل سنّت کی کارگزاریاں" کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا، جس میں انہوں نے مسلمانوں کی عالمی زبوں حالی، ہندوستانی مسلمانوں کے جوش اور جذبے کو بیان کرتے ہوئے ان مفاسد کی نشان دہی کی ہے جن کا ارتکاب لیڈر کر رہے تھے۔ نیز وہ طریقے بھی تجویز کیے، جن سے ترک بھائیوں کی امداد کی جا سکتی تھی، نیز وہ فرماتے ہیں:

> "قیامت نما نوازل (مصائب) بلادِ اسلامیہ کو تہ و بالا کر ڈالتے ہیں، مقاماتِ مقدسہ کی وہ خاکِ پاک جو اہلِ اسلام کی چشمِ عقیدت کے لیے طوطیا سے بڑھ کر ہے، کفّار کے قدموں سے روندی جاتی ہے۔ حرمین محترمین اور بلادِ طاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دل کیوں پاشش نہ ہو جائیں؟ ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے کہ خون کے دریا نہ بہائیں؟ سلطنتِ اسلامیہ کی

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: المحجۃ المؤتمنہ (مطبع حسنی، بریلی) ص ۲۸

اعانت وحمایت خادم الحرمین کی مدد و نصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔" [1]

پھر مسلمانوں کی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہندوستان میں مسلمان برابر جلسہ کر کے پُرزور تقریروں میں جوش کا اظہار کر رہے ہیں۔ سلطنتِ برطانیہ سے ترکی اقتدار کے برقرار رکھنے کی درخواستیں کی جاتی ہیں، ترکی مقبوضات واپس دینے کے مطالبے کیے جاتے ہیں، اسی مقصد کے لیے رزولیوشن پاس ہوتے ہیں، وفد بھیجے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تدبیریں کہاں تک کامیاب ہوسکتی ہیں؟ [2]

اس تحریک میں ہندوؤں کو ساتھ ملا لیا گیا، علمائے اہل سنت اس تحریک میں شامل نہ ہوئے اور علمائے اہل سنت کے اس تحریک میں شامل نہ ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اگرچہ یہ مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے ؎

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردیٔ ہم سایہ در بہشت

لیکن مذہب کا فتویٰ اس (ہندوؤں کے شامل کرنے) کو ممنوع اور ناجائز قرار نہیں دیتا...... لیکن صورتِ حالات کچھ اور ہے۔ اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر بجا ہے اور درست ہے، پکارتے مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے، تو بے جا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔

---

[1] غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافاضل (ادارہ جامعہ نعیمیہ رضویہ، لاہور) ص ۹۹

[2] ایضاً: ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۱۰۰

> پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتویٰ مقلد کی طرح سر نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان اُن کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں۔" [1]

دین و مذہب کے نثار کرنے کی کیفیت گزشتہ صفحات میں کسی قدر پیش کی جا چکی ہے۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری، سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ نے فرمایا تھا اور بالکل بجا فرمایا تھا:

> "مسلمانوں کا حقیقی نصب العین، دین و مذہب، اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے، دُنیا اُن کے پاس دین کی رونق اور مذہب کی خدمت کے لیے ہے۔ جب دین و مذہب ہی نہ رہا تو ملعون ہے، وہ سلطنت جو ایمان کے عوض ملے اور صدہا لعنت ہے اُس حکومت پر جو اسلام بیچ کر خریدی جائے۔" [2]

الائمۃ من قریش

تحریکِ خلافت سے اس کی فتنہ سامانیوں کے سبب، علماء اہل سنّت کی بے تعلقی کا اجمالی پس منظر گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے، اس لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے:

> "بریلوی نے ایک اور رسالہ دوام العیش لکھا جس میں انہوں نے خلافتِ ترکیہ کی امداد کرنے والوں کے دعویٰ کو رد کیا اور دلیل یہ پیش کی کہ خلیفہ، قریشی ہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ ترکی کے عثمانی حکمران قریشی نہیں ہیں، اس لیے ان کی خلافت ثابت نہیں، اسی بنا پر ہندوستان کے مسلمانوں پر ان کی نصرت و امداد لازم اور خلافت کے لیے انگریز سے جنگ جائز نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ

---

[1] غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافاضل ص ۱۰۰-۱۰۱

[2] سلیمان اشرف بہاری، سید: الرشاد (مکتبہ رضویہ۔ لاہور) ص ۲۰

تصریح کی کہ:

ترکوں کی حمایت، محض دھوکہ ہے، ورنہ خلافت کا نام لینے سے مقصد، ہندوستان کی اراضی کی آزادی ہے۔"[1]

ایک سوال کے جواب میں کہ سلطنت ترکیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"سلطنتِ علیّہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنتِ اسلام، نہ صرف سلطنت، ہر جماعتِ اسلام، نہ صرف جماعت، ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنیٰ؛ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے اور وقتِ حاجت دُعا سے امداد و اعانت بھی، ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے۔"[2]

کیا اب بھی یہ کہنے کا جواز رہ جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سلاطینِ ترکیہ کی امداد کو اس بناء پر غیر ضروری قرار دیتے تھے۔

پھر غلط ترجمہ کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک تحریک کا مقصد آزادئ ہند تھا، جس کی انہوں نے مخالفت کی۔ اصل عبارت دیکھنے سے غلط بیانی کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں،

"تُرکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامئ ہنود، سوراج کی چکھی ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے، بھاری بھرکم خلافت کا نام لو، عوام بھڑیں، چندہ خوب ملے اور گنگا وجمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے ۔

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۲-۴۱

[2] احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۴۶

اے پس رو مُشرکاں بزمزم نہ رسی!
کیں رہ کہ تو می روی بہ گنگ و جمن است[1]

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ لیڈر، خلافت کا نام محض مطلب آری
کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ آزادی حاصل کر کے سیکولر (لادینی سٹیٹ
قائم کی جائے جس میں قوت و اقتدار کا سرچشمہ ہندوؤں کے پاس ہو، کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور
مسلمان ان کے محکوم اور تابع محض ہوں۔ یہ وہ مقصد تھا جسے قبول کرنے سے امام احمد رضا
نے انکار کیا تھا اور ہر صاحب بصیرت مومن کو اس سے انکار کرنا چاہیئے۔

تحریکِ خلافت کے لیڈر، عامۃ المسلمین پر امام احمد رضا کے گہرے اثرات سے بخوبی
واقف تھے، اسی لیے ہر قیمت پر انہیں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے۔ گاندھی نے ملاقات
کا پیغام بھیجا تھا، جواباً آپ نے صاف انکار کر دیا۔ گزشتہ صفحات میں ان دونوں واقعات کا ذکر
کیا جا چکا ہے۔ فرنگی محل سے مولانا عبد الباری کے بار بار تقاضے آئے کہ آپ کی اس مسئلہ
میں کیا رائے ہے؟ دار الافتاء بریلی سے جواب دیا گیا کہ ایسے مسائل دار الافتاء کے موضوع سے خارج ہیں
مقصد یہ تھا کہ شاید خلافت کے نام سے ترک بھائیوں کو کوئی فائدہ پہنچ جائے، لیکن
وہ نہ مانے، بلکہ انہوں نے شائع کر دیا کہ دار الافتائے بریلی خلافت کا منکر ہے اور کئی مواقع پر
انہوں نے کہا کہ منکرِ خلافت کافر ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ خلیفۂ شرعی کے لیے تو قرشی
ہونا ضروری ہے اور سلطان ترکی قریشی نہیں، بلکہ عثمانی ہیں، تو انہوں نے کہا کہ خلافتِ شرعی
کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔[2] یہی بات ابو الکلام آزاد نے ایک رسالہ مسئلہ خلافت و جزیرۂ عر

ہیں کچھ
کسی شخص نے مولانا فرنگی محلی کے خطبۂ صدارت اور ابو الکلام آزاد کے رسالہ کا حوالہ دے

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام : دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۶۵

[2] مصطفٰے رضا خاں قادری، مفتی اعظم ہند: تمہید دوام العیش ص ۱-۴۰

استفتاء بھیجا کہ کیا خلافتِ شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے رسالہ دوام العیش تحریر فرمایا جو ایک مقدمہ اور تین فصول پر مشتمل تھا، تیسری فصل شروع کی تھی کہ دیگر ضروری کاموں کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس خیال سے اس کی تکمیل نہ کی کہ ابھی اس کا وقت نہیں۔ وقت آئے گا، تو تکمیل کرکے طبع کرادیا جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ وصال کے ایک سال بعد آپ کے صاحبزادے مولانا مصطفےٰ رضا خاں مفتئ اعظم ہند نے یہ رسالہ شائع فرمایا۔[1]

بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمد رضا نے دو رسالے اعلام الاعلام اور دوام العیش انگریزوں کی حمایت میں لکھے تھے، یہ تاثر ہرگز منصفانہ نہیں ہے۔ یہ دونوں رسالے آپ کے وصال کے بعد چھپتے ہیں اور معمولی عقل والا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ اگر انگریزوں کو خوش کرنا مقصود ہوتا، تو یہ دونوں رسالے اپنی زندگی ہی میں شائع کر دیتے جبکہ ایسا نہیں ہوا، اس لیے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ الزام لگانے والے دیانت دارانہ بصیرت سے محروم ہیں۔

اس رسالہ میں امام احمد رضا نے حدیث، فقہ اور عقائد کی کتابوں سے تقریباً پچاس احادیث اور اجلہ علماء و ائمہ کی بالونے عبارات پیش کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت کے لیے قرشیت کے شرط ہونے پر احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ نیز اس مسئلہ پر صحابہ، تابعین اور اہلِ سنت کا اجماع ہے[2] اور اس مسئلہ میں صرف خوارج یا بعض معتزلہ مخالف ہیں۔[3]

---

[1] مصطفےٰ رضا قادری، مفتئ اعظم ہند: تمہید دوام العیش ص ۳ - ۴۱

[2] احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش ص ۷۵

[3] ایضاً: " ص ۴۶

بریلی کی تاریخی کانفرنس

۱۹۲۱ء کا طوفانی زمانہ ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند اور خلافت کمیٹی کا طوطی بول رہا ہے۔ متحدہ قومیت اور ہندو مسلم اتحاد کی رَو پوری قوت سے جاری و ساری ہے۔ مشہور لیڈر امام احمد رضا اور دیگر علمائے اہل سنّت کو اپنے راستے کا سب سے زیادہ سنگِ گراں سمجھتے ہیں اور عامۃ المسلمین پر ان کے اثرات سے خائف ہیں۔ علی برادران، بریلی شریف جاکر تحریک میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔ گاندھی خود ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ امام احمد رضا ملاقات سے انکار کر دیتے ہیں۔ جمعیۃ العلماء ہند کا سالانہ اجلاس، ابوالکلام آزاد کی صدارت میں بریلی میں منعقد ہونا قرار پاتا ہے۔ کُل ہند سطح پر اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔ متعدد اشتہار شائع کیے جاتے ہیں۔

ایک اشتہار کا عنوان ہے:

زندگیٔ مُستعار کی چند ساعتیں

اس میں ایک شق یہ تھی:

"مخالفین ترکِ موالات اور موالاتِ نصاریٰ کے عملی حامیوں پر اتمام حجت کیا جائے گا۔"[1]

دوسرے اشتہار کا عنوان تھا:

آفتابِ صداقت کا طلوع

اس میں لکھا:

"منکرین و منافقین پر اتمامِ حجت، مسائلِ حاضرہ کا انقطاعی فیصلہ، خدائی فرمان پہنچانے کے لیے بریلی میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہونے والا ہے، سچائی ظاہر ہوگئی اور جھوٹ بھاگ نکلا۔ خداوند جبار و قہار کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا۔"[2]

---

[1] اراکینِ جماعت، رضائے مصطفےٰ: دوامغ الحمیر (مطبع حسنی، بریلی) ص ۴۷

[2] ایضاً : 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۴۷

۱۰ رجب ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو جماعت رضائے مصطفٰے کے مقاصدِ علمیہ کے صدر مولانا امجد علی اعظمی نے اتمامِ حجتِ تامّہ کے عنوان سے ستر سوالات پر مشتمل ایک اشتہار چھاپ کر مولانا عبدالماجد بدایونی ناظم جمعیۃ العلماء کے پاس بھیج دیا تاکہ ان پر خوب اچھی طرح غور و خوض کر لیا جائے اور اجلاس میں ان کا جواب دے کر تصفیہ کی راہ ہموار کی جائے۔

تبادلۂ خیال اور مناظرہ کے لیے جماعت رضائے مصطفٰے کے چار علماء کے نام پیش کیے گئے:

۱۔ مولانا محمد امجد علی اعظمی	صدر
۲۔ مولانا حسنین رضا خاں	ناظمِ اعلیٰ
۳۔ مولانا ظفر الدین بہاری	رُکن
۴۔ مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی	رُکن

بعد میں علی گڑھ سے مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری بھی تشریف لے آئے اور اُن کا نام بھی مناظرین کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔

ابو الکلام آزاد صدر جمعیۃ العلماء بریلی پہنچے اور جماعت رضائے مصطفٰے کے ستر سوالات اور مناظرہ کے مقام اور وقت کے تعیّن کے مطالبہ پر مشتمل اشتہارات دیکھے اور مذکورہ بالا علماء کے ساتھ مناظرہ سے پہلوتہی کرتے ہوئے امام احمد رضا کو مخاطب کیا۔ یہ رویّہ کسی طور بھی مناسب نہ تھا۔ اوّل تو امام احمد رضا اس وقت علیل تھے، دوسرا یہ کہ اشتہارات میں علمائے اہلِ سنّت کو منکرین اور منافقین کے القاب دے کر ان پر اتمامِ حجّت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ اب جب کہ امام احمد رضا بریلوی کے خلفاء اور اہل سنّت کے ذمّہ دار علماء اس چیلنج کو قبول کر چکے تھے، تو گریز کا کیا معنیٰ؟

علماء اہل سنّت کا تقاضا بڑھا، تو مولوی عبدالودود ناظمِ استقبالیہ جمعیۃ العلماء ہند نے جواباً تحریر کیا:

> ”ہر کس و ناکس سے نزاع و مخاصمہ کرنا خدامِ ملت کے نزدیک بے نتیجہ اور بے سُود ہے۔“[1]

۱۴ رجب کو مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اس کا جواب دیا:

> ”جلسہ جمعیۃ العلماء منعقدہ بریلی کا رقعۂ دعوت، فقیر کے پاس بھیجا، فقیر نے شرکت سے امر ما بہ النزاع کا تصفیہ چاہا، آنجناب اس بے بضاعت کو ”ناکس“ قرار دے کر گفتگو سے اعراض فرماتے ہیں۔ امام اہل سنت، مجدد مائۃ حاضرہ سے طالبِ مناظرہ ہوتے ہیں۔ انصاف شرط ہے کہ رقعۂ دعوت فقیر کے پاس بلاواسطہ بھیجا جائے اور گفتگو کی جب نوبت آئے، تو اسے کس ناکس کہا جائے، اُس کے احقاقِ حق کو نزاع و مخاصمہ قرار دیا جائے، کیا یہی شیوۂ خدامِ ملت ہے؟
>
> آخر میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ براہِ کرم قبل نمازِ جمعہ فقیر کو اپنے جلسے میں بحیثیتِ سائل حاضر ہونے کی اجازت عطا فرمائیں۔“[2]

بالآخر ۱۴ رجب ۲۴ مارچ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کو شام کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اور دیگر علماء اہل سنت نہایت شان و شوکت کے ساتھ سٹیج پر پہنچ گئے۔ صدرِ جلسہ ابوالکلام آزاد نے صرف سید صاحب کو خطاب کے لیے ۳۵ منٹ کا وقت دیا۔

علامہ سید سلیمان اشرف نے مختصر وقت میں واشگاف الفاظ میں بیان کیا کہ ”ہمیں ترکی کی اسلامی سلطنت کی ہمدردی اور امداد سے انکار نہیں۔ یہ امداد و اعانت تمام مسلمانانِ عالم پر فرض ہے نہ ہی ہم انگریزوں کی دوستی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور حرام قطعی ہے۔ ہمیں تو ہندو مسلم اتحاد اور اس اتحاد کی بناء پر کیے جانے والے غیر اسلامی

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ: رودادِ مناظرہ (نادری پریس، بریلی) ص ۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۲--۳

افعال اور اقوال سے اختلاف ہے۔"[1]

علامہ عبدالماجد دریاآبادی مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی دھواں دار تقریر کا منظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"مخالفین کی طرف سے میدانِ خطابت کا ایک پہلوان، شہ زور اور پیل تن، اکھاڑے میں اتارا گیا، کشتی پر کشتی مارے ہوئے، داؤں پیچ کی استادی میں نام پائے ہوئے، اور اُس نے تقریر یہ مارا، وہ مارا کے انداز میں شروع کی، جلسہ پر ایک نشہ کی سی کیفیت طاری اور خلافت والوں کی زبان پر وظیفے یا حفیظ کے جاری۔"[2]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ارکانِ خلافت جس کر و فر سے بریلی آئے تھے وہ قائم نہیں رہ سکا تھا۔

سید صاحب کی تقریر کے بعد ابوالکلام آزاد نے تقریر کی اور جماعت رضائے مصطفےٰ کے پیش کردہ سوالات کا بالکل جواب نہ دیا، روئے سخن صرف سید صاحب، کی طرف تھا اور کہا کہ مجھ پر افترا ہے کہ میں نے ناگپور کے خطبۂ جمعہ میں گاندھی کو ستودہ صفات، خجستہ ذات وغیرہ الفاظ کہے تھے ——— کس نے قشقے کی اجازت دی؟ ——— کس نے مہاتما گاندھی کی جے پکارنے کو کہا؟ ——— بلکہ میں تو خود مہاتما کے یہ معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ ہے (حالانکہ مہا کا معنی عظیم اور آتما کا معنی روح تو مہاتما کا معنی روحِ عظیم ہوا) آخر میں یہاں تک کہہ دیا:

"میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے ہندو بھائی بائیس کروڑ ہیں اگر وہ بائیسوں کروڑ گاندھی ہوں اور مسلمان ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے بھروسہ پر رہیں،

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ: روداد مناظرہ ص ۶-۵

[2] محمد طفیل: نقوش (لاہور) شمارہ مئی ۱۹۶۵ء ص ۷۲

تو وہ بُت پرست ہیں اور گاندھی اُن کا بُت۔"[1]

اُن کی تقریر کے بعد مولانا بُرہان الحق جبل پوری نے کہا کہ ناگپور کانفرنس کے ایک ماہ بعد زمیندار لاہور کے پرچے دیکھ لیجئے، اس میں دوسرے لیڈروں کے اقوال کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے خطبۂ جمعہ میں گاندھی کی تعریف کی، اس پر ابوالکلام نے کہا:

"میں نے یہ پرچے نہیں دیکھے، اگر اس میں ایسا لکھا ہو تو کذب بحت (خالص جھوٹ) ہے، لعنۃ اللہ علیٰ قائلہ۔"

مولانا برہان الحق نے فرمایا "آپ یہ تکذیب ہی شائع کرا دیجیے۔ نیز اخبار "تاج" کے حوالے سے کہا کہ آپ نے گنگا و جمنا کی سرزمین کو مقدس کہا۔ ابوالکلام آزاد نے اس کا بھی انکار کیا اور کہا لعنۃ اللہ علیٰ قائلہ[2] (ایسا کہنے والے پر خدا کی لعنت ہو)

غرض یہ کہ جن بلند بانگ دعاوی کے ساتھ جمعیۃ العلماء ہند نے بریلی میں اجلاس رکھا تھا، ان پر اوس پڑ گئی۔ جماعت رضائے مصطفےٰ کے ستر سوالات کا پیہم تقاضوں کے باوجود جواب نہ دیا گیا۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی تقریر کے جواب میں جان چھڑانے کا انداز نمایاں تھا۔ پھر یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ ہر کافر سے موالات (دوستی) حرام ہے، غیر مسلم کو پیشوا بنانا حرام ہے، سابقہ رویّے میں کوئی تبدیلی نہ لائے۔

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، فرزند اکبر امام احمد رضا خاں بریلوی نے اسی اجلاس میں فرمایا:

"حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ کی حفاظت و خدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدر وسعت و طاقت فرض ہے، اس میں ہمیں

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ: رُوداد مناظرہ ص ۸-۹

[2] ایضاً، ص ۱۱-۱۰

خلاف نہ ہے، نہ تھا، اسی طرح سلطانِ اسلام و جماعتِ اسلامی کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے، نہ تھا۔ تمام کفار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین وغیرہم سے ترکِ موالات ہم ہمیشہ سے ضروری و فرض جانتے ہیں۔

ہمیں خلاف آپ حضرات کی اُن خلافِ شرع و خلافِ اسلام حرکات سے ہے، جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت کے ستر سوال بنام اتمام حجتِ تامہ آپ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب دیجیے، جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنی رجوع نہ شائع کر دیں گے اور ان سے عہدہ برآ نہ ہولیں گے، ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اس کے بعد خدمت و حفاظت حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔"[1]

اس عنوان پر تفصیلی مطالعے کے لیے "ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست" مرتبہ مولانا محمد جلال الدین قادری ملاحظہ کیجیے:

جماعت انصار الاسلام

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ سلطنتِ ترکی کی امداد کے سلسلے میں امام احمد رضا نے کیا کیا؟ اس کی تفصیل کی تو اس وقت گنجائش نہیں، تاہم چند اشارات کیے جاتے ہیں:

امام احمد رضا نے ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں چار انتہائی سود مند تدبیریں تدبیر فلاح و نجات و اصلاح کے نام سے شائع کیں، انہیں اپنایا جاتا تو پوری قوم کا دینی اور معاشی نقشہ ہی بدل جاتا۔

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ: روداد مناظرہ ص ۲۸

۱۔ سوا ان باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہے، اپنے معاملات باہم فیصلہ کرلیں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازیوں میں نہ اڑ جائیں۔

۲۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہے۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد وغیرہا کے تونگر مسلمان، اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع کے حلال فرمائے ہیں۔

۴۔ سب سے اعظم دین کی ترویج و تحصیل [1]

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی نے ان تجاویز کے پیش نظر ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "فاضل بریلوی کے معاشی نکات" لکھا ہے جو مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کردیا ہے۔

مولانا شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری، امام احمد رضا کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "آج (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگِ بلقان (۱۲-۱۹۱۱ء) کے موقع پر انہوں نے سلطنتِ اسلامی اور مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں، قولاً و عملاً ان کی تائید کی، خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی ــــــ اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانتِ اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔
>
> مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے، انہوں نے کیں، خود چندہ دیا اور اپنے زیرِ اثر لوگوں سے دلوایا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی، تحفظ سلطنتِ اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟ ...... اپنی جماعت انصار الاسلام قائم کی۔" [2]

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ: دوامغ الحمیر ص ۲۸

[2] اولادِ رسول محمد میاں قادری، مولانا: برکات مارہرہ و مہمانانِ بدایوں (مطبع حسنی، بریلی)، ص ۱۲-۱۱

تحریکِ شُدھی

امام احمد رضا بریلوی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اور دیگر علمائے اہل سنت کی مومنانہ بصیرت کی داد نہ دینا بے انصافی ہوگی۔ انہوں نے تحریک خلافت اور ترکِ موالات کے دوران بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے دشمن ہیں اور مذکورہ تحریکوں میں ان کی شمولیت بھی ایک چال ہے۔

اس کا ہلکا سا اندازہ مولانا محمد علی جوہر کی ایک تقریر سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ۲۵ دسمبر ۱۹۲۷ء کو پشاور کے ایک اجلاس میں کی:

> ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا، ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورہ کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لیے، حتیٰ کہ کانگریس کے لیے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے لیے آپ کے دوروں کے مصارف بھی خلافت نے ادا کیے۔" [1]

اس سے بڑھ کر قوم مسلم کی بدقسمتی کیا ہوگی کہ ترکوں کی امداد کے نام پر حاصل ہونے والا چندہ گاندھی کے دوروں کی بھینٹ چڑھتا رہا اور قوم یہ سوچ کر مطمئن رہی کہ ہم اپنے ترک بھائیوں کی امداد کر رہے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کیا، بلکہ ان کے دین و ایمان پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی نہیں چوکے۔

۱۹۲۵ء میں آریہ سماج کے بانی دیانند کی صد سالہ تقریب کے موقع پر ایک جلسہ میں ہندو لیڈر ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے جمع ہوئے اور مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی ایک خفیہ سازش تیار کی گئی کہ اپنی مذہبی تبلیغ تیز کرکے اسلام اور داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح (بمبئی) ص ۱۰۵

کے خلاف شکوک و شبہات پھیلا کر سیدھے سادے مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ نیز انہیں احساس دلایا جائے کہ تمہارے آباؤ اجداد ہندو تھے۔ یہ ملک ہندوؤں کا ہے اور اسلام تو دیارِ غیر سے آیا ہوا مذہب ہے، تمہیں دوبارہ ہندو مذہب اختیار کر لینا چاہیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں افراد دولتِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

امام احمد رضا بریلوی وصال فرما چکے تھے۔ آپ کے تلامذہ، خلفاء اور ہم مسلک علماء نے پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ کیا، اسی طرح سنگھٹن تحریک کا دفاع کیا، جس کی بنیاد پر مسلمانوں کو زد و کوب کیا جا رہا تھا۔ یہ حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں

۲۔ مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں

۳۔ امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ

۴۔ مولانا غلام قطب الدین اشرفی برہمچاری

۵۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی

۶۔ مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی

۷۔ حضرت علامہ ابو الحسنات قادری

۸۔ مبلّغ اسلام شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی

۹۔ مولانا نثار احمد کانپوری

۱۰۔ مولانا محمد مشتاق کانپوری [1]

اس سلسلے میں علماء اہل سنت نے آگرہ، متھرا، بھرت پور، گوڑ گانواں، گوبند گڑھ، مضافاتِ اجمیر، جے پور اور کشن گڑھ وغیرہ مقامات کے مسلسل دورے کیے۔ صدر الافاضل

---

[1] غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافاضل ص ۱۸۰

[2] محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم (رضا پبلی کیشنز لاہور) ص ۱۲۷

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور امیر ملت سید پیر جماعت علی شاہ علی پوری نے آگرہ میں مرکز قائم کر کے عرصہ تک وہاں قیام کیا۔ [1]

مجموعی طور پر ساڑھے چار لاکھ مرتد مسلمان ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ [2]

شدھی تحریک کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی (شردھانند نے بدنام زمانہ کتاب ستیارتھ پرکاش میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دینِ اسلام پر اعتراضات کیے اور نہایت سوقیانہ زبان استعمال کی۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس کا مسکت جواب دیا جو احقاق حق کے نام سے چھپ چکا ہے۔ [3]

شدھی تحریک کے دور میں جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے، تو مسلمان لیڈر عامۃ المسلمین کو امن پسند رہنے کی تلقین کر رہے تھے، جبکہ ہندو لیڈروں کا رویہ اس کے برعکس تھا:

> "گاندھی جی نے کہا تو یہ کہ "ہندو بزدل ہیں اور مسلمان دنگئی" انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے شردھانند کے خلاف ایک حرف نہ کہا، مالوی جی کی امن سوزی اور اشتعال انگیزی پر چپ سادھ لی . . . .
> امرتسر کے ایک جلسہ میں مولانا ظفر علی خاں نے پنڈت مدن مالوی کی تفرقہ انگیزی اور فتنہ پروری کے خلاف کچھ کہہ دیا، تو گاندھی جی جو صدر جلسہ تھے، بگڑ گئے اور انہوں نے کہا، آپ نے مالوی جی پر نکتہ چینی کر کے میرے سینہ پر گھونسہ مار دیا۔" [4]

---

[1] غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافاضل ص ۱۸۰

[2] محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریک آزادئ ہند ص ۱۲۸

[3] ایضاً: " " ص ۱۲۶

[4] رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح (بمبئی) ص ۱۵۹

ان حقائق کے پیشِ نظر بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ علماءِ اہل سنّت نے اس دورِ بلاخیز میں جو کچھ فرمایا تھا وہ ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

کا مصداق تھا اور آنے والے حالات نے اس کی حرف بحرف تصدیق کر دی تھی۔

فرانسس روبنسن کی بے خبری

امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علمائے اہل سنّت نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف جو جہاد کیا تھا، وہ ہندو اور ہندو نواز علماء کی برہمی کا سبب تھا، پریس پر ہندو کا غلبہ تھا، اس لیے علمائے اہل سنّت کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم چلائی گئی۔

میاں عبدالرشید کالم نگار "نورِ بصیرت" نوائے وقت لکھتے ہیں:

"گاندھی کی آندھی نے جو خاک اُڑائی تھی، اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بینائی زائل ہو گئی، مگر علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہلڑ بازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی حضرت احمد رضا خاں تھے۔ آپ نے ان دنوں بھی اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھُلی رکھنی چاہیے۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں۔ کانگرسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھُلی رکھی تھی۔ وہ صرف انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان دنوں چونکہ تقریباً سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، اس لیے حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی۔"[1]

لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل

---

[1] رئیس احمد جعفری، حیات محمد علی جناح (بمبئی) ص ۱۵۹

پراپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آرہا ہے۔"[1]

اسی مہم کی صدائے بازگشت، پروفیسر فرانسس روبنسن، پروفیسر یونیورسٹی لندن کی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

روبنسن لکھتا ہے:

احمد رضا خاں (۱۸۵۵ء ——— ۱۹۲۱ء)

"ان کا طریق کار انگریزی حکومت کی حمایت تھا، انہوں نے پہلی عالمی جنگ میں حکومت کی تائید کی، حکومت کی تائید و حمایت کا یہ سلسلہ تحریک خلافت ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔ انہوں نے بریلی میں ایک کانفرنس بلائی، جس میں ترک موالات کے مخالف اور ان علماء کو جمع کیا، جن کا عامۃ المسلمین طلباء اور اساتذہ پر بڑا اثر تھا۔"[2]

علم اور تحقیق کا معیار اگر یہ ہے کہ انگریز مصنف نے اپنی انگریزی کتاب میں لکھ دیا ہو تو بلاشبہ مذکورہ بالا بیان تحقیق کا شاندار مرقع ہے اور اگر تحقیق کی بنیاد حقائق پر ہے تو کہنے دیجئے کہ یہ بیان قطعی غیر تحقیقی ہے اور مصنف کی سہل پسندی کا مظہر۔

اس جگہ چند امور توجہ طلب ہیں:

۱۔ امام احمد رضا بریلوی کا سن پیدائش ۱۸۵۶ء ہے، جبکہ روبنسن نے ۱۸۵۵ء لکھا ہے۔

۲۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ ان کا طریق کار حکومت کی حمایت تھا، وہ ہندو اور انگریز دونوں سے انتہائی نفرت رکھتے تھے۔

---

[1] عبدالرشید، میاں، پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر (ادارۂ تحقیقات پاکستان، لاہور) ص ۱۲۰

(ا) [2] ظہیر: البریلویۃ، ص ۴۴

(ب) فرانسس روبنسن: سپریٹزم امنگ انڈین مسلمز (کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۴ء) ص ۲۲۴

(ج) افضل حق قرشی، قاضی: اقبال کے ممدوح علماء (مکتبہ محمودیہ، لاہور) ص ۱۸

مشہور مؤرخ اور ماہرِ تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

> "انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ "موالات" بھی ایسے ہی حرام ہے، جیسے انگریزوں کے ساتھ"[1]

خود امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

> "اے ایمان والو! وہ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہراتے ہیں، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (یہود و نصاریٰ) اور باقی سب کافر، ان میں کسی سے اتحاد و وداد (محبت، قادری) نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔
> (ترجمۂ آیت) اب تو کسی مفتری کے اس بکنے کی گنجائش نہ رہی کہ یہ حکم صرف یہود و نصاریٰ کے لیے ہے۔"[2]

۳- یہ بھی غلط ہے کہ انہوں نے پہلی عالمی جنگ میں انگریزی حکومت کی تائید کی۔ جس دور میں ان پر انگریز کی حمایت کا بہتان باندھا جا رہا تھا، اس وقت بھی ان کے مخالفین تسلیم کرتے تھے کہ وہ گورنمنٹ کو فوجی امداد دینے کے قائل نہ تھے۔

تحریکِ ترکِ موالات کے رہنما اور امام احمد رضا بریلوی کے سیاسی مخالف مولانا معین الدین اجمیری لکھتے ہیں:

> "ترکِ موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے، جس کو دونوں بزرگوں (مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔"[3]

پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۸ء ——— ۱۹۱۴ء) میں یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ گورنمنٹ

---

[1] محمد ریاست علی قادری، سید: معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۸

[2] احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (مبارک پور، انڈیا) ج ۶، ص ۱۳

[3] رئیس احمد جعفری: اوراقِ گم گشتہ (مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء) ص ۵۷۹

کے حامی تھے۔ اگر کسی شخص کو اس پر اصرار ہے، تو وہ اس کا ثبوت فراہم کرے۔

۴۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء ہند نے بریلی میں کانفرنس بلائی تھی نہ کہ امام احمد رضا بریلوی نے، علماء اہل سنت نے اتمامِ حجت کے طور جمعیت کے رہنماؤں کا چیلنج قبول کیا تھا اور اُن پر واضح کیا تھا کہ ہمارا اختلاف ہندو مسلم اتحاد اور اس کی بناء پر کئے جانے والے غیر شرعی افعال و اقوال سے ہے نہ کہ انگریز دشمنی سے۔

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے اپنی تقریر میں فرمایا:

”موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور قطعی حرام،

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصارٰی الایۃ

نصرانی اور یہودی خواہ فریقِ محارب ہوں یا غیر محارب، موالات ان سے حرام اور مطلقاً حرام۔

ہر کافر سے موالات حرام، خواہ محارب ہو یا غیر محارب، لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء، آپ حضرات انگریزوں سے تو موالات حرام بتاتے ہیں اور کافروں (ہندوؤں) سے موالات نہ صرف جائز، بلکہ عین حکمِ الٰہی کی تعمیل بتلاتے ہیں۔[1]

۵۔ روبنسن نے لکھا ہے کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے مسجد کانپور کے بارے میں حکومت سے جو معاہدہ کیا تھا، اس کی مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مخالفت کی تھی۔ یہ بات خود روبنسن کے بیان کے مخالف ہے، کیونکہ جس شخص کا طریق کار ہی حکومت کی حمایت ہو، وہ حکومت کی پالیسی کی مخالفت کیوں کرے گا؟

ہوا یہ کہ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار، کانپور کی مسجد کا ایک حصہ سڑک کی تعمیر میں شامل کر لیا گیا، اس پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، گولی چلی اور متعدد مسلمان شہید ہو گئے۔ ۱۶؍ اگست ۱۹۱۳ء

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ: روداد مناظرہ (نادری پریس، بریلی، ص ۷

کو مسلمانوں کا ایک وفد لیفٹیننٹ گورنر سے ملا، جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی شامل تھے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو ان حضرات نے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی۔ اس معاہدے کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے ایک رسالہ ابانۃ المتواری تحریر فرمایا، جس میں اس معاہدہ پر سخت تنقید کی، کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں وقف قابلِ انتقال نہیں اور اس سلسلے میں لیفٹیننٹ گورنر اور وائسرائے ہند کی کوئی پرواہ نہ کی۔ [1]

۶۔ روبنسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا عامۃ المسلمین میں بڑا اثر و رسوخ تھا، لیکن تعلیم یافتہ مسلمان انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔

اہلِ علم کے نزدیک امام احمد رضا بریلوی کا مقام دیکھنا ہو تو پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج، ٹھٹھہ، سندھ کی تصانیف فاضلِ بریلوی علماءِ حجاز کی نظر میں اور امام احمد رضا اور عالمِ اسلام کا مطالعہ کیجیے۔ امام احمد رضا جن کو عرب و عجم کے علماء نے خراجِ تحسین و عقیدت پیش کیا اور علامہ اقبال، ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور مولانا وصی احمد محدث سورتی، جن کے مداح اور علم و فضل کے شیدائی ہوں، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مصنف بہارِ شریعت، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری (والد ماجد ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ) مولانا سید سلیمان اشرف بہاری صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، مبلغِ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی اور مفتیِ اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد قادری ایسے آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب جن کے تلامذہ اور خلفاء ہوں، ان کے بارے میں روبنسن کا تجزیہ کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔

۷۔ روبنسن نے نہ تو تاریخی شواہد کا مطالعہ کیا اور نہ ہی امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف ان کے پیشِ نظر ہیں۔ ان کی معلومات کا انحصار ۲۹ مئی ۱۹۶۸ء کے اس انٹرویو پر ہے جو انہوں نے مفتی رضا انصاری فرنگی محلی فرزندِ اکبر مولانا سلامت اللہ سے کیا۔ [2]

---

[1] محمد مسعود احمد، پروفیسر: گناہِ بے گناہی (مرکزی مجلس رضا، لاہور) ص ۳۲، ۳۱

[2] فرانسس روبنسن: سپریٹزم امنگ انڈین مسلم ص ۴۴۲

ہندو مسلم اتحاد کے خلاف امام احمد رضا نے جو جہاد کیا تھا، اس کی بنا پر فرنگی محل کے علما بھی ناراض تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اس ناراضی کے اثرات اب تک باقی ہیں، جن کی بنا پر اس انٹرویو میں امام احمد رضا بریلوی پر گورنمنٹ کی حمایت کا الزام لگایا گیا ہے۔ اب جب کہ اس بے بنیاد الزام کی حقیقت عالم آشکار ہو چکی ہے۔ ایسے میں مفتی رضا انصاری کے انٹرویو اور روبنسن کے بیان میں کوئی وزن نہیں رہ جاتا۔

۸۔ روبنسن کا یہ حوالہ قاضی افضل حق قرشی نے اپنی تالیف اقبال کے ممدوح علماء میں نقل کیا تھا، جس میں انہوں نے اقبال کی آڑ میں علماء اہل سنت پر تبرّا کر کے اپنے ذوق سب و شتم کی تسکین کی تھی۔ انہوں نے روبنسن کی کتاب کے ص ۴۴۲ کا حوالہ دیا تھا۔ البریلویۃ کے مؤلف نے اصل کتاب کی طرف رجوع کئے بغیر اس عبارت کا ترجمہ کر دیا اور حوالہ ص ۴۴۳ کا دے دیا، حالانکہ یہ عبارت ص ۴۲۲ پر ہے۔ گزشتہ سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایسی عبارات تحقیق کی دنیا میں کچھ وزن نہیں رکھتیں، جن کا دلیل و برہان سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ ہو۔

امام احمد رضا — اور انگریز

انگریزی حکومت سے بے تعلقی امام احمد رضا بریلوی کو ورثے میں ملی تھی، اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی کے اوصافِ جمیلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

> "موالاتِ فقراء اور امرِ دینی میں عدم مبالات باغنیاء، حکام سے عُزلت، رزق موروث پر قناعت وغیرہ ذالک۔"[1]

حکامِ وقت سے بے تعلقی امام احمد رضا کے صاحبزادوں، شاگردوں اور خلفاء کا بھی طرّۂ امتیاز رہی ہے۔

تجارت کے بہانے آکر ہندوستان پر حاکم بن بیٹھنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور سوئی ہوئی مُسلم قوم کو جگاتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

سُونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے[2]

انگریزی دور میں مسلمانوں کے دین و ایمان کے غارت کرنے والے فتنوں کی کثرت تھی، عیسائی اور آریہ کھلم کھُلاّ دینِ اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے اور غفلت کے مارے مسلمان ان کے لیکچر سنتے تھے۔ امام احمد رضا بریلوی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء ایک فتویٰ بارق النور فی مقادیر ماء الطہور میں ایسے مسلمانوں کی سرزنش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: تعارف مصنف جواہر البیان (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ص ۶

[2] ایضاً: حدائق بخشش (مدینہ پبلشنگ، کراچی) ج ۱، ص ۹۲

"آج کل ہمارے عوام بھائیوں کی سخت جہالت یہ ہے کہ کسی آریہ نے اشتہار دیا کہ اسلام کے فلاں مضمون کے رد میں فلاں وقت لیکچر دیا جائے گا۔ یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں ——— پادری نے اعلان کیا کہ نصرانیت کے فلاں مضمون کے ثبوت میں فلاں وقت ندا ہوگی۔ یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں ———

بھائیو! تم اپنے نفع ونقصان کو زیادہ جانتے ہو یا تمہارا رب عزّوجل، تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کا حکم تو یہ ہے کہ شیطان تمہارے پاس وسوسہ ڈالنے آئے، تو سیدھا جواب یہ دے دو کہ تو جھوٹا ہے ——— نہ یہ کہ تم آپ دوڑ دوڑ کر ان کے پاس جاؤ اور اپنے رب، اپنے قرآن، اپنے نبی کی شان میں کلماتِ ملعونہ سُنئے۔" [1]

پھر مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگر ایمان سچّا ہے، تو اب یہ فرمائیے کہ ان کے لیکچروں، نداؤں میں آپ کے رب و قرآن و نبی و ایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت؟ ظاہر ہے کہ دوسری صورت ہی ہوگی اور اسی لئے تم کو بُلاتے ہیں کہ تمہارے منہ پر تمہارے خدا و نبی و قرآن و دین کی توہین و تکذیب کریں۔

اب ذرا غور کیجئے! ایک شریر نے زید کے نام اشتہار دیا کہ فلاں وقت، فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی، للہ! انصاف، کیا کوئی غیرت والا، حمیت والا، انسانیت والا جبکہ اسے اس بیان سے روک دینے، باز رکھنے پر قادر ہو، اسے سننے جائے گا۔؟ حاشا للہ! یہ کسی بھنگی، چمار سے بھی نہ ہو سکے گا، پھر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۱، ص ۲۱۵

دیکھو کہ اللہ و رسول و قرآنِ عظیم کی توہین، تکذیب، مذمت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی؟ ایمان رکھتے ہو، اسے اس سے کچھ نسبت نہ جانو گے۔ پھر کون سے کلیجے سے ان جگر شگاف، ناپاک، ملعون بہتانوں، افتراؤں، شیطانی اٹکلوں، ڈھکوسلوں کو سننے جاتے ہو۔

بلکہ حقیقۃً انصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ و رسول و قرآنِ عظیم کی تحقیر کرتے ہیں۔ اس سب کے باعث یہ سننے والے ہیں۔ اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں، اپنے رب و قرآن و رسول کی عزت و عظمت پیشِ نظر رکھیں اور ایکا کرلیں کہ وہ خبیث لکچر گندی ندائیں سننے کوئی نہ جائے گا، جو وہاں موجود ہو، وہ بھی فوراً وہی مبارک ارشاد کا کلمہ کہہ کر کہ تو جھوٹا ہے چلا جائے گا، تو کیا وہ دیواروں، پتھروں سے اپنا سر پھوڑیں گے؟ تو تم سُن سُن کر کہلواتے ہو، نہ تم سنو، نہ وہ کہیں، پھر انصاف کیجئے کہ اُس کہنے کا وبال کس پر ہوا؟"[1]

کیا جس شخص کے دل میں انگریزوں کے لیے ذرا بھی نرم گوشہ ہو، وہ ایسا شدید اندازِ گفتگو اختیار کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا اندازِ تلقین وہی شخص اختیار کرسکتا ہے جس کا دل و دماغ نورِ ایمان سے منور ہو اور مسلمانوں کی تباہی جس کے لیے ناقابلِ برداشت المیہ ہو، وہ نہ تو اتحاد اتحاد کی رٹ لگانے والوں کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ ہی گورنمنٹ کی ناراضی کی پروا کرتا ہے۔

زبان کی حد تک انگریزی سیکھنے میں حرج نہیں، بلکہ بہت سے فوائد ہیں، لیکن جب نصابِ تعلیم غیر اسلامی مقاصد کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو، تو اس کے نقصان دہ ہونے میں شک نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی اس عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ ج ۱، ص ۲۱۷

"انگریزی اور وہ بے سود تضییعِ اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دُنیا میں بھی نہیں پڑتا، جو صرف اس لیے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے این و آن و مہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیّتِ دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا؟ جیسا کہ عام طور پر مشہود و معہود ہے، جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم و تکمیل عقائدِ حقّہ و علومِ صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں، دہریت، نیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے، کیا لیڈر اس میں ساعی ہیں؟ ہرگز نہیں۔"[1]

حضرت مولانا مفتی محمد بُرہان الحق جبل پوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایک دن بعد نمازِ عصر، تفریح کے لیے بگھی پر، گن کیرج فیکٹری کی طرف نکلے، فوجی گوروں کی پارٹی فیکٹری سے اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف جا رہی تھی، انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

کم بخت بالکل بندر ہیں۔"[2]

۱۳۱۸ھ/۱-۱۹۰۰ء میں پٹنہ، عظیم آباد کے اجلاس میں امام احمد رضا بریلوی نے تقریر فرماتے ہوئے رُوئے سخن ندوۃ العلماء کی طرف موڑتے ہوئے فرمایا:

"سب کلمہ گو حق پر ہیں، خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے۔ اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی رضا و ناراضی کا حال کھُل سکتا ہے۔ . . . یہ کلمات اور ان کے امثال خرافات کو اہل ندوہ کی جو رو داد ہے، جو مقال ہے، ایسی باتوں سے مالا مال ہے، سب صریح و شدید نکال و عظیم وبال و موجبِ غضبِ ذی الجلال ہیں۔"[3]

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: رسائلِ رضویہ ج ۲، ص ۹۳

[2] محمد بُرہان الحق، مفتی: اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۹۱

[3] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۱۲۷

امام احمد رضا انگریزی کچہریوں میں جانے کے قائل نہ تھے، بلکہ کچہری کو عدالت اور انگریزی جج کو عادل کہنے سے شدید ممانعت فرماتے تھے، ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں لکھنؤ سے ایک استفتاء آیا کہ نصارٰی کی کچہریوں کو عدالت اور آج کل کے حکام کو عادل کہنا بہت سخت ہے اور فقہاء نے حکم کفر تک فرمایا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ حکمِ کفر مسئلہ مفتٰی بہا ہے؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

> "عدالت بہ طورِ علَم رائج ہے معنیٔ وضعی مقصود نہیں ہوتے، لہٰذا تکفیر ناممکن، البتہ عادل کہنا ضرور کلمۂ کفر ہے، مگر محض بروجہ خوشامد ہوتا ہے، لہٰذا تجدیدِ اسلام و نکاح کافی، ہاں خلاف مَا اُنْزِلَ کو اعتقاداً اعدل جانے، تو قطعاً وہی کفر ہے کہ من شک فی کفرہ فقد کفر"[۱]

یہی وجہ تھی کہ جب ایک مسئلہ میں اختلاف نے شدت اختیار کی، تو اہلِ بدایوں نے آپ کے خلاف اپنے شہر میں استغاثہ دائر کر دیا۔ کچہری سے سمن جاری ہوئے، مگر امام احمد رضا کسی صورت بھی کچہری نہ گئے۔[۲]

> "صرف یہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو بھی یہی تلقین فرماتے تھے کہ باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے فیصل کرتے۔ یہ کروروں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔"[۳]

امام احمد رضا نے مسلمانوں کی کامیابی کے لیے جو تجاویز پیش کی تھیں، ان میں ایک تجویز یہ تھی:

---

[۱] احمد رضا بریلوی، امام:	فتاوٰی رضویہ	ج ۶، ص ۱۱۶
[۲] مرید احمد چشتی، مولانا:	جہانِ رضا	ص ۱۱۸
[۳] غلام معین الدین نعیمی، مولانا	حیات صدر الافاضل	ص ۵۹،

"اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر میں رہتا، اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گڑھت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔" [1]

انگریز نوازی کا الزام دینے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"یہ کس کی خوشی کو تھا مولوی عبدالباری صاحب خدامِ کعبہ کی بانگی کے لیے مسجد کانپور کو عام سڑک اور ہمیشہ کے لئے جنب و حائض و کافر و مشرک کی پامال کرا آئے اور بکمال جرأت اسے مسئلہ شرعیہ ٹھہرایا، اس کے ردّ میں ابانۃ المتواری لکھا گیا، جس میں ان سے کہا گیا ؎

دانم نہ رسی بکعبہ اے پشت براہ!
کیں راہ کہ تو می روی بانگلستان است [2]

مختصر یہ کہ امام احمد رضا بریلوی، انگریز کے مذہب، اس کی تعلیم، اس کی تعظیم، کچہری، وضع قطع اور اس کی محبت سے شدید نفرت رکھتے تھے، حدیہ کہ کارڈ اور لفافہ اُلٹا کر کے پتا لکھتے تاکہ ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کا سر نیچے ہو جائے۔ [3] خطوط پر زیادہ پیسوں کے ٹکٹ لگانے سے منع فرماتے کہ بلاوجہ نصاریٰ کو روپیہ پہنچانا کیسا؟ [4] جن کے ساتھ دوستی ہو، یوں اُن کی ایک ایک ادا سے نفرت نہیں کی جاتی۔

---

[1] غلام معین الدین نعیمی، مولانا	حیات صدر الافاضل	ص ۱۵۹
[2] احمد رضا بریلوی، امام؛	رسائلِ رضویہ	ج ۲، ص ۱۴۳
[3] مرید احمد چشتی، مولانا؛	جہانِ رضا	ص ۱۱۸
[4] ظفرالدین بہاری، مولانا	حیاتِ اعلیٰ حضرت	ص ۱۴۱

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"قرآنِ عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی — مجوس ہوں، خواہ یہود و نصاریٰ، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدانِ عنود۔"[1]

سیّد الطاف علی بریلوی ایسے ہی شواہد کی بناء پر لکھتے ہیں:

"سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ حریت پسند تھے، انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ "شمس العلماءٗ" قسم کے خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں صاحب و مصطفےٰ رضا خاں کو کبھی تصور بھی نہ ہوا۔"[2]

جعفر شاہ پھلواری جو تحریکِ ترکِ موالات کے دور میں امام احمد رضا بریلوی کے مخالفین میں سے تھے، لکھتے ہیں:

"ترکِ موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ! وہ سرکارِ برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترکِ موالات کی مخالفت پر مامور ہیں۔"[3]

طُرفہ یہ کہ ایک طرف انگریز دوستی کا الزام دیا جاتا ہے اور دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ

"خود بریلوی نے کہا کہ جس نے انگریزی ٹوپی (ہیٹ) پہنی، وہ بلاشبہ کافر ہے۔" (ترجمہ)[4]

کیا دوستوں کے ساتھ یہی رویّہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ان کے قومی شعار استعمال کرنے والے کو کفر کی وادی میں دھکیل دیا جاتا ہے؟

تحریکِ ترکِ موالات کے راہنما اور امام احمد رضا کے سیاسی مخالف مولانا معین الدین

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۱۹۲

[2] مرید احمد چشتی: جہانِ رضا ص ۱۱۸

[3] ایضاً: ″ ″ ص ۱۲۵

[4] ظہیر: البریلویۃ ص ۲۰۸

اجمیری لکھتے ہیں :

"ترکِ موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوں (مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔" [۱]

بہت دُور کی سُوجھی

امام احمد رضا بریلوی کے پردادا حافظ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ ان کے بارے میں مولانا ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں :

"وہ اس جدّ و جہد میں تھے کہ سلطنتِ مغلیہ اور انگریزوں میں جو کچھ مناقشات تھے، ان کا تصفیہ ہو جائے، چنانچہ اسی تصفیہ کے لیے حضرت حافظ صاحب کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔" [۲]

صاف ظاہر ہے کہ وہ سلطنتِ مغلیہ کے نمائندہ اور سفیر ہونے کی حیثیت سے انگریزوں سے گفتگو کرنے کلکتہ گئے تھے، اس میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی، اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر کامیابی ہوئی بھی ہوگی، تو یہ مسلمانوں کی سلطنت کی سیاسی خدمت ہوگی نہ کہ انگریز کی، لیکن تاریخ سازی کی ناکام کوشش کرنے والوں کو یہ بھی انگریز کی پولیٹیکل خدمت دکھائی دیتی ہے،

"مولوی احمد رضا خاں کے پردادا حافظ کاظم علی خاں بریلوی نے انگریزی حکومت کی پولیٹیکل خدمات انجام دیں۔" [۳]

کیا امریکہ اور برطانیہ وغیرہ ممالک میں متعین پاکستانی سفیروں کے بارے میں بھی یہی

---

[۱] رئیس احمد جعفری : اوراقِ گم گشتہ (مطبوعہ لاہور) ص ۵۷۶

[۲] ظفر الدین بہاری، مولانا : حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۳

[۳] افضل حق قرشی، قاضی : اقبال کے ممدوح علماء (مکتبہ محمودیہ، لاہور) ص ۱۴-۵۱۳

تاثر دیا جائے گا کہ وہ غیر ملکی سیاسی خدمات انجام دے رہے ہیں؛

ہاں البتہ انگریزی حکومت کی سیاسی خدمات کی ہلکی سی جھلک دیکھنا چاہیں، تو ایک اقتباس کا مطالعہ سود مند رہے گا۔

> "سنہ ۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خاں کی ملازمت میں رہے، مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرا دی . . . . .
> لارڈ ہیسٹنگ، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا، امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب، سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ . . . . . اسی طرح متفرق پرگنے ریاستوں سے بڑی قیل و قال کے بعد انگریزوں سے دلوا کر بپھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرے میں بند کر دیا۔"[1]

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ سید صاحب نے انگریز حکومت کی کیسی کیسی شاندار خدمات انجام دیں اور کس طرح ایک بپھرے ہوئے شیر کو پنجرے میں بند کر کے انگریزی حکومت کے خطرات کا صفایا کر دیا۔ امام احمد رضا پر اس قسم کی موہوم بنیادوں پر الزامات کی دیوار تعمیر کرنے والے ایک طرح یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس دلائل و شواہد نام کی کوئی چیز نہیں ہے، ورنہ وہ یوں ریت کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرتے۔[2]

---

[1] حیرت دہلوی، مرزا، حیاتِ طیبہ (مکتبۃ السلام، لاہور) ص ۵۱۳-۱۴

[2] تفصیل کے لیے دیکھئے: "گناہِ بے گناہی" مطبوعہ لاہور اور کراچی، تصنیف پروفیسر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج ٹھٹھہ، سندھ ۱۲ قادری

وصال

تقریباً نصف صدی، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی شمع مسلمانوں کے دلوں میں روشن کرتے اور ملّتِ اسلامیہ کی دینی، علمی اور فکری راہنمائی فرمانے کے بعد ۲۵ صفر ۲۸/ اکتوبر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء بروزِ جمعہ، جمعہ کے وقت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا وصال ہوا۔[1]

وصال سے کچھ دن پہلے ایک مجلس میں بطورِ وصیت فرمایا:

"تم مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو، بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکادیں، تمہیں فتنہ میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنّم میں لے جائیں، اُن سے بچو اور دُور بھاگو! دیوبندی ہوئے، رافضی ہوئے، نیچری ہوئے، قادیانی ہوئے، چکڑالوی ہوئے، غرض کتنے ہی فرقے ہوئے، اور اب سب سے نئے گاندھوی ہوئے جنہوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا۔"[2]

اس عبارت کو کیسے عجیب انداز میں نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

"بھیڑیئے تمہارا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوتے ہیں، تمہیں گمراہ اور فتنے میں واقع کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں جہنّم میں لے جانا چاہتے ہیں، ان سے بچو خصوصاً دیوبندیوں سے۔"[3]

امام احمد رضا بریلوی نے متعدد فرقوں کا ذکر کیا ہے، جن میں رافضی اور قادیانی کا بھی ذکر ہے۔ غور کیجیے اقتباس نقل کرتے وقت ان کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ دراصل البریلویۃ کے ص ۲۱ پر شیعہ ہونے، اور ص ۱۹ پر مرزا قادیانی کے بھائی کے شاگرد ہونے کا الزام دیا گیا ہے۔

---

[1] حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف (مکتبہ اشرفیہ، مریدکے) ص ۲۷

[2] ایضاً: " " " " ص ۱۸

[3] ظہیر: البریلویۃ ص ۴۵

اب اگر اس جگہ صحیح عبارت نقل کر دی جاتی، تو گزشتہ صفحات کے الزامات غلط ہو جاتے، کیونکہ جس شخصیت نے اپنی وصیت میں ان فرقوں سے اجتناب کی تلقین کی ہو، اس کا ان فرقوں سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ پھر "خاصۃً الدیوبندیین" کس عبارت کا ترجمہ ہے؟ یہ خاص ایجادِ بندہ ہے، امام احمد رضا نے یہ تخصیص ہرگز نہیں کی۔

امام احمد رضا نے وصال سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے چند وصیتیں قلم بند کرائیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

- "شروع نزع کے وقت کارڈ، لفافے، روپیہ پیسے کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے۔"

ذی رُوح کی تصویر سے کس قدر نفرت اور اجتناب ہے؟ اور وہ بھی کس کی تصویریں؟ انگریز حکمرانوں کی۔

- "خبردار کوئی شعر میری مدح کا نہ پڑھا جائے ——— یوں ہی قبر پر"

علماء ربّانی کی یہی شان ہے۔

- "فاتحہ کے کھانا سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقراء کو دیں۔

اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ کہ جھڑک کر۔

غرض کوئی بات خلافِ سُنّت نہ ہو۔

اعزّاء سے اگر بطیبِ خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں، ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ نہ بھیج دیا کریں ——— دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو ——— مُرغ کی بریانی، مُرغ پلاؤ ——— خواہ بکری کا شامی کباب ——— پراٹھے اور بالائی ——— فیرینی ——— اُرد کی پھریری ——— دال مع ادرک و لوازم ——— گوشت بھری کچوریاں ——— سیب کا پانی ——— انار کا پانی ——— سوڈے کی بوتل ——— دُودھ کا برف ——— اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے، یوں کرو

یا جیسے مناسب جانو ——— مگر بطیبِ خاطر ——— میرے لکھنے پر مجبورانہ، نہ ہو۔"[1]

سُبحان اللہ! دُنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی غرباء اور فقراء کا اس قدر خیال ہے کہ ان کے لیے ایسی ایسی چیزوں کا انتظام فرما گئے، جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ آ سکتی تھیں۔ علماءِ اہلِ سنت پر شکم پروری کا الزام لگانے والے غور کریں کہ یہ اپنے پیٹ کی فکر ہے یا ناداروں کے پیٹ کی!

امام احمد رضا بریلوی کی حیاتِ ظاہرہ میں غریب پروری کا عالم یہ تھا:

> "کاشانۂ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکلاً علی اللہ مہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی، بلکہ بیرونجات میں بذریعہ منی آرڈر رقوم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔[2]

جب کہ اُن کی اپنی خوراک کی مقدار یہ تھی:

> "زیادہ سے زیادہ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کا اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا اور وہ بھی روزانہ نہیں، بلکہ بسا اوقات ناغہ بھی ہوتا تھا۔[3]

وصیت میں ایک شق یہ بھی تھی۔

> "رضا حسین، حسنین اور تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباعِ شریعت نہ چھوڑو، اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔"[4]

---

[1] حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف ص ۲۴ — ۲۲

[2] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۲، ص ۵۲

[3] ایضاً: ″ ″ ص ۲۷

[4] حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف ص ۲۵

ظاہر ہے کہ دین نام ہے اسلامی عقائد کا، جن پر قائم رہنا ہر حال میں ضروری ہے — اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (الآیۃ) "جبر و اکراہ کی صورت میں بھی تصدیقِ قلبی کا برقرار رہنا ضروری ہے"۔ اور شریعت، عملی احکام کو کہتے ہیں، جن پر بقدرِ طاقت عمل کیا جائے گا: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا (الآیۃ، ۲۸۶- البقرۃ ۲)

بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہوں نے نیا دین ایجاد کیا تھا جس پر کاربند رہنے کی تاکیدِ شدید کر رہے ہیں، حالانکہ ان کی تصانیف موجود ہیں، کوئی بھی شخص مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے اور نت نئے اٹھنے والے فرقوں کا سختی کے ساتھ محاسبہ کیا ہے۔

وصال سے چند روز پہلے جو ارشادات بہ طورِ وصیّت فرمائے، ان میں فرمایا:

"اللہ و رسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور اُن کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور اُن کے دشمنوں سے سچّی عداوت ———— جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جُدا ہو جاؤ ———— جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظّم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو ———— میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں"[۲]

سیّد الطاف علی بریلوی نمازِ جنازہ کی چشم دید روداد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"حضرت کی میّت ان کی جائے قیام، محلّہ سوداگراں سے شہر کے باہر تین چار میل کے فاصلہ پر دریائے رام گنگا کے کنارے واقع عید گاہ، جہاں وہ عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے، لے جائی گئی، اس وقت سخت گرمی اور دھوپ تھی، لیکن

---

[۱] حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف ص ۱۹

اس کے باوجود جلوس اور نماز میں کم از کم دس ہزار عقیدت مندوں کا ہجوم تھا ...... اس روز پورے شہر میں ہر شخص کو بے پناہ صدمہ تھا اور گھر گھر صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔“ [1]

اس دور میں جبکہ ذرائع ابلاغ اور وسائل نقل وحمل محدود تھے۔ اس قدر اجتماع معمولی نہیں ہے۔

مبالغہ آرائی

"البریلویۃ" (ص ۵۱ — ۶۴) میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام احمد رضا کے عقیدت مندوں نے ان کے بارے میں بے جا مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند "اقتباس" اُن کی تصانیف سے پیش کر دیئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مبالغہ آمیزی سے کس نے کام لیا ہے اور کس قدر؟

سیّد احمد بریلوی (رائے بریلی کی طرف منسوب) کے ہاتھ پر ایک شرابی بیعت کرتا ہے، سیّد صاحب نے کہا کہ ہمارے سامنے نہ پینا، وہ گھر جاکر پینے لگتا ہے، تو سیّد صاحب سامنے، کوٹھڑی میں جاکر پینے لگا، تو پھر سامنے!

> "آخر لاچار ہو کر پاخانہ میں شراب طلب کی، تو وہاں بھی حضرت کو سامنے کھڑا دیکھا۔“ [2]

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کے عقیدے کو تو بریلویوں کے ان خصوصی عقائد میں شمار کیا جاتا ہے، جو عقل ونقل کے خلاف ہیں[3] لیکن اپنے پیر ومرشد کی عظمت کو چمکانے کے لیے یہ قوت ثابت کی جارہی ہے کہ وہ جہاں چاہیں حاضر وناظر

---

[1] محمد مرید احمد چشتی: جہانِ رضا ص ۱۱۳

[2] محمد جعفر تھانیسری: حیات سیّد احمد شہید (نفیس اکیڈمی کراچی) ص ۱۳۹

[3] ظہیر البریلویۃ ص ۱۰۶

ہوجائیں، آخر عقل و نقل کے مخالف یہ شعبدہ بازی کیوں تسلیم کرلی گئی ہے؟

ایک طرف تو انبیاء و اولیاء کے لیے علمِ غیب کے اثبات کو کتاب و سنّت اور فقہ حنفی کے مخالف قرار دیا جارہا ہے[1] دوسری طرف سیّد صاحب کی شان میں دل کھول کر مبالغہ کیاجاتا ہے:

"سیّد صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عطا کی ہے کہ میں دیکھ سکتا ہوں کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی"[2]

یہ مبالغہ نہیں، تو اسے حقیقت کے کس خانے میں فِٹ کیاجائے گا؟

ایک دل دہلا دینے والا مبالغہ بھی ملاحظہ ہو، سید صاحب کی زبانی یہ کہلوایا گیا ہے:

"جب تک ہند کا شرک اور ایران کا رفض اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہوکر ہر مردہ سنّت زندہ نہ ہوجائے گی، اللہ ربّ العزّت مجھ کو نہیں اٹھائے گا، اگر قبل از ظہورِ ان واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے روبرو مارا گیا، تو تم اس کے قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا، کیونکہ میرے رب نے مجھ سے وعدۂ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مارے گا۔"[3]

آج تک ان امور میں سے کوئی بھی معرضِ ظہور میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہوتا تو یقیناً پورا ہوتا، اس لیے یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ یہ خود ساختہ الہام ہے، الہام ربانی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مولوی سخاوت علی جونپوری لکھتے ہیں:

"تفصیلش در معیار الحق مصنفہ مولانا حجۃ اللہ علی العالمین . . . . .

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۸۵

[2] محمد جعفر تھانیسری: حیات سید احمد شہید ص ۱۷۴

[3] ایضاً: " " ص ۱۷۲

مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب ادامت برکاتہ علی کافۃ الخلق مرقوم“ ۱؎

مولوی عبد الجبار عمر پوری، میاں نذیر حسین کی شان میں لکھتے ہیں:

احییٰ طریق الحق بعد مماتہ
ووجودہ من اٰیۃ الرحمٰن
احسن بہ من فایق اقرانہ
ماندۃ فی عالم الامکان ۲؎

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمالاتِ عالیہ میں نظیر ممکن، مگر میاں صاحب کی نظیر ناممکن، ان کا وجود آیت الرحمٰن ہے، اس مبالغے کا کیا جواز ہے؟

قاضی طلا محمد پشاوری، میاں صاحب کی مدح میں لکھتے ہیں:

؎ شیخِ اجل، چراغِ امل، صادق العمل
غوثِ زمیں، غیاثِ زماں، پیرِ باصفا
؎ بدر جلی، صفی و ولی، عشرۃ علی
دانائے ہر خفی و جلی، معدنِ سخا
؎ موقوف بر قبولِ تو احکامِ شرع و دیں
چوں بر اصولِ ہندسہ، برہانِ مدعا
؎ ہم فکر بے قرین، تو حلّالِ مشکلات
ہم عقل پیش بین تو کشافِ مدّعا ۳؎

انبیاء و اولیاء کے لیے غوثِ زمیں، غیاثِ زماں، دانائے ہر خفی و جلی اور حلّالِ مشکلات

۱؎ فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب کراچی) س ۱۱۳ھ

۲؎ ایضاً: ” ” ” ص ۹۷، ۴

۳؎ ایضاً: ” ” ” ص ۷۹ – ۷، ۴

کے الفاظ استعمال کرنے والا فتوائے شرک سے محفوظ نہیں رہ سکتا، مگر میاں صاحب کے بارے میں سب کچھ روا، بلکہ احکامِ شرع و دین ان کے قبول کرنے پر موقوف، اور اگر وہ قبول نہ کریں، تو؟ ؎

ہر حکم بے رضائے تو مردودِ اھلِ دل،
ہر نکتہ بے قبول تو ناچیز چوں لفا[1]

ایک اور شعر ملاحظہ ہو، یوسف حسین صابری لکھتے ہیں:

کرامتے ست کہ تبدیل ماہیاتِ نمود
مجالِ عقل شدہ پیشِ سعیٔ اُو مجبور[2]

میاں صاحب کی کرامات کو اس بلندی پر لے جایا جا رہا ہے کہ وہ ماہیات و حقائق کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

نواب صدّیق حسن خاں، اپنی بیگم نواب شاہجہان بیگم کی مدح و ثنا میں دادِ بلاغت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واحییت السنن وامانت المبدع ...... الیٰ ان سالت فیوضہا العامۃ لکل حاضر و بادی وجالت خیول جودھا فی کل بادیۃ ووادی .... جامعۃ للفضائل التی قلما تجتمع فی رجل فضلا عن النسوان، حاویۃ للفواضل التی تقصر دون تبیانہا لسان الترجمان وھٰذہ ذرۃ من میدان مناقبہا العلیۃ[3]

---

[1] فضل حسین بہاری، الحیاۃ بعد المماۃ ص ۴۷۸

[2] ایضاً، " ص ۵۰۳

[3] صدیق حسن بھوپالی، نواب، ابجد العلوم ج ۳، ص ۲۸۶-۷

"اُس نے سُنتوں کو زندہ کیا اور بدعتوں کو مار دیا، اُس کے فیض عام کا سیلاب ہر شہری اور دیہاتی تک پہنچے، اور اُس کی سخاوت کے گھوڑے ہر جنگل اور ہر وادی میں پہنچے، وہ ایسے فضائل کی جامع ہے جو عورتوں میں تو کجا، مردوں میں بھی شاذونادر پائے جاتے ہیں، وہ ایسے کمالات کی حامل ہے، جن کے بیان سے ترجمان کی زبان عاجز ہے، اور یہ اس کے بلند مناقب کے میدان کا ایک ترجمہ ہے۔"

جس شخص کو معلوم نہ ہو کہ مبالغہ کسے کہتے ہیں، وہ اس عبارت کو پڑھ کر مبالغہ کی حقیقت معلوم کر سکتا ہے ——— خود نواب صاحب کی تعریف میں جو قلابے ملائے گئے ہیں، وہ بھی ایک نظیر دیکھ لیجئے:

تمکن من اعنۃ البیان مالم یتمکن علیہ الاعیان
فجاء فی عصرہ عدیم النظیر فی مایکون وکان [1]

"وہ بیان کی اُن لگاموں پر قادر ہیں، جن پر بڑے بڑے قادر نہ ہو سکے، وہ اپنے زمانے میں بے نظیر ہیں، ان کی نظیر ماضی میں ہوئی نہ آئندہ ہوگی۔"

مولوی عبدالباری سہسوانی، ان کی مدح میں لکھتے ہیں:

؎ هُوَ حُجَّۃُ لِلّٰہِ قَاهِرَۃ
هُوَ بیننا اُعجوبۃ الدهر
؎ هو ایۃ فی الخلق ظاهرۃ
انوارہ اربت علی الفجر

اس کے باوجود یہ تصریح کرتے ہیں:

وثنائی هٰذا علیہ لیس من المبالغۃ فی شیئ [2]

---

[1] عبدالباری سہسوانی: خاتمہ الجد العلوم ج ۳، ص ۲۹۱

[2] ایضاً: " " ج ۳، ص ۵-۲۹۴

"وہ اللہ تعالیٰ کی حجتِ قاہرہ ہیں، وہ ہمارے درمیان زمانے کا عجوبہ ہیں، وہ مخلوق میں آیتِ ظاہرہ ہیں، جس کے انوار صبح صادق سے زیادہ ہیں ـــــــ اس میں کچھ مبالغہ نہیں۔"

اربابِ علم و دانش کے چند تاثرات

ذیل میں امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں چند اہلِ علم کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جن کی شخصیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ان مبنی بر حقیقت تاثرات کو غلوِ عقیدت قرار نہیں دیا جا سکتا:

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی سابق وزیرِ حقوق، بیروت، امام احمد رضا کی تصنیف لطیف الدولۃ المکیۃ پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

فوجدتہ من انفع الکتب الدینیۃ واقواھا حجۃ ولا یصدر مثلہ الا عن امام کبیر، علامۃ نحریر فرضی اللہ عن مؤلفہ وارضاہ وبلغہ من کل خیر مناہ[1]

"میں نے اسے کتبِ دینیہ میں نافع ترین اور دلیل کے اعتبار سے مضبوط تر پایا، ایسی کتاب امام کبیر اور علامہ اجل ہی لکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے۔"

مولانا احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد، مدرس مسجد حرام، مکہ معظمہ فرماتے ہیں:

فقد نظرت فی ھذہ الرسالۃ نظر تدقیق وامعان فالفیتھا فی غایۃ من الحسن والتحقیق قد شرح القلوب بیانھا وسطع فی سماء التحقیق برھانھا وکیف لا وھی

---

[1] الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ: (المکتبۃ، کراچی) ص ۶ - ۴۷۴

جمع العلامۃ الامام النبیل الذکی الهمام ورأس المؤلفین فی زمانہ وامام المصنفین بحکم اقرانہ[1]

"میں نے اس رسالہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، تو اُسے حسن، تحقیق اور پختگی میں انتہا کو پہنچا ہوا پایا۔ اس کا بیان شرحِ صدر عطا کرتا ہے اور اس کے دلائل آسمانِ تحقیق پر درخشاں ہیں اور کیوں نہ ہو، یہ امام علامہ، دانشور، ذکی، بلند ہمت، اپنے زمانے کے مؤلفین کے رئیس اور معاصرین کے اعتراف کے مطابق، مصنفین کے امام کی تصنیف ہے۔"

حضرت شیخ موسیٰ علی شامی، مدنی فرماتے ہیں:

امام الائمۃ المجدد لهذہ الامۃ۔[2]

"اماموں کے امام اور اس امت کے مجدد"

ڈاکٹر سر ضیاء الدین، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ریاضی کے ایک پیچیدہ مسئلے کے حل کے لیے جرمنی جانا چاہتے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کے مشورے پر بریلی حاضر ہوئے۔ امام احمد رضا بریلوی نے چند منٹ میں وہ مسئلہ حل کر دیا، واپسی پر ڈاکٹر صاحب کا تاثر یہ تھا:

"وہ اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی ہو، اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر و مقابلہ، توقیت (میں) اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی، حضرت نے چند منٹ میں حل کر کے رکھ دیا ——— صحیح معنیٰ میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔"[3]

---

[1] الفیوضاۃ الملکیۃ ص ۳۰

[2] ایضاً: ص ۴۶۲

[3] محمد برہان الحق جبلپوری، مفتی: اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۶۰-۵۹

تفصیل کے لیے دیکھئے پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہٗ کی تصنیف فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں اور امام احمد رضا اور عالمِ اسلام ملاحظہ فرمائیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ علمائے اسلام نے امام احمد رضا کی بارگاہ میں کیسے کیسے گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست

شعر و سخن اور خاص طور پر اُردو نعت کے میدان میں امام احمد رضا بریلوی کے مقام کو ایک عالم نے تسلیم کیا ہے، متعدد دانشوروں اور ادیبوں کے تاثرات اس سے پہلے نقل کیے جا چکے ہیں، خود انہوں نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا ہے ؎

مُلکِ سُخن کی شاہی تم کو رضؔا مُسلّم
جس سمت آگئے ہو سِکّے بٹھا دیئے ہیں[1]

علم و فضل اور نعت گوئی کے بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے باوجود بارگاہِ رسالت سے والہانہ لگاؤ اور ادب و احترام ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا، یہاں تک کہ ان کے مخالفین بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ وہ واقعی عاشقِ رسول تھے، فرماتے ہیں،

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضؔا
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں[2]

اس شعر سے بارگاہِ رسالت کے ساتھ جس گہری عقیدت و الفت اور اپنے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہے، اسے محبت آشنا قلوب ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ دیدہ و دل فرشِ راہ کرنے والے اس کیف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ محرومِ محبت افراد کی اس سوز و گداز کی لذت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: حدائقِ بخشش مع تحقیقی ادبی جائزہ (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ص ۸۰

[2] ایضاً: ص ۷۷

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

رؤی انصاری فی النوم فقیل لہ ما فعل اللہ بك قال غفر لی قیل بماذا قال بالشبہ الذی بینی و بین النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قیل لہ انت شریف؟ قال لا: قیل فمن این الشبہ؟ قال کشبہ الکلب الی الرّاعی[1]

"ایک انصاری کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: مجھے بخش دیا، پوچھا کس سبب سے؟ فرمایا: اس مناسبت کی بناء پر جو میرے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہے پوچھا کیا آپ سید ہیں؟ فرمایا: نہیں، پوچھا پھر مناسبت کونسی ہے؟ فرمایا: جو ایک کتے اور نگہبان کے درمیان۔"

سُبحان اللہ! یہ تعلق اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اسی کی بنا پر بخش دیا۔ مولانا محمد عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ جو عاشقانِ رسولِ مقبول میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں، عرض کرتے ہیں: ع

سگت را کاش جامی نام بودے
"کاش کہ آپ کے کُتّے کا نام جامی ہوتا"

ایک دوسرے مقام پر یوں عرضِ نیاز کرتے ہیں ؎

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

"مَیں نے اپنی نسبت آپ کے کُتّے کی طرف کی اور شرمسار ہوں،
کہ آپ کی گلی کے کُتّے کی طرف نسبت بھی بے ادبی ہے"

---

[1] احمد بن حجر الہیتمی المکیّ، الامام: الصواعق المحرقہ (مکتبۃ القاہرۃ، مصر)، ص ۲۴۲

لیکن غیر صحت مند نگاہوں کو اس میں تضاد نظر آتا ہے، انہیں ہر طرف مبالغہ ہی مبالغہ نظر آتا ہے۔[1]

امام احمد رضا بریلوی کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے:

انا ملك مملكة البيان و لا بد للناس من تسليم كل ما اقوله[2]

"میں مملکتِ بیان کا بادشاہ ہوں، اور میں جو کچھ کہوں لوگوں پر اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔"

خط کشیدہ عبارت خود ساختہ ہے، اس شعر میں ایسا کوئی نشان نہیں ہے ؎

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

تلامذہ اور خلفاء

ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہٗ نے حرمین شریفین اور دیگر ممالک کے ۳۲ علماء اور پاک و ہند کے ۲۷ علماء کا تذکرہ کیا ہے، جنہیں امام احمد رضا نے خلافت و اجازت عطا فرمائی۔[3] یہ تمام حضرات آسمانِ شریعت و طریقت کے آفتاب و ماہتاب گزرے ہیں، جنہوں نے اپنے علم و فضل کی تابانیوں سے ایک جہان کو منور کیا۔

آج بحمدہٖ تعالیٰ پاکستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تنظیم المدارس سے وابستہ تقریباً چھ سو مدارس امام احمد رضا کے مسلک، مسلکِ اہل سنت و جماعت کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں سینکڑوں مدارس دین کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف ہیں۔

---

[1] ظہیر البریلویۃ ص ۱ – ۵۰

[2] ایضاً 〃 ص ۵۰

[3] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں (مجلس رضا، لاہور) ص ۹۰ – ۸۸

تحریکِ پاکستان

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعد امام احمد رضا بریلوی نے دو قومی نظریہ کی ببانگِ دُہل حمایت اور حفاظت کی۔ علامہ اقبال اور قائد اعظم کے اس نظریے کو اپنانے سے پہلے امام احمد رضا اور اُن کے ہم مسلک علماء پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس نظریے کی حفاظت کے لیے جہاد کر چکے تھے۔

۳ نومبر ۱۹۲۱ء کو روزنامہ پیسہ اخبار لاہور نے ایک اداریہ لکھا، جس کا عنوان تھا:

آہ! مولانا احمد رضا خاں صاحب

اس عنوان کے تحت امام احمد رضا کے سیاسی موقف کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

> "ترکِ مُوالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ جب مسلمانوں میں ترکِ موالات کا حکم صاف ہے تو اس میں استثناء کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ کہ جب اسلام میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یکساں ترکِ موالات کا حکم ہے، تو جس طرح انگریزوں اور ان کی حکومت سے ترکِ موالات کیا جاتا ہے، ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین شمار کیے جاتے ہیں، ترکِ موالات ہونی چاہیے۔ یہ منطق نہایت کمزور ہے کہ انگریزوں سے تو ترکِ موالات ہو — اور ہندوؤں سے محض سیاسی اتحاد کے لیے موالات روا رکھی جائے۔" [1]

امام احمد رضا کے وصال کے بعد اُن کے تلامذہ، خلفاء اور ہم مسلک علماء اسی راہ پر چلتے رہے اور ملتِ اسلامیہ کی بہتری اور کامیابی کے لیے تمام تر رعنائیاں صرف کرتے رہے۔

---

[1] محمد مرید احمد چشتی، خیابانِ رضا (عظیم پبلی کیشنز، لاہور)، ص ۲۶

انگریز حکمرانوں کی جانب داری اور ہندوؤں کی ہٹ دھرمی نے اصحاب فکر و نظر مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ پُرامن اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اہل سنّت کے ایک مفکر محمد عبدالقدیر نے ۱۹۲۵ء میں ایک رسالہ ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام لکھا، جس میں تقسیم ہند کے سلسلے میں تفصیلی تجاویز پیش کی گئیں اور یہ تجویز پیش کی کہ جس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہ مسلمانوں کو دے دیا جائے پھر انہوں نے ضلع وار ان علاقوں کی نشان دہی بھی کر دی اور جن علاقوں میں ہندو یا دوسری قومیں اکثریت میں ہوں، وہ انہیں دے دیئے جائیں۔ یہ رسالہ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا تھا۔[1]

۱۹۳۰ء میں جب علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ الٰہ آباد میں تقسیم ہند کی اسی تجویز کو پیش کیا، تو ہندوؤں نے اس پر بڑی برہمی کا اظہار کیا، طبقۂ علماء میں سب سے پہلے حضرت صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس تجویز کی پُرزور تائید کی اور فرمایا:

> "ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ ہندوؤں کے زیرِ اقتدار اور دوسرا مسلمانوں کے ——— ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا؛ یہ ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی؟ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا، تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے فائدہ ملتا تھا ——— کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برانگیختہ کرتی رہی اور انہیں اس میں اپنا کیا ضرر نظر آیا؟ بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بقا کی ایک صورت اس میں نظر آتی تھی اور انہیں تھوڑا سا اقتدار ملا جاتا تھا۔ . . . .
> اس حالت میں بھی مسلمان کہلاتے والی جماعت (جمعیۃ العلماء ہند وغیرہ) ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے، تو اس پر ہزار افسوس ہے[2]

---

[1] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم (رضا پبلی کیشنز، لاہور) ص ۲۰۵

[2] ایضا: 〃 〃 〃 〃 ص ۲۷۶-۷

آل انڈیا سنی کانفرنس

مارچ ۱۹۲۵ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد (بھارت) میں چار روزہ کانفرنس ہوئی، جس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں نے صدرِ مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبۂ صدارت پڑھا، اسی کانفرنس میں الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ (آل انڈیا سُنّی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اس کے ناظمِ اعلیٰ اور امیرِ ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، اس کے صدر منتخب کیے گئے۔ قائدین نے شبانہ روز کوشش سے متحدہ پاک و ہند کے گوشے گوشے میں اس جماعت کی شاخیں قائم کیں۔ ایک طرف اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ کو منظم کیا، تو دوسری طرف ہندوؤں اور کانگریسی علماء کی چالوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا ــــ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

> "بریلوی مکتبِ فکر کی قیادت (بعد ازاں) مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ہاتھوں میں آگئی۔ جمعیۃ علماء ہند کے برعکس وہ ۳۹ — ۱۹۳۸ء میں ہی اس بات پر یقین کر چکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک برِصغیر پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے، ان کے لیے یہ سوال شدت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیے، اس لیے جونہی قراردادِ پاکستان (۱۹۴۰ء) منظور ہوئی، اس مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء جنہوں نے اس سے قبل بھی کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی۔ قیام پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کر دیا اور ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی ضرورت کی تبلیغ میں مصروف ہوگئی ــــ مولانا سید نعیم الدین نے بذاتِ خود شمالی برِصغیر کا دورہ کیا اور اس کے متعدد چھوٹے

اور بڑے شہروں اور قصبات میں تقریریں کیں، تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے نیا نام دیا گیا — آل انڈیا سُنّی کانفرنس سے اس کا نام "جمہوریۃ الاسلامیہ" رکھ دیا گیا"۔[1]

۱۹۴۰ء میں منٹو پارک (مینارِ پاکستان) لاہور میں جب قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تو اس اجلاس میں علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ عبدالغفور ہزاروی اور علامہ ابوالحسنات قادری بھی شریک تھے۔ علامہ بدایونی نے قرارداد کے حق میں خطاب بھی فرمایا۔[2]

قیامِ پاکستان سے اہلِ سنّت کے قلبی لگاؤ کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ سنّت کے ترجمان ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر کی پیشانی پر ۱۹۴۲ء میں ہی پاکستان لکھا ہوتا تھا۔[3] جبکہ بدقسمتی سے امرتسر، پاکستان میں شامل ہی نہ ہو سکا۔

۴؍جون ۱۹۴۵ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ایک منصوبے کا اعلان کیا کہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے نئی ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کی جائے گی۔ ۲۵؍جون کو شملہ میں اس کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ قائدِ اعظم نے وائسرائے سے اس امر کی یقین دہانی چاہی کہ مسلمانوں کی طرف سے کونسل میں صرف مسلم لیگ کو نمائندگی دی جائے۔[4]

اس موقع پر مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے بریلی سے وائسرائے ہند کے نام مسلم لیگ کی حمایت میں شملہ تار ارسال کیا۔ یہ خبر ۱۵؍جولائی ۱۹۴۵ء پھر ۲۰؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو روزنامہ انجام دہلی میں چھپی جسے اہلِ سنّت کے ترجمان ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر نے ۷؍تا ۱۴؍نومبر ۱۹۴۵ء کے شمارے میں نقل کیا۔ الفقیہ کے تراشے کا عکس خطبات آل انڈیا سنّی کانفرنس

---

[1] ریاست علی قادری، سید: معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۸

[2] محمد صادق قصوری: اکابر تحریکِ پاکستان (نوری کتب خانہ، لاہور) ص ۱۴۹

[3] محمد جلال الدین قادری: خطبات آل انڈیا سُنّی کانفرنس ص ۳۲

[4] رضی حیدر، خواجہ: قائدِ اعظم کے ۷۲ سال (سورتی اکیڈمی کراچی) ص ۳-۳۹۲

میں چھپ چکا ہے۔[۱]

۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہوا، مسلمانوں کی تیس نشستوں پر مسلم لیگ کے نمائندوں نے انتخاب لڑا، اور بھاری اکثریت میں کامیابی حاصل کی۔ جمعیۃ علماء، دہلی، احرار، خاکسار اور مسلم مجلس نے بھی اپنے نمائندے مختلف نشستوں کے لیے کھڑے کیے تھے، ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔[۲] فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں بھی مسلم لیگ نے زبردست کامیابی حاصل کی۔

۴ دسمبر ۱۹۴۵ء کو وزیرِ ہند نے برطانیہ کے دارالامراء میں اعلان کیا کہ انتخابات کے کے بعد حکومت برطانیہ، ہندوستان میں دستور ساز اسمبلی قائم کرے گی اور ایک کیبنٹ مشن ہندوستان بھیجے گی تاکہ یہ ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقات کر کے بحیثیتِ آزاد مملکت ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔[۳]

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو کیبنٹ مشن، دہلی پہنچ گیا جو لارڈ پیتھک لارنس، سر اسٹیفورڈ، کرپس اور اے وی الیگزنڈر پر مشتمل تھا، اسی دن پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مشن کے ایک رکن سر اسٹیفورڈ کرپس نے کہا:

> "ہم کھلے دل کے ساتھ ہندوستان آئے ہیں، ہمارے پاس کوئی سکیم نہیں، ہم ہر سیاسی مسئلہ کے متعلق تحقیقات کریں گے۔"[۴]

یہ وہ نازک ترین دور تھا، جس میں حکومتِ برطانیہ کو فیصلہ کرنا تھا کہ تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کو منظور کیا جائے یا نہیں؟ علماء اہل سنت نے پوری قوت کے ساتھ قیامِ پاکستان کی حمایت کی اور آل انڈیا سنی کانفرنس کی جد و جہد عروج کو پہنچ گئی۔

---

[۱] رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح ص ۷۶۵—۸

[۲] رضی حیدر خواجہ: قائدِ اعظم کے ۷۲ سال ص ۳۹۹

[۳] ایضاً:

[۴] ایضاً: 〃 〃 ص ۴۰۶—۷

حضرت مفتی اعجاز ولی خاں، مدرس مدرسہ منظرِ اسلام بریلی نے اسی سال پاکستان کی حمایت میں فتویٰ جاری کیا[1]

۱۹۴٦ء میں علماء اہلِ سنّت کا ایک فتویٰ شائع ہوا، جس میں کانگریس کی مخالفت اور مسلم لیگ کی تائید کی گئی تھی — ذیل میں وہ فتویٰ پیش کیا جاتا ہے:

"آل انڈیا سنّی کانفرنس کے مشاہیر علماء و مشائخین کا متفقہ فیصلہ:

مُسلم لیگ کو ووٹ دے کر
کانگریس کو شکست دی جائے

آل انڈیا سُنّی کانفرنس، مسلم لیگ کے ہر اس طریقۂ عمل کی تائید کر سکتی ہے جو شریعتِ مطہرہ کے خلاف نہ ہو جیسے کہ الیکشن کے معاملہ میں کانگریس کو ناکام کرنے کی کوشش — اس میں مسلم لیگ جس مسلمان کو بھی اُٹھائے، سُنّی کانفرنس کے اراکین و ممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں، ووٹ دے سکتے ہیں، دوسروں کو اس کے ووٹ دینے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ مسئلہ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئینِ شریعت کے مطابق فقہی اصول پر حکومت قائم کرنا سُنّی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے —"

اس فتوے پر پچاس سے زیادہ اہلِ سنّت کے جلیل القدر علماء کے دستخط ہیں، جن میں سرِ فہرست مفتیِ اعظم ہند مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں (جانشین و فرزند امام احمد رضا بریلوی) صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفۂ امام احمد رضا) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (خلیفۂ امام احمد رضا) مفسرِ اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں (جانشین و فرزند حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں) ان کے علاوہ دار العلوم منظرِ اسلام بریلی کے مدرسین مولانا تقدس علی خاں، مہتمم، محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد، صدر مدرس، مولانا سردار علی خاں، مدرس

---

[1] محمد صادق قصوری، اکابر تحریکِ پاکستان (نوری کتب خانہ لاہور) ج ۲، ص ٦٦

مولانا وقار الدین پیلی بھیتی، مدرس ۔ مولانا عبدالغفور، مدرس ۔ مولانا احسان علی مظفر پوری، مدرس ۔ مولانا انوار احمد، مدرس اور مولانا فضل غنی، مدرس کے دستخط ہیں ـــــ یہ فتویٰ بصورتِ اشتہار شاعرِ آستانہ مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری، پروپیگنڈہ سیکرٹری ڈسٹرکٹ سُنّی کانفرنس، بدایوں، یوپی نے شائع کیا[1] اس کے علاوہ ۲۹؍ مارچ ۱۹۴۶ء کو اخبار دبدبۂ سکندری ج ۸۴ شمارہ ۱۵ میں بھی یہ فتویٰ شائع ہوا۔[2]

۲۳ تا ۲۵ صفر مطابق ۲۸ تا ۳۰؍ جنوری ۱۳۶۵ھ؍ ۱۹۴۶ء کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے عرسِ مبارک کے موقع پر متحدہ پاک و ہند کے اطراف و اکناف سے تشریف لائے ہوئے علماء و مشائخ جمع ہیں اور ہر شخص مسئلۂ پاکستان کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جذبات کے تلاطم کا یہ عالم کہ بازار میں قائم کیے جانے والے ہوٹلوں کے نام پاکستان کی نسبت سے رکھے جا رہے ہیں کسی ہوٹل کا نام حامدی پاکستان ہوٹل اور کسی کا رضوی پاکستان ہوٹل، یہ فضا صرف اسی وقت قائم ہو سکتی ہے، جب کسی مطالبے کی لہر ہر کس و ناکس کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہو۔

سٹیج پر جو مقرر آتا ہے، اس کا موضوع الیکشن اور پاکستان ہی ہے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (خلیفہ امام احمد رضا) نے اپنے خطاب میں فرمایا:

> کانگرس فتنۂ عظیمہ ہے' وہ ہندوستان سے مسلمانوں کے استیصال کا ارادہ کر چکی ہے . . . . . علمائے اہل سنت مسلمانوں کو اس جال میں پھنستا دیکھ کر صبر نہیں کر سکتے' اس لیے ہم مدت سے اعلان کر رہے ہیں اور ہماری تمام سُنّی کانفرنسیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں ہر ہر صوبہ میں قائم ہیں۔ کانگریس کے مقابلہ میں پوری جدوجہد کر رہی ہیں؛ چنانچہ پچھلے الیکشن (نومبر ۱۹۴۵ء مرکزی الیکشن)

---

[1] عکسِ فتویٰ: قادیانی مرتد (مجلس رضا لاہور) ص ۴۴

[2] عکسِ فتویٰ: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۳۳۸

میں ان کانفرنسوں کی کوششیں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اس وقت (فروری ۱۹۴۶ء) میں ہونے والے صوبائی انتخابات کے لیے) ہم پھر یہی اعلان کرتے ہیں۔"[1]

اس خطاب کے بعد حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی نے تائید کرتے ہوئے فرمایا:

"الیکشن کے معاملہ میں ہماری اجتماعی کوشش یہی ہے کہ کانگریس کو ناکام کر دیا جائے، ہم اس خدمت کو مسلمانوں کے حق میں نافع سمجھ کر رضائے الٰہی کے لیے انجام دیتے ہیں۔"[2]

مفتیٔ اعظم پاکستان

۱۹۴۶ء کے فیصلہ کن الیکشن میں حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا محمد مصطفٰے رضا خاں بریلی میں مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں سب سے پہلا ووٹ ڈالا۔ لیگی رضا کار انہیں جلوس کی شکل میں مفتیٔ اعظم پاکستان کے نعرے لگاتے ہوئے واپس آستانۂ رضویہ تک لائے۔

حضرت مولانا تقدس علی خاں مدظلہٗ پیر جو گوٹھ، سندھ فرماتے ہیں:

"حضرت مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہ العزیز غالباً ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کا سخت مقابلہ تھا اور یہ فیصلہ ہونا تھا کہ پاکستان بنے یا نہیں؛ اس میں اوّل ووٹ حضرت کا ہوا، امیدوار عزیز احمد خاں ایڈووکیٹ تھے عزیز احمد خاں مسلم لیگ کی طرف سے تھے، اور ووٹ ڈالنے کے بعد حضرت کو جلوس کی شکل میں مسلم لیگ کے رضاکار مفتیٔ اعظم پاکستان کے نعروں کے ساتھ آستانہ شریف پر واپس لائے۔"[3]

---

[1] محمد جلال الدین قادری، مولانا، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (بحوالہ دبدبۂ سکندری) ص ۱۰۰-۹۸

[2] ایضاً، ص ۳۱۱

[3] مکتوب بنام راقم الحروف، تحریر ۲۸ فروری ۱۹۸۵ء

یہ واقعہ فروری ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات کا ہے جس میں بریلی، بیلی بھیت شہری حلقے میں مولوی عزیز احمد خاں، مسلم لیگ کے امیدوار تھے، انہیں ۱۱۵۳۱ ووٹ ملے، ان کے مقابل عبداللطیف فاروقی قوم پرست تھے: جنہیں ۶۰۰۶ ووٹ ملے تھے، مسلم لیگ کے امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔[۱]

آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء

یوں تو آل انڈیا سنی کانفرنس کی متحدہ پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی کثیر التعداد شاخیں اور ان سے وابستہ ہزاروں علما۔ اپنے حلقوں میں تحریک پاکستان اور اس کے مقاصد سے عوام و خواص کو روشناس کرا رہے تھے، لیکن بنارس کا اجلاس اپنی جامعیت اور شان و شوکت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا، اہل سنّت و جماعت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ اور ہر اجلاس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اجتماع[۲]، شرکاء کے جنوں خیز جذبے اور پاکستان کے ساتھ گہرے قلبی لگاؤ کا غماز تھا۔ بلاشبہ یہ کانفرنس تحریکِ پاکستان کا وہ سنگِ میل ہے جس کے تذکرے کے بغیر قیامِ پاکستان کی کوئی تاریخ مکمل نہیں کہلا سکتی۔

یہ کانفرنس ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو فاطماں باغ، بنارس میں منعقد ہوئی، چاروں دن ہر اجلاس کی صدارت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے فرمائی[۳] اس کانفرنس میں کیبنٹ مشن، مسٹر کرپس اور ان کے ساتھیوں کو بھی دعوت دی گئی تاکہ وہ پورے ملک کے نمائندہ اجتماع میں حاضر ہو کر بچشمِ خود، پاکستان سے متعلق مسلمانوں کے والہانہ جذبات کو دیکھ لیں۔ انہوں نے شمولیت کا وعدہ بھی کیا، لیکن اپنی گوناگوں مصروفیات کے سبب عین

---

[۱] ولی مظہر، ایڈووکیٹ، عظیم قائد عظیم تحریک (مطبوعہ ملتان ۱۹۸۲ء) ج ۱، ص ۳۷۶

[۲] غلام معین الدین نعیمی، مولانا، حیات صدر الافاضل (مکتبہ نعیمیہ رضویہ، لاہور) ص ۱۸۹

[۳] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۳ - ۲۵۲

آخر وقت میں بذریعہ تار اپنی معذرت کا اظہار کر دیا۔[1]

۲۹؍اپریل ۱۹۴۶ء کو صبح نو بجے سے ایک بجے دوپہر تک، منعقد ہونے والے کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی:

"آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے، اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنّت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآنِ کریم اور حدیثِ نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔[2]

اسی اجلاس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں حسبِ ذیل حضرات شامل تھے:

"مولانا سیّد محمد محدّثِ اعظم ہند کچھوچھوی، مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی، مولانا ابوالبرکات سیّد احمد قادری (یہ تمام حضرات امام احمد رضا کے خلفاء ہیں) مولانا عبد الحامد بدایونی، دیوان سیّد آلِ رسول، اجمیر شریف۔ خواجہ قمر الدّین سیالوی، سیال شریف۔ شاہ عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف (سندھ) مولانا سیّد زین الحسنات، مانکی شریف (سرحد) خان بہادر بخشی مصطفےٰ علی، مدراس۔ مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، لاہور"[3]

۲۷؍اپریل ۱۹۴۶ء کو جمہوریتِ اسلامیہ (آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا دوسرا نام) کی مجلسِ استقبالیہ

---

[1] غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل ص ۱۸۹

[2] مختصر رپورٹ خطبۂ صدارت، جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مرادآباد ۱۹۴۶ء ص ۲۹

[3] ایضاً: 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۲۹

کے صدر، محدثِ اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی نے ولولہ انگیز اور انتہائی بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا؛ اس میں انہوں نے فرمایا:

> "آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے، جس میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں، بلکہ اسلام کی حکومت ہو، جس کو مختصر یوں کہیے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو۔" [۱]

آل انڈیا سنی کانفرنس، اجمیر منعقدہ ۷ ـ ۸ رجون ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء میں خطاب فرماتے ہوئے محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی نے فرمایا: کو پاکِستان

> "اِن پاکوں کا عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان بنا کر دکھا دینا ہے یہی علماء و مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں، جس کا نام آل انڈیا سُنّی کانفرنس یا جمہوریتِ اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت تک صرف علماء و مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب بحث کی لعنت
> چھوڑ دو ——— اب غفلت کے جرم سے باز آؤ ——— اُٹھ پڑو ———
> کھڑے ہو جاؤ ——— چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رُکو ——— پاکستان بنا لو
> تو جا کر دم لو ——— کہ یہ کام اے سُنّیو! سُن لو کہ صرف تمہارا ہے۔" [۲]

آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی تنظیم میں سب سے زیادہ حصّہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کا تھا۔ ان کے سوز و گداز اور حکیمانہ طریق کار کا اثر یہ تھا کہ تمام علماء و مشائخ اہل سنّت کو ایک سٹیج پر لا کھڑا کیا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس کے ارکان پاکستان پر اس قدر اعتقاد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدین

---

[۱] مختصر رپورٹ خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مرادآباد ۱۹۴۶ء ص ۲۳

[۲] الخطبۃ الاشرفیۃ للجمہوریۃ الاسلامیہ (مطبوعہ مرادآباد) ص ۸-۷

مراد آبادی نے "جمہوریۃ الاسلامیہ" پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات کو ایک خط میں لکھا:

"جمہوریۃ الاسلامیہ کو کسی بھی صورتِ حال میں پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونا قبول نہیں، خواہ جناح خود اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کیبنٹ مشن تجاویز سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔"[1]

بنارس کانفرنس کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"بنارس میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں پانچ ہزار علماء نے شرکت کی اور حاضرین و مندوبین کے سامنے پاکستان کی ضرورت و اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ جب یہ علماء اپنے اپنے علاقوں میں واپس گئے، تو قیامِ پاکستان کی تحریک کو وسیع پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی۔"[2]

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی مساعی کی ہمہ گیری اور سُنّی کانفرنس کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ سے متجاوز ہو چکی تھی[3]

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی زبان میں قدرت نے ایسی تاثیر رکھی تھی کہ اُن کی گفتگو سُننے والا متاثر ہوتے بغیر نہیں رہتا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی تحریکات کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ صدر الافاضل، دہلی جا کر مولانا جوہر سے ملے اور انہیں ہندوؤں سے اتحاد کے نقصانات کی طرف توجہ دلائی، خدا کی شان کہ مولانا جوہر نے فرمایا:

---

[1] ریاست علی قادری، سید: معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۹

[2] ایضاً، " " " " " ص ۲۳۹

[3] غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیاتِ صدر الافاضل ص ۱۸۸

"مولانا! آپ گواہ رہیں، میں اب توبہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی ہنود و غیر مسلموں سے اتحاد و وداد نہ رکھوں گا۔ مولانا! میں نے ہندوؤں سے میل جول رکھ کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ دُعا فرمایئے کہ مابقی (باقی) عمر میں اس نقصان کی تلافی کر سکوں، اب میں گاندھی کے پاس جا رہا ہوں، آپ دیکھیں گے کہ یہ میری اُس سے آخری ملاقات ہوگی۔"[1]

مولانا جوہر، گاندھی کے پاس گئے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے چند فارمولے اُس کے سامنے رکھے، اُس نے صاف انکار کر دیا اور مولانا جوہر لڑ کر واپس آگئے اور بیزاری کا اعلان کر دیا۔ اس واقعہ کے تین ماہ بعد گول میز کانفرنس، لندن کے موقع پر ان کا وصال ہو گیا۔ مولانا شوکت علی نے خود مراد آباد جا کر صدر الافاضل کے سامنے ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں سرزد ہونے والے غیر شرعی افعال و اقوال سے توبہ کی۔[2]

مولانا مفتی محمد بُرہان الحق جبل پوری، خلیفۂ امام احمد رضا بریلوی نے بھی تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دیں، ان کا بیان ہے:

"فقیر نے تعمیرِ پاکستان میں جو نمایاں حصہ لیا اور مسٹر جناح کے مشن کو تقویت دینے کے لیے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کا پورا دورہ کیا اور اس سلسلے میں جو فقیر کی تقریریں ہیں وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جو بعونہ تعالیٰ قلم بند ہے، مگر فقیر اپنی شہرت کا نہ کبھی طالب ہوا، نہ اس کی اشاعت ضروری سمجھی۔ مسٹر جناح کے ایک شکریہ کا خط بھی محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری کوششوں کو قبول فرمائے اور پاکستان کو ہر قسم کے شر و فساد اور پریشانی سے محفوظ فرمائے آمین واللہ الموفق۔"[3]

---

[1] غلام معین الدین نعیمی، مولانا حیات صدر الافاضل ص ۱۷۳

[2] ایضاً ″ ″ ص ۱۷۳-۴

[3] محمد بُرہان الحق جبل پوری، مفتی؛ اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۱۱۸

نوٹ: ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء کو حضرت وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ۱۲ قادری

امام احمد رضا بریلوی کے ہم مسلک علماء و مشائخ نے تحریکِ پاکستان کی بھرپور حمایت کی۔ مشائخ میں سے حضرت امیرِ ملّت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مانکی شریف، تونسہ شریف، گولڑہ شریف، جلال پور شریف، سیال شریف، تونسہ شریف، بھرچونڈی شریف وغیرہم کے سجادہ نشین اور دیگر مشائخ کرام نے ہر طرح تحریک کا ساتھ دیا۔

علماء کرام میں سے مولانا عبد الحامد بدایونی، شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی، شاہ عارف اللہ قادری، علامہ ابوالحسنات قادری، علامہ عبد الغفور ہزاروی، مولانا غلام الدّین، لاہور۔ مولانا غلام محمد ترنّم، مولانا محمد بخش مسلم، علامہ عبد المصطفےٰ ازہری، مفتی محمد عمر نعیمی، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبد الستار نیازی وغیرہم نے اس تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔

اس موضوع پر تفصیلات جاننے کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۱۔ تحریک آزادیٔ ہند اور السّواد الاعظم	پروفیسر محمد مسعود احمد	مطبوعہ لاہور
۲۔ فاضل بریلوی اور ترکِ موالات	〃 〃	〃
۳۔ خطبات آل انڈیا سُنّی کانفرنس	محمد جلال الدین قادری	〃
۴۔ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست	〃 〃	〃
۵۔ اکابر تحریکِ پاکستان (۲ جلد)	محمد صادق قصوری	〃
۶۔ پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر	میاں عبد الرشید	〃
۷۔ حیات صدر الافاضل	سیّد غلام معین الدین نعیمی	〃
۸۔ معارفِ رضا	سیّد ریاست علی قادری	مطبوعہ کراچی

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدّین مراد آبادی، محدثِ اعظم ہند سیّد محمد محدث کچھوچھوی، مفتی محمد عمر نعیمی اور مولانا غلام معین الدّین نعیمی مارچ ۱۹۴۸ء میں پاکستان تشریف لائے اور دستورِ اسلامی کے مسئلے پر لاہور اور کراچی

کے علماء سے مذاکرات کیے، طے پایا کہ صدر الافاضل دستورِ اسلامی کا مسودہ تیار کریں، کوشش کی جائے گی کہ پاکستان کی قومی اسمبلی سے اسے منظور کرایا جائے۔ اسی اثناء میں صدر الافاضل سخت علیل ہوگئے۔ اس لیے انہیں واپس جانا پڑا۔ مرادآباد جاکر ابھی دستور کی گیارہ دفعات تحریر کر پائے تھے کہ پیامِ اجل آپہنچا اور ۱۹؍ ذی الحجہ ۲۲؍ اکتوبر ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء کو وصال فرماگئے۔ [1]

جمعیۃ العلماء پاکستان

تقسیمِ ملک کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ انوار العلوم، ملتان میں علماء اہلِ سنت کا اجتماع ہوا، جس میں طے پایا کہ پاکستان میں سنّی کانفرنس کا نام تبدیل کرکے جمعیۃ العلمائے پاکستان رکھا جائے، کیونکہ دونوں ملکوں میں سُنّی کانفرنس کے نام سے کام کرنے سے مختلف دشواریاں پیش آسکتی ہیں۔

حضرت علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری سابق صدر پنجاب سُنّی کانفرنس کو جمعیۃ العلماء پاکستان کا صدر، اور حضرت علامہ احمد سعید کاظمی کو ناظمِ اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ [2]

علامہ ابوالحسنات قادری کے بعد علامہ عبدالحامد بدایونی، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ آلومہاروی، علامہ عبدالغفور ہزاروی، شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی یکے بعد دیگرے جمعیت کے صدر رہے۔ ان دنوں قائدِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد نورانی صدر اور مجاہدِ ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی جنرل سیکرٹری ہیں۔

---

[1] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم ص ۵۵

[2] غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیاتِ صدر الافاضل ص ۱۹۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مرکزی مجلسِ رضا (رجسٹرڈ) (قائم شدہ ۱۹۶۸ء) نوری مسجد بالمقابل ریلوے سٹیشن لاہور

کے زیرِ اہتمام

تعمیر کئے جانے والے دو عظیم الشان دینی مراکز

مسجدِ رضا و مدرسہ ضیاء الاسلام

محمدی سٹریٹ ○ محبوب روڈ ○ چاہ میراں لاہور

مسجد رضا امام اہلِ سنّت، مجددِ دین وملّت، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مدرسہ ضیاء الاسلام اعلیٰ حضرت کے خلیفہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مہاجر مدنی قدس سرہٗ کی یاد میں (۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء) قائم کئے گئے ہیں

مدرسہ ہذا میں قرآنِ مجید (حفظ و ناظرہ) کی تعلیم و تدریس کے علاوہ اہالیانِ شمالی لاہور کی سہولت کے لئے مرکزی مجلسِ رضا کے ذیلی دفتر کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔

عکسی فوٹو تحریر　　　**نقش اسمائے کہف**　　　**اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ**

خوالص بحوالہ ترجمہ اعلیٰحضرت تفسیر مولانا نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ اسماء مکان و دوکان کے دروازے پر لگائے جائیں تو مکان و دوکان جلنے سے محفوظ رہیں سرمایہ پر رکھے جائیں تو چوری نہیں جاتا جان و مال کی حفاظت۔ نیز جملہ بیشمار فوائد حاصل ہوں

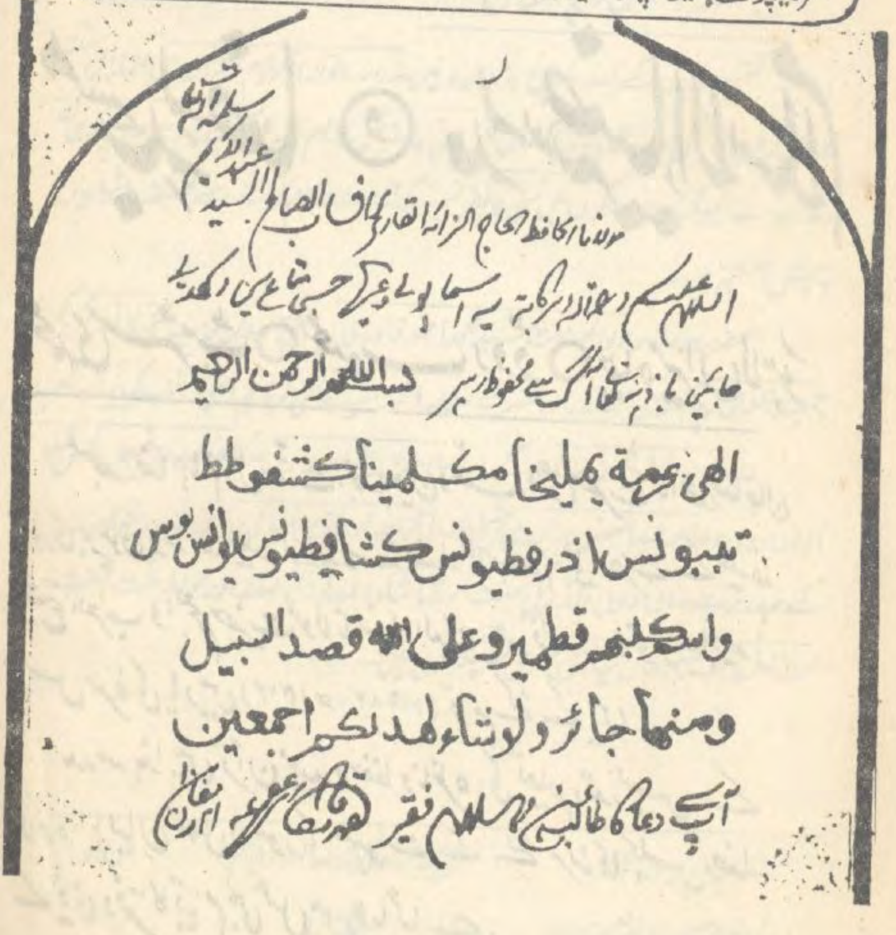

مولانا الحافظ الحاج الزائر القاری الحافظ الصالح السید عبد الکریم سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ یہ اسماء پورے عرق حسب شائعین رکھے جائیں یا ذہن کی آگ سے محفوظ رہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بحرمۃ یملیخا مکسلمینا کشفوطط

تبیونس اذرفطیونس کشافطیونس یوانس بوس

واسم کلبہم قطمیر وعلی اللہ قصد السبیل

ومنہا جائر ولو شاء لہدٰکم اجمعین

آپ کی دعا کا طالب مع السلام فقیر احمد رضا عفی عنہ ۱۱ رمضان

اپیل

۱ ۔ فرائض وواجبات کی ادائیگی کو ہر کام پر اوّلیت دیجئے۔ اسی طرح حرام اور مکروہ کاموں اور بدعات سے اجتناب کیجئے کہ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

۲ فریضۂ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام تر کوشش سے ادا کیجئے کہ کوئی ریاضت اور مجاہدہ اِن فرائض کی ادائیگی کے برابر نہیں ہے۔

۳ خوش اخلاقی، حُسنِ معاملہ اور وعدہ وفائی کو اپنا شعار بنائیے۔

۴ قرض ہر صورت میں ادا کیجئے کہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیتے جاتے ہیں لیکن قرض معاف نہیں کیا جاتا۔

۵ قرآن پاک کی تلاوت کیجئے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لیے کلامِ پاک کا بہترین ترجمہ "کنز الایمان" از امام احمد رضا بریلوی پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے۔

۶ دینِ متین کی صحیح شناسائی کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت کی تصانیف کا مطالعہ کیجئے۔ جو حضرات خود نہ پڑھ سکیں وہ اپنے پڑھے لکھے بھائی سے درخواست کریں کہ وہ پڑھ کر سُنائے۔

۷ فاتحہ، عرس، میلاد شریف اور گیارہویں شریف کی تقریبات میں کھانے، شیرینی اور پھلوں کے علاوہ علماء اہل سنت کی تصانیف بھی تقسیم کیجئے۔

۸ ہر شہر اور ہر محلہ میں لائبریری قائم کیجئے اور اس میں علماء اہل سنت کا لٹریچر ذخیرہ کیجئے کہ تبلیغِ دین کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

۹ ہر شہر میں سُنّی لٹریچر فراہم کرنے کیلئے کتب خانہ قائم کیجئے یہ تبلیغ بھی ہے اور بہترین تجارت بھی۔

۱۰ انجمن طلباء اسلام کی ہر ممکن امداد اور سرپرستی کیجئے۔

۱۱ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام و فرامین جاننے، ان پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کیلئے دعوتِ اسلامی کی تحریک میں شمولیت اختیار کیجئے۔

۱۲ مرکزی مجلسِ رضا لاہور کی رُکنیت قبول کیجئے، رُکنیت فارم مجلس کے دفتر سے طلب کیجئے۔

مرکزی مجلسِ رضا لاہور پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶